

روشن سبک

طاہر رسول قادری

اردو معارف اسلامی کراچی

السندری پبلی کیشنز

سولہ گیت ٹراکیٹ - اردو بازار - لاہور

دُشَن سَتار



طاہر رسول قادری

ادارہ معارف اسلامی کراچی

البدیع پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

قیمت : - ۱۵

ادارہ معارف اسلامی

ادارہ معارف اسلامی (رجسٹرڈ) ایک آر او علمی و تحقیقی ادارہ ہے جو اسلام کی حقیقی اور بے آمیز تعلیمات کو روزِ جدید کی زبان میں پیش کرنے اور اسلام کی رہنمائی میں آج کے معاشرے کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے علمی کام میں مصروف ہے۔ اس ادارہ کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا۔ ایک با اختیار مجلس منتظم اس کے تمام امور کی ذمہ دار ہے۔ ادارہ کا مرکزی نظم کراچی میں ہے اور مختصر شاخ ڈھاکہ میں کام کر رہی تھی لیکن سقوطِ مشرقی پاکستان کے سبب اب اس سے ادارہ کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ جن مقاصد کے حصول کے لیے ادارہ کوشاں ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ اسلامی تعلیمات کو پوری تحقیقی اور علمی جستجو کے بعد جدید ترین اسلوبِ اظہار کو اختیار کرتے ہوئے پیش کرنا اور تمدن، تاریخ، قانون، معیشت اور دوسرے دائروں میں جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کرنا۔

۲۔ علمائے اسلام کے تحقیقی کارناموں کا ترجمہ، ترتیب نو، تشریح و توضیح اور اشاعت۔ اس طرح قدیم علمی خزانوں تک آج کے طالب علموں کی رسائی کا سامان کرنا۔

۳۔ عالم اسلام کے موجودہ مسائل اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں صحیح اور حقیقت پسندانہ فہم پیدا کرنے کے لیے مسلم ممالک کے بارے میں بالعموم اور پاکستان کے بارے میں بالخصوص تحقیقی کام کرنا۔

۴۔ اسلامی موضوعات پر دورِ حاضر کے مسلم علماء کے نمایاں کارناموں کی وسیع اشاعت اور نفوذ کی خاطر دنیا کی اہم زبانوں میں بالخصوص عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور سواحلی میں ان کے ترجمہ اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۵۔ عام پڑھنے لکھنے والوں میں اسلامی تہذیب و تمدن، تاریخ اور مسلم دنیا کے موجودہ مسائل کا صحیح فہم پیدا کرنے کے لیے مناسب طرز کی عام فہم کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

۶۔ تعلیم کو مثبت اسلامی آہنگ دینے کے لیے اور اسلامی بنیادوں پر تشکیل شدہ ایک نئے نظامِ تعلیم کے ارتقاء کی راہ ہموار کرنے کے لیے مختلف مراحل کی نصابی اور امدادی کتب کی تیاری اور اشاعت کا انتظام کرنا۔

پیش لفظ

قومیں اپنی تاریخ سے سبق حاصل کرتی ہیں اور اسی کے سہارے آگے بڑھتی ہیں۔ تاریخ ہمیشہ صاحبِ عزم و بصیرت اور مقصد کی لگن سے سرشار لوگوں سے بنا کرتی ہے۔ جس قوم میں جس قدر بلند پایہ ہستیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی تاریخ اسی قدر شاندار اور کامیاب ہوتی ہے اور جو ایسا نہیں کر پاتی وہ نشانِ عبرت بن کر پیوندِ خاک ہو جاتی ہے۔ تاریخ کا یہی وہ بے جسم اور بے لاگ فیصلہ ہے جو قوموں کے معاملہ میں ہمیشہ دہرایا جاتا رہا ہے۔

تاریخ کا ایک طالب علم جب اس نقطہ نظر سے مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے تو بیک نظر وہ جان لیتا ہے کہ مسلمان اس لحاظ سے بھی دنیا کی ایک خوش قسمت قوم ہیں کہ ان کے اندر میدانِ کار کی کبھی کمی نہیں رہی اور ہر دور میں ان کے اندر تاریخ ساز ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ جنہوں نے ظلم و فساد کی جڑوں کو کبھی گہری ہونے نہیں دیا اور سرکشی و طغیانی کو قابو سے باہر ہونے سے روک رکھا۔ جب کبھی کوئی ظالم و جابر پیدا ہوا اس قوم کے حیات پسند مزاج نے کسی بے خوف بندہ مومن کو اس کے سامنے لاکھڑا کیا۔ اور جب کبھی اس کے دین میں کوئی خلل ڈالنے والا نمودار ہوا اس کی دین آشتی و طبیعت نے اصلاحِ احوال کی موثر تدابیر اختیار کیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مسلمان کسی دور اور عہد میں بھی جیل کی بھیانک تاریکی

اور گمراہی کی خوفناک ظلمات میں مبتلا نہ ہوتے۔ اور ظلمت بڑھی اور کسی نے شمع نور حق فروزاں کر دی۔

زیر نظر کتاب میں مسلمانوں کی اسی حسین تاریخ کے کچھ ابواب پیش کیے گئے ہیں جو تحقیق کا اچھا نمونہ ہیں۔ اس کتاب میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ مسلمان ہر دور میں حساس، متحرک، ظلم و جور کے سامنے سینہ سپر اور باطل کے منہ پر کلمہ حق کہنے میں بے باک رہے ہیں۔ نیز اس بات کی واضح نشان دہی کی گئی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ ہر دور میں دلکش اور حیات بخش رہی ہے۔ اس میں حالات کا جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے اور واقعات کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہ بہت قیمتی ہے۔

محترم رفیق ادارہ جناب طاہر رسول قادری کی یہ کاوش قابل تحسین ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے۔ مجھے امید ہے تمام مسلمانوں کے لیے عام طور پر اور دعوت حق کا کام کرنے والوں کے لیے خاص طور پر یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی اور جہاں کہیں لاعلمی کی بنا پر اپنی تاریخ سے کوئی بدگمانی پائی جاتی ہے وہ دور ہو سکے گی۔

منور حسن

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون
۱۶	مقدمہ
۱۸	دنیا کا صالح ترین معاشرہ
۲۲	اس معاشرے کا زوال کیوں؟
۲۳	پہلی وجہ
۲۳	دوسری وجہ
۲۳	تیسری وجہ
۲۴	چوتھی وجہ
۲۵	پانچویں وجہ
۲۵	چھٹی وجہ
۲۶	ساتویں وجہ
۲۷	تباہ کن اثرات
۲۷	(i) دین و سیاست کی تفریق
۲۸	(ii) قبائلی عصبیت
۲۹	(iii) عشرت پسندی

۳۰

زندہ معاشرہ

۳۲

(i) تابعین اور کشمکش حیات

۳۴

(ii) جہل کے خلاف جہاد

۳۴

(iii) انصاف پسندی

۳۵

(iv) حق گوئی و بیباکی

۳۷

خیر القرون کے بعد

۳۹

(i) خوارج کا فتنہ

۳۹

(ii) فتنہ مختار

۳۹

(iii) توابعین

۴۰

(iv) عراقیوں کی شورش

۴۱

(v) فتنوں کا طوفان

۴۳

(vi) یہ ملکیت کی حمایت نہیں

۴۴

خرابیاں اور ان کے ازالے کی تدابیر

۵۱

محمد بن حنفیہ

۵۴

باب اول

۵۷

میدان عرفات

۵۸

زندہ جلا دینے کی تیاریاں

۶۰

حرم کا احترام

۶۴

اہل بیت کے نام پر استحصال

مگر خونِ مسلم ازراں نہ ہونے دیا

۶۶

ایک اہم خصوصیات

۶۷

امن پسندی

۶۹

پاکیزہ مزاجی

باب دوم

۷۰

حقائق تاریخ کے آئینے میں

۷۲

شخصی حکومت سے اختلاف

۷۲

بنو ہاشم اور بنو امیہ

۷۴

گمراہ کن عقائد کی تردید

۷۴

علم مخفی کی کوئی حقیقت نہیں

۷۵

مہدی کھلانے سے انکار

۷۶

دو خدا

باب سوم

سیاسی دباؤ

۷۸

ابن زبیر اور محمد بن حنفیہ

۸۰

خون سلم کی حرمت

۸۱

عبدالملک بن مروان کا دباؤ

۸۲

اچھی پیش کش کا برا اثر

۸۵

موقف کے مطابق عمل

۸۶

ضروری اضافہ

۸۶

مختار بن عبید الثقفی

۹۲

لاہیت کی مہر

۹۳

مختار کا ظہور

۹۷

گرہی یا سکیہ تابوت

۹۸

گرہی کی حقیقت

۱۰۰

ابن زیاد کا قتل

۱۰۱

ابن زیاد کا سر اور سانپ

۱۰۱

مختار کا قتل

۱۰۳

پتے کی بات

۱۰۶

تاریخ ساز کی شخصیت

۱۰۸

ابن حنفیہ کی دوراندیشی

۱۱۲

بے خوف زندگی

۱۱۵

عبدالملک سے دوستاں مراحم

۱۱۷

سعید بن المسیب

۱۲۲

عبدالعزیز کا تبصرہ

۱۲۳

حق پرستی کا جوہر

۱۲۵

علم و فضل میں بے مثال

۱۲۹

کردار کی عظمت

۱۳۰

خبرچ میں کفایت

۱۳۲

بے باکی

۱۳۳

ایک اور واقعہ

۱۳۷	خدا کی حفاظت کا یقین
۱۳۸	حکومت کی نازک مزاجی
۱۳۸	حضرت عمر بن عبد العزیز کی معزولی
۱۴۲	مانے سے انکار
۱۴۶	بے نیازی کا اظہار
۱۴۷	تارک دنیا نہ تھے
۱۴۸	بے فسر علمی آدمی
۱۴۹	ہنگاموں سے بے تعلقی
۱۵۳	عبادت گزاری
۱۵۹	خواب اور تعبیریں
۱۶۶	چند خاص باتیں
۱۶۷	بددعا سے منہ کالا ہو گیا
۱۶۷	نمونے کی شادی
۱۷۰	نام کا اثر زندگی پر
۱۷۱	ذوق سخن
۱۷۵	عامر بن سراحیل الشعبی
۱۷۸	جنگی تقریریں
۱۸۰	سیاسی پہلو
۱۸۰	پہلا معرکہ
۱۸۲	عرب دانشوروں کی کوششیں

۱۸۳

تجویز سے اتفاق

۱۸۳

دوسرا معرکہ۔ دیر جاگم

۱۸۴

جذبات کی تیزی

۱۸۶

بغاوت کا انجام

۱۸۷

امام شعبی سے چلے گئے

۱۸۸

شعبی پہچان لیے گئے

۱۸۹

شعبی حجاج کے حضور میں

نکتہ نگاہ کا فرق

مسروق بن اجدع

خاؤ جنگی سے احتراز

۱۹۸

حسن بصری

۲۰۰

دوسری مثال

۲۰۱

زندگی کے دونوں پہلو

۲۰۲

پیدائش

۲۰۲

فضل و کمال

۲۰۳

علم احادیث

۲۰۵

علم فقہ

۲۰۶

علم لا ادری

۲۰۸

قیاس

۲۰۹

علوم مروجہ

۲۰۹

علم مغازی

۲۱۰

علم و الفس

۲۱۰

شاعری

۲۱۱

خطوط نویسی

۲۱۲

قفسادت

۲۱۳

ظرافت پسندی

۲۱۳

مذہب خشک مزاجی سکھاتا ہے؟

۲۱۵

ظرافت کی باتیں۔

۲۱۷

فہم و تدبیر

۲۱۹

وفات

۲۲۱

حسن بصری

۲۲۲

مومن کیا ہوتا ہے

۲۲۳

ایک کسوٹی

۲۲۶

پہلا آدمی

۲۲۹

قول و عمل کی یکسانیت

۲۳۰

نفاق

۲۳۲

یہ سزا کیوں؟

۲۳۵

منافقانہ طرزِ عمل

۲۳۷

عبادت میں وارفتگی

۲۳۹

فقہ

۲۳۹

اجتناسد

۲۴۰

زبان و ادب

تصوف کیا ہے

تصوف کا سرچشمہ

تصوف کیا ہے

صوفیائے کرام

صوفیوں کی قسمیں

بگاڑ کی بنیادی وجہ

ہمارے پیر اور صوفی

بدنامی کے اسباب

حسن بصری اور فتنے

آگ نے نہیں جلایا

ایک انمول نصیحت

حسن بصری کے اقوال

واقعات و حقائق

بے باکی

یہ ہے انجم

حسن بصری اور سعید بن جبیر

حسن بصری کی وفات اور خواب

خوش حال و خوش لباس

سعید بن جبیر

قرأت و تفسیر

- ۲۷۱ عبادت اطاعت ہے؟
- ۲۷۲ معمولات زندگی
- ۲۷۵ قرآن کا علم
- ۲۷۶ علم حدیث
- ۲۷۸ علم فرائض
- ۲۷۹ سیاسی بصیرت
- ۲۸۰ علمائے سیر
- ۲۸۰ علمائے سیر کی مذمت
- ۲۸۲ جوش میں ہوش
- ۲۸۳ اسلام میں تقیہ نہیں
- ۲۸۵ اصلاح احوال کی کوششیں
- ۲۸۴ سیستان کے حاکم کی بغاوت
- ۲۸۹ ابن اشعث کی شکست
- ۲۹۰ مکہ میں قیام
- ۲۹۱ فوار کا مشورہ
- ۲۹۲ گرفتاری
- ۲۹۳ عجیب واقعہ
- ۲۹۴ کوفہ میں آمد
- ۲۹۵ حجاج سے مکالمہ
- ۳۰۱ قتل کا اثر
- ۳۰۱ قاتل و مقتول کا فرق

دوسرا حیرت انگیز واقعہ
تاریخ کی ایک خفیہ حقیقت
وفات

ابراہیم تیمی و نخعی

باب اول

ابراہیم تیمی

آپ کی نمازیں

آپ کے روزے

آپ کا زہد و تقویٰ

آپ کا مزاج

آپ کا اشارہ

آپ کی حیات بخش موت

باب دوم

ابراہیم تیمی و نخعی

باب سوم

اہم خدمات

فقہ ازجاء

احادیث

کشش کا سامان

یہ ایک بدعت ہے

۳۰۲

۳۰۲

۳۰۲

۳۰۴

۳۰۸

۳۰۹

۳۰۹

۳۱۰

۳۱۲

۳۱۳

۳۱۵

۳۱۶

۳۲۰

۳۲۲

۳۲۲

۳۳۰

۳۳۱

۳۳۳

سبائی اور مرچی

۳۳۵

سبائی کون تھے

اور کیا کر گئے

۳۳۸

کوفہ

۳۳۹

بصرہ

۳۳۹

مصر

۳۴۰

وہ کیسے مرا

باب چہارم

۳۴۲

ناحق، نامنظور

۳۴۴

سادہ مزاجی

۳۴۵

سخت گیر نہ تھے

۳۴۷

خوش لباس

۳۴۹

وفات

۳۵۰

اقوال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مفت

یہ دنیا جس میں ہم رہتے بستے اور زندگی گزارتے ہیں، انسانوں کی بستی ہے اور انسانوں ہی کے لیے بسائی گئی ہے اور ہم بحیثیت اشرف المخلوقات اس میں آباد کیے گئے ہیں۔ انسانوں کی یہ بستی بس بس کرنے والی کتنی بار اجاڑی گئی اور اجاڑا کر جانے والی کتنی بار بسائی گئی ہے۔ آدمی اس آبادی میں کسی مرتبہ انسانیت کے حسابے میں اور شرافت کے ساتھ رہ چکا ہے۔ جب کبھی اس آدمی کو انسان بننا میسر ہوا ہے فرشتے اس پر رحمتیں لے کر اترے اور جب وہ آدمی سے شیطان بنا، عذاب کے کوڑے اس پر برسے، رحمت و رحمت، ثواب طاعت و بندگی، اور عذاب و معصیت و نافرمانی برابر اس کی تقدیر سے لگے رہے ہیں، یہ انسان کبھی طاعت و بندگی اختیار کر کے کشتی نوح میں بیٹھا اور خدائی طوفان سے پناہ میں رہا۔ فرعون کے دست برد سے بچا اور دریائے پار اُترا اور کبھی معصیت و نافرمانی ہی میں پڑا اور موجِ بلا میں گھر گھر تباہ ہو گیا۔

شروع سے اس بستی میں یہی ہو رہا ہے اور آخر تک غالباً یہی ہوتا رہے گا۔ یہاں بناؤ اور بگاڑ ہوگا۔ آبادی و ویرانی ہوگی۔ آدمی کے لیے بس

یہی زیبا ہے کہ وہ انسان رہے شیطان نہ بنے۔ شیطان بنے گا تباہ ہو گا اور اسی طرح اچھا ہو کر اتنا اچھا بھی نہ ہو جائے کہ فرشتوں کی معصومیت اس کے سامنے ہیچ ہو جائے۔ ایسے کمال میں اس کے لیے زوال کی پیش بینی ہوتی ہے۔ وہ انسان ہے۔ خطا کاری کی بے ساختہ عادتوں سے تغافل برت کر کارخانہ قدرت میں اس کو مداخلت کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے۔

آدمی کی تاریخ کہتی ہے کہ انسان بلند مرتبے کو پہنچ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بشر بنا کر پیغمبری کے درجہ پر پہنچا سکتا اور فرشتوں سے بھی بڑا درجہ دے سکتا بلکہ اس سے بھی زیادہ شاہکار نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شخصیت میں اس کو بدل سکتا ہے۔ اور بس اس سے زیادہ عظمت و جلالت، اس سے زیادہ شرف انسانیت اور عبدیت، اس سے زیادہ تقدس اور بڑائی اس سے زیادہ معصومیت اور پاکیزگی کسی انسان میں اب کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ انسانیت کی وہ معراج تھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو گی اور عبدیت و مقبولیت کی وہ حد تھی جو آپ پر ختم ہو گئی۔

انسان پیغمبر ہو کر جس حد و انتہا جس عظمت و اقبال مندی اور جس بلندی اور معراج کو پہنچ سکتا تھا وہ تو یہ ہے اور غیر نبی ہو کر بھی وہ جس شرف و مجد، جس بلندی و سرفرازی، جس تقدس اور بڑائی کو پہنچ سکتا تھا وہ مقام صدیق اکبر خلائے راشدین اور اصحاب کا نجوم کا مقام ہے۔ ان سے بڑا اب

کوئی انسان اس دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتا، ان سے بڑھ کر اب کوئی بندہ معبود ہو نہیں سکتا۔ ان سے بڑی فضیلت اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور آدمی ان سے بڑا انسان اب بن نہیں سکتا۔ یہ معراج انسانی کی آخری حدیں ہیں ان سے اونچا اب کوئی جا نہیں سکتا اور ان کی منزل و مقام پر اب کوئی پہنچ نہیں سکتا۔

دنیا کا صالح ترین معاشرہ

تاریخ انسانی نے جتنے معاشرے تشکیل دیئے ہیں ان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشکیل کردہ معاشرہ سب سے کامل اور جامع معاشرہ تھا اس سے زیادہ اچھا معاشرہ اب کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ اتنے اچھے انسان ایک ہی وقت میں اب کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔ ایسا مقتدل، اتنا جامع، مادی تیاریوں کے اعتبار سے اس قدر مکمل، قوت و سیاست کے لحاظ سے اتنا بھرپور، روحانی، اخلاقی، دینی، علمی، تہذیبی اور تمدنی وسائل سے اس قدر مالا مال معاشرہ اب کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ خالص انسانی معاشرہ اور اس کمال کو پہنچ جائے۔ انسانی تہذیب اتنی بلند ہو جائے اور تمدن اتنا صالح ہو جائے۔ ایسے معاشرہ کا اب دوبارہ وجود میں آنا ممکن نہیں۔ یہ ”آخری“ معاشرہ تھا اور غالباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واپس تشریف آوری تک آخری ہی رہے گا۔

ایک ایسا معاشرہ جس کا ہر فرد اپنے ایمان و عقیدہ، اعمال و اخلاق، تربیت و تہذیب، نفس کی آراستگی، سیرت کی بلندی، اور کمال و اعتدال میں نہانچے کی طرح ڈھلا ڈھلایا ہو، آب مقطر کی طرح صاف و شفاف، انوار و

میں روشن دتالباں۔۔۔ اس کے جس فرد کو بھی دیکھا جائے وہ اپنے میلانات
 و رجحانات میں اپنی فطرت اور طرز فکر میں، خواہشات و عادات میں اخلاق
 و کردار میں ایک نئی مخلوق معلوم ہو، اس کے آئینہ رخ کو جدھر بھی اُلٹا جائے
 فرشتوں کی صورت نظر آئے۔۔۔ جس کا چھوٹا اور بڑا، بوڑھا اور جوان، مرد
 اور عورت، غلام اور آزاد، سب کے سب ایک ہی وقت میں متقی و زاہد،
 سپاہی اور مجاہد، معاملہ فہم قاضی، مجتہد، فقیہ، صاحب تدبیر حاکم، دیانتدار
 سیاست دان ہو،۔۔۔ ایسا معاشرہ ایک ہی سطح پر ایک عرصہ تک
 کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ اس دنیا میں اگر سدا بسا ہی معاشرہ رہتا، ایسے ہی
 لوگ پیدا ہوتے رہتے، اور ایک ہی وقت میں عظیم انسانوں کا اتنا بڑا مجموعہ
 اکٹھا ہوتا رہتا۔ تو آخر یہ دنیا انسانوں کی دنیا کیوں ہوتی فرشتوں کی کیوں نہ ہوتی؟
 انسانے کو فرشتوں سے جدا، اور شیطان و جن سے علیحدہ ایک ایسی
 مخلوق کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ بے ساختہ گناہ آلود ہو اور شعور کے
 ساتھ اظہارِ ندامت کرے۔ وہ خطا کار اگر ہوتا نہ شر مساری کا اظہار کرنے
 والا بھی ہو۔ وہ مصائب میں گھرے تو گھبرا اٹھے مگر صبر و استقلال کا دامن
 ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے جلد باز تو ہو مگر بے عزم
 و حوصلہ نہ ہو، وہ لالچ میں آجانے والا اور ہسکاوے میں پڑ جانے والا تو ہو
 لیکن غلطی پر اکرٹنے والا مغرور نہ ہو۔۔۔ یہ وہ صفات ہیں جو اس
 کے وجود کے لیے ضروری ہیں۔ جب انسانی معاشرے میں یہ چیزیں
 غیر متوازی ہو جاتی ہیں، وہ معاشرہ یا تو شیطان ہو جاتا ہے یا پھر ایسا باکمال

جس کا دیر تک قائم رہنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ یہ بھی مشیت الہی کے خلاف ہے۔۔۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں صرف اسی معاشرے کو مہلت عمل ملی ہے جس نے اپنے کو اعتدال پر قائم رکھا ہے یا تھوڑا بہت غیر متوازن رہا ہے۔

شیطان معاشرہ تو اس لیے تباہ ہوا کہ وہ شیطانی تھا، لیکن انسانوں کا ملکوئی صفت معاشرہ بھی طویل عرصہ تک محض اس لیے قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ ان صفات پر طویل عرصہ تک قائم رہنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ البتہ اس معاشرے کا ڈھانچہ چونکہ مربوط، ہم آہنگ، بامقصد، عرفانِ حق، حسنِ ترتیب، قدرتی اور مناسب ترکیب سے تیار کیا گیا تھا، اس لیے ایک یا چند خرابیوں میں مبتلا ہو جانے کے باوجود ایک عرصہ تک مناسب شکل و صورت کے ساتھ قائم رہا۔ اور بڑی بڑی خرابیوں میں پڑ کر بالآخر کی تباہی سے بہت دنوں تک محفوظ رہا۔

مسلمانوں کے سب سے پہلے معاشرے کا نصف صدی کے اندر اندر زوال پذیر ہو جانا بھی اسی لیے زیادہ باعثِ حیرت و استعجاب نہیں ہے کہ دنیا میں اتنے عظیم انسانوں کا ایک ہی دور میں یکجا ہو جانا اور پھر انہی جیسے بلند و ارفع لوگوں کا تسلسل کے ساتھ پیدا ہوتے رہنا قانونِ قدرت کے خلاف ہے۔۔۔ انسانوں کی بستی میں، ایک ہی عہد میں ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، بنی الحراح، عمرو بن العاص، سعد بن ابی وقاص، خالد رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی، بلال حبشی رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ،

حذیفہؓ، زید بن حارثہؓ، اسامہؓ، عمار بن یاسرؓ، عائشہ صدیقہؓ،
 فاطمہ الزہراؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، ابوالدرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ،
 زید بن ثابتؓ جیسے سینکڑوں عظیم المرتبت انسان جمع ہو جائیں اور انسانوں
 کی شکل میں فرشتے زمین پر چلنے پھرنے لگیں، خزانے، عجائبات، طاقتیں،
 علم، حکمت، سچائی، لیاقت، امانت، طاعت و عبادت گزاری،
 زہد اور قناعت پسندی، صبر اور مقابلے کی استقامت، ہوشیاری،
 جبرو باری، قوت، سطوت اور جہان بانی جب سب کچھ پورے کمال اور
 جامعیت کے ساتھ ایک ہی زمانہ اور عہد میں انسانوں میں جمع ہو جائیں
 اور وہ زمین پر چلتا، پھرتا، کھاتا، پیتا پہنتا اور احساس رکھتا ہو اور فرشتہ
 نظر آنے لگے اور نبوت کی خراہی پر خراہے ہوئے جیسے انسان پیہم نظر
 آتے بھی رہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو پھر کارگہ
 حیات میں جرم و عقوبت اور ثواب طاعت و زہد کی لذتوں سے انسان کیسے
 آشنا ہوتا۔۔۔ ترک و اختیار کی آزادی کیسے آزمائی جاتی۔۔۔
 گناہ اور احساس گناہ و شرمساری جو تخلیق انسانی کا مقصد ہے کیسے
 حاصل ہوتا؟۔۔۔ چونکہ رہتی دنیا تک دن کی روشنی و تابانی
 اور رات کی ظلمت و اندھیری کی طرح نیکی و بدی اور خیر و شر کا سلسلہ
 قائم رہتا ہے، اس لیے اس انسانی معاشرے کا بھی فرشتوں کی حدود
 پر پہنچ کر لوٹ آنا ضروری تھا۔۔۔ رات کی تاریکی جس طرح دن کی
 روشنی میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح دن کی تابانی کو رات کی تاریکی

میں گم ہو جانا چاہیے۔

مسلم معاشرے میں دن کی تابانی تو بلاشبہ نہیں رہی لیکن رات کی ظلمتوں میں بھی یہ معاشرہ کبھی نہیں رہا اور نہ آئندہ کبھی رہے گا کیونکہ صحابہ کرام کا انجوم اس معاشرے کو ہمیشہ جگمگاتے رہے ہیں اور آپ کے تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجماع کی سیرت و سوانح گواہ ہے کہ انھوں نے اپنی بے پناہ قربانیوں اور عادات و خصائل کی عظیم خصوصیتوں کے ساتھ اسلامی معاشرے کو اس کے اصلی ڈھانچے پر قائم رکھنے کا مکمل انتظام کر دیا ہے۔۔۔ یہ معاشرہ جس اصول اور ڈھانچے پر، جن ہدایات و احکامات کے ساتھ جن لوگوں کے ذریعہ تعمیر ہوا تھا سب کچھ اپنی اصلیت کے ساتھ موجود ہے۔

اس معاشرہ کا زوال کیوں؟

دنیا کا اتنا عظیم معاشرہ آخر زوال پذیر کیوں ہو گیا؟ اس کا جواب تو آگیا ہے۔ تاہم اس اجمال کو اگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتایا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ غالباً اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ

۱۔ اتنا جامع اور کامل معاشرہ نمونہ دنیا میں ایک بار ہی قائم ہو سکتا ہے

انسان کا ظرف اتنی جامعیت اور کاملیت کو اپنے اندر طویل عرصہ

تک قائم رکھنے کے قابل ہی نہیں ہے۔ وہ جن کمزوریوں کو لے کر

عالم وجود میں آیا ہے وہ ایسی نہیں ہیں کہ جن پر وہ ہمیشہ اپنی

گرفت قائم رکھ سکے، اس کی طبیعت اس بار کی متحمل ہو نہیں سکتی اور اگر متحمل ہو جائے تو اپنے وجود کے مقصد کو فوت کر بیٹھے۔

دوسری وجہ

۲۔ انسان آزمائش میں ڈالی ہوئی مخلوق ہے، وہ آزاد بھی ہے اور پابند بھی۔ وہ اپنے دشمن شیطان کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ایسی مخلوق بحیثیت مجموعی آزمائشوں سے ہمیشہ پار اُترتی رہے یہ اس کے بس کی بات نہیں۔ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں فرشتہ تو ہو سکتا ہے مگر اجتماعی زندگی میں اپنی کاملیت اور جامعیت کا برابر مظاہرہ کرتا رہے عملاً یہ ممکن نہیں۔

ترتیب و ترکیب کی بے اعتدالی

۳۔ دنیا کا اول اور آخری معاشرہ جو بے حد حساس تھا اور جس کی کارکن قوتیں ایک مقام، ایک مرکز، ایک سلسلہ، ایک وجود اور ایک سرچشمہ طاقت سے وابستہ تھیں۔ اور یہ کہ اس کے اندر قدرتی اور اور مناسب ترتیب و ترکیب باہم گرا کھٹی تھیں یعنی یہ کہ اس معاشرے کے سارے کارکن عوامل تناسب، توازن اور ترتیب و ترکیب کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ سو سائنسی کے کارکن عوامل کے اندر جب بعض انسانی کمزوریوں کی وجہ سے — جس میں دولت کی خواہش،

شہرت کا ضبط، اقتدار سے دل چسپی، اختیارات منبھالنے کا شوق وغیرہ شامل ہے۔ تناسب ترکیب اور ترتیب — جو اعلیٰ سوسائٹی کی جان ہے زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا — تو ساری اجتماعیت اور کمالیت رفتہ رفتہ تشتت، انتشار اور افستراق میں مبتلا ہو کر اپنی خصوصیات کھو بیٹھی جس کے نتیجے میں پورا معاشرہ اُپر سے نیچے کی طرف گرتا چلا گیا۔

غیر ذمہ دار ہاتھ

۴۔ چوتھی وجہ یہ تھی کہ اس خدائی معاشرے کی نوک پلک درست رکھنے کا کام جن اعلیٰ نفوس انسانی کے ہاتھوں میں تھا وہ اپنی مدت حیات پوری کر کے رخصت ہو گئے — اور ان کے مناصب جلیلہ پر — جو معاشرے کی نم سک درست رکھنے کا حقیقتاً ذمہ دار تھے، وہ لوگ فائز یا حاوی ہو گئے جنھوں نے اس کے لیے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی۔ اُنھوں نے نہ تو وہ اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت پائی تھی جیسی تربیت خلفائے راشدین اور سب دو — اصحاب اور مسلمانوں نے پائی تھیں — اور نہ خود ان کا اپنا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار ہی اتنا بلند تھا جو اس رشک انسانیت معاشرے کی رہنمائی کے لیے ضروری تھا۔ چنانچہ اس کمزوری اور خرابی کا جو لازمی نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ برآمد ہوا —

یعنی معاشرہ جس ترکیب تناسب، ترتیب اور توازن پر قائم تھا اس میں فرق پیدا ہو گیا اور غیر متوازن ہو کر مختلف سمتوں میں جھک گیا۔ اس کے اندر نئی طیطر پیدا ہو گئی۔ نئے رخنے پڑ گئے۔ کسی طرف جھکاؤ زیادہ ہو گیا کسی طرف کم، کئی نامقبول چیزیں مقبول اور کئی مقبول چیزیں نامقبول بن گئیں۔ کچھ خوب تھے جو ناخوب ہو گئے۔

فتوحات کی شدت

۵۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اسلامی فتوحات کے باعث غیر عرب مسلمان ہو کر اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے گئے اور بعض ناگزیر مجبوریوں کے باعث جن کی صحیح تربیت اور تعلیم کا انتظام نہ ہو سکا اس پر مستزاد یہ کہ سبائیوں کی ریشہ و انیاں اور ان کا دین دار مسلمانوں کا بھیس بدل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا۔ پھر ان سازشوں کا بعض مخلص اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کا اپنا لے شکار ہو جانا۔ یہ ساری چیزیں اچانک اس طرح پیدا ہوتی گئیں کہ سمجھدار لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونے سے ہی معاشرے کو گھن لگ گیا۔

غیر قوموں کی عورتوں سے نکاح

۶۔ اور غالباً چھٹی وجہ جو اس معاشرے کے زوال کا باعث بنی ہے وہ مسلمان گھروں میں کثرت سے مفتوحہ علاقے کی غیر قوموں کی عورتوں کی آمد

ہے۔ شادی و نکاح کی اس غیر محتاط روش نے مسلم معاشرے میں مختلف قسم کی خرابیاں پیدا کر دیں۔

خاموشی نقصان دہ ثابت ہوئی

۷۔ ہمارے نزدیک آخری وجہ یہ بھی ہے کہ بعض اکابرین دین جو با اثر اور بارسوخ بھی تھے وہ حالات کا رخ بدلتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ گئے۔ حالانکہ وہ اتنے با اثر تھے کہ اگر اسی وقت کمرہمت استوار کر لیتے تو بہت ممکن تھا کہ کیفیت بدل جاتی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے خلفائے ثلاثہ کے زمانوں میں عملی طور پر بڑے شاندار کارنامے انجام دیئے تھے۔ ان ممتاز شخصیتوں نے بھی جب شر کو پھیلنے اور فتنے کو ابھرتے دیکھا تو گوشہ نشین ہو گئے اور ہلک زندگی سے ایک طرح کی علیحدگی اختیار کر لی جس کے نتیجے میں خرابیوں کو پھیلنے کا موقع مل گیا۔ یہ مسلمانوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ وقت کے ان فتنوں کو بہت ہی جلد ممتاز تابعین نے سمجھ لیا اور اس کے انسداد کی بھرپور کوششیں بھی کیں لیکن گاڑی چونکہ پٹری بدل چکی تھی اس لیے وہ معاشرے کو خیر القرون کی طرف توجہ لاسکے اسے ثم الذین یلونہم ضرور بنادیا۔

تباہ کن اثرات

مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر اس حسین معاشرے میں شکاف پڑ گیا اور اس شکاف کو جو چیرہ برابر چوڑا اور وسیع کرتی رہی وہ خلفائے راشدین کے بعد آنے والے خلفائے اسلام کی ذات تھی۔۔۔ انھوں نے معاشرے کی سربراہی اپنی کوششوں سے اپنے ہاتھوں میں لے لی جس کی وجہ سے معاشرے کی ترکیب، ترتیب، اور تناسب میں فرق پیدا ہو گیا۔ اور اس کے نتیجے میں وہ اثرات مرتب ہوئے جس کو ہم عام فہم زبان میں دین و سیاست کی تفریق کہتے ہیں۔ چونکہ یہ خلفائے اسلام بہت زیادہ تربیت یافتہ نہیں تھے اور نہ ان کا دینی روحانی اور اخلاقی معیار بہت اونچا تھا اور وہ اس روح امامت سے پوری طرح واقف بھی نہ تھے جو اس عظیم معاشرے کی امامت کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔۔۔ ان سے پہلے اس معاشرے کی امامت زہد و ورع، عفت، امانت، دیانت، تقویٰ و خدا ترسی، ایثار و قربانی اور خوفِ خدا کے جو گر لوگ کر رہے تھے۔۔۔ ان کی جگہ لینے والے ان ساری خوبیوں کے مالک نہ تھے۔

۱۔ دین و سیاست کی تفریق

محبت و اتفاقات نے جب ایسے لوگوں کو قوم کا امام بنا دیا جو علم اور

دین کی فہم میں ایسا مرتبہ نہ رکھتے تھے جس سے ان کو علماء اور اہل دین و دانش کی ضرورت نہ پڑے تو انھوں نے حکومت و سیاست کو اپنے لیے مخصوص کر لیا اور علم و دانش اور فہم و بصیرت کو دوسروں کے لیے رہنے دیا۔۔۔ اس طرح ترتیب اور ترکیب میں تناسب قائم نہ رہ سکا اور معاشرہ تشتت و افتراق کی راہ پر لگ گیا۔۔۔ پھر ان خلفاء نے اس معاشرے پر جو دوسرا بڑا ظلم کیا وہ یہ کہ جب حکومت کو ان علماء کے علم و فہم کی ضرورت ہوتی ان سے مدد لیتے اور ظلم یہ کرتے کہ جتنی علمی باتیں اور دینی مسائل ان کے مطلب کے مطابق اور مصلحتوں کے تناسب ہوتے ان کو تو قبول کر لیتے اور جو ان کی حکومت و سیاست کے لیے ناموزوں سمجھے جاتے ان کو چھوڑ دیتے اور اپنی من مانی کرتے۔

۲۔ قبائلی عصبیت

علم دین اور فہم و بصیرت میں ان کمزور لوگوں نے اپنے وجود کی بقاء اور اپنے قیام کو دوام دینے کے لیے اس معاشرے میں جو دوسری بڑی خرابی کو داخل کر دیا وہ خاندانی اور قبائلی عصبیت تھی۔ انھوں نے اپنی حکومت کو استوار کرنے کے لیے اس کا سہارا لیا اور اسلامی معاشرہ کو نقصان پہنچا کر خاندانی حکومت کو تقویت پہنچانے کا اہتمام کیا۔ پھر یہی خاندانی اور قبائلی عصبیت آگے بڑھ کر عربیت اور عجمیت کی عصبیت میں مبتلا ہو گئی۔۔۔ عجم کے جو لوگ مسلمان

ہو ہو کر عربوں کے ساتھ رہنے بہنے لگے تھے۔ ان کو بعض طبقے اور
 گروہ کے لوگ حقیر سمجھتے تھے، بلکہ بعض اوقات تو ان پر ناروا مظالم اور
 ہتک آمیز بلوں تک کر جاتے تھے۔ حجاج کے متعلق مشہور
 ہے کہ بہت اچھے اچھے قاضی، اور اہم سرکاری عہدوں پر فائز
 لوگوں کو اس نے معزول اور بے اثر کر دیا تھا کہ وہ بھی تھے اس کے
 متعلق یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اس نے نو مسلم عجمیوں کی ایک کثیر
 جماعت کو شہروں سے نکال کر مختلف علاقوں میں بکھیر کر آباد ہو جانے
 پر مجبور کر رہا تھا اور اس سے اس کی غرض صرف یہ تھی کہ یہ عربی عربوں
 کے ساتھ مل جل کر رہنے کی وجہ سے فصیح و بلیغ عربی بولنے کے
 قابل نہ ہو سکیں۔ یہ عقائد دوسرا بڑا گہرا اثر اس سے صالح
 معاشرے کی بنیادیں متزلزل ہو کر رہ گئیں۔ یہیں سے عربوں کے
 خلاف عجمیوں کی ریشہ دوانیوں نے جنم لیا اور یہیں سے ایک
 عظیم الشان تحریک شعوبیت کا آغاز ہوا۔ جس کی پیٹ میں
 اچھے اچھے مسلمان تک آ گئے۔

۳۔ عیش و تنعم

تیسرا بڑا اثر یہ ہوا کہ جو معاشرہ سادگی، صفائی، احتساب نفس اور
 خدا ترسی پر قائم تھا اس کے اندر عیش و عشرت آگئی، ترقی و تنعم کا
 چلن ہو گیا۔ تفریحات اور لہو و لعب نے جگہیں بنانی شروع کر دیں۔

گزارنے ہی کو بہتر سمجھ بیٹھتے تو ان کو آج ”سب ٹھیک ہے“ نظر آتا۔
لیکن الحمد للہ کہ ایسا نہیں ہوا۔

معاشرے میں چونکہ بہت ہی حساس، بے حد ایمان دار، صاحب علم و بصیرت، دلیر اور بہادر، بے خوف اور خداترس لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو خرابیوں کو ٹھنڈے پیٹ پر داشت کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھے، جس خرابی نے سر اٹھایا وہ اس کا سر کچلنے کے لیے دوڑے۔ حکومت و سیاست پر قابض لوگوں نے جہاں کہیں کوئی غلطی کی ان کو فوراً ٹوک دیا، اگر کوئی غلط قدم اٹھایا تو فوراً اس کی پکڑ کی۔ ان میں بہت سے ایسے جبری بھی تھے جنہوں نے حکومت کے بے جا اقدام کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے ان کے خلاف خروج کیا۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو ظالم سے ظالم حکمران کو اس کے منہ پر برا بھلا کہہ دیتے اور باتوں باتوں میں اس کو جھڑک دیتے تھے۔ کچھ ایسے بے جگرے بھی تھے جو ناجائز سرکاری احکام کو حکومت کے منہ پر دے مارتے تھے۔ اور کچھ ایسے بھی تھے جو سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور کسی قسم کی موثر تبدیلی پیدا کرنے سے مایوس ہو کر افراد کی اصلاح اور تربیت کے کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔ اور کچھ یقیناً ایسے لوگ بھی تھے جو دینی مصالح کی بنیاد پر حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے اور اس کے نظام میں شریک ہو کر اصلاح کی کوششیں کر رہے تھے۔

اس بیدار معاشرے میں خیر و شر کی قوتیں یقیناً باہم متصادم رہیں لیکن سیاسی قوت دوسرے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے خیر و صلاح کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کی وہ اس بہترین معاشرے سے توقع رکھ سکتا ہے۔ اس غیر متوقع صورت حال کی وجہ سے معاشرہ مائل بہ تنزل ہو گیا۔ تاہم حق کی حمایت میں اٹھنے والے اٹھتے رہے، اور جان و مال کی بازی لگاتے رہے، جس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ معاشرہ مصیبت پسند ہونے سے محفوظ ہو گیا۔

۱۔ تابعین اور کشمکش حیات

اسلامی معاشرہ میں کشمکش کا یہی وہ زمانہ ہے جس میں خلفائے راشدین کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھنے والے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی نگرانی میں تربیت پانے والے تابعین کرام قصر اسلام کے ستونوں سے بالکل لگ کر کھڑے ہو گئے اور اسلام کے قصر کی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کی۔ پھر اس کی حفاظت کا بہت ہی عمدہ بندوبست کر دیا۔ بہت سی بڑائیوں کی نشان دہی کر دی اور بہت سے بڑے لوگوں کے چہرے کی نقاب اُلٹ دی۔ بہت سی خفیہ دشمن قوتیں جن کے سرخیل منافقین تھے، اور جواب حالات کو اپنے حق میں سازگار پاکر مصالحت کوشی کے لبادے اتار پھینکے تھے، اور کھلم کھلا مفارقتی کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا تھا یہی تابعین کرام

ان کے مقابلے میں آگئے اور اسلام دشمنی کے طوفانوں کی زد میں چرائے مصطفویٰ کو روشن رکھا۔ یہ انہی کی پامردی اور استقلال کا صدقہ تھا اور یہ انہی کے عزم و حوصلہ اور جرأت و صلاحیت کا نتیجہ تھا کہ تنظیمی کمزوریوں کی انتہا اور اندرونی اختلافات کی شدت کے باوجود اسلامی معاشرہ اپنی بہت سی اجتماعی خوبیوں کے ساتھ قائم رہا اور ایک طویل عرصہ تک اوامرو نواہی کی ایک مؤثر قوت بنا رہا اور دو ایک موٹی خرابی کے سوا مدتوں اس میں کوئی اور خرابی پیدا نہ ہو سکی۔

دنیا میں اس اسلامی معاشرے سے پہلے ملکیت اور شہنشاہیت ہی کا رواج تھا اور شہنشاہیت انسانیت کے لیے کبھی مبارک ثابت نہیں ہوتی تھی۔ جبر و اکراہ، ظلم و استبداد، نا انصافی اور بد امنی، مصنوعی معاشرت اور عشرت پسندی۔ عدم مساوات اور اس کی مافی ہوتی خصوصیات تھیں۔ لیکن خلافت اسلامی ملکیت میں تبدیل ہو جانے کے باوجود ان خرابیوں سے ایک عرصہ تک پاک رہی۔

۳۱۔ ملکیت کے روشن پہلو

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلامی معاشرے کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئی ان کے اندر اس روح کی تو یقیناً کمی تھی جو اسلام کے نظام اجتماعی کی بنیاد و اساس سے اور اپنی ذات حیثیت میں گرچہ وہ بہت اچھے نہیں تھے، تاہم بہت ہی

صحیح العقیدہ، غیر معمولی بہادر، انتہائی دُور اندیش، اسلام کے مخلص کو باطل کے دشمن اور اسلام کو غالب وارفع رکھنے کے خواہش مند اور دلدادہ تھے۔

جہل کے خلاف جہاد

جہل و نادانی جس نے انسان سے سب کچھ چھین رکھا تھا۔ بُت پرستی اور توہم پرستی سے لے کر شراب نوشی، بدستی، بد اخلاقی، لوٹ کھسوٹ، مال سے اندھی محبت اور براہروی تک پہنچا دیا تھا۔ اسلام معاشرے میں اس جہل کے خلاف جو جذبہ جہاد پیدا ہوا تھا وہ اسلامی حکومت کا مزاج تبدیل ہو جانے کے باوجود طویل مدت تک قائم رہا۔ علم کی ترقی ہوتی رہی، عقائد کی اصلاح کا کام جاری رہا، سچائی، دیانت، امانت، شرافت، اخلاق، ایثار و قربانی اور اسی طرح کی بہت سی خوبیاں قوی مزاج اور معاشرے کی خصوصیات ہی رہیں۔

انصاف پسندی

علم و دانش کی طرح عدل و انصاف بھی ہزار خرابیوں کے باوجود ایک عرصے تک اس مسلم معاشرے میں قائم رہا۔ امن و امان کا دار و مدار چونکہ انصاف پر ہے اس لیے انصاف پسندی اس معاشرے کی جان بھڑائی گئی۔ جس معاشرے میں عدالت جتنا صحیح ہوگی، عام و خاص

اور ادنیٰ و اعلیٰ کے فرق و امتیاز کے بغیر جس انصاف پر مبنی فیصلے کیے جائیں گے۔ ظلم کے دروازے بند اور ترقی کی راہیں واضح ہوں گی۔ اسی لیے اسلام نے اپنے نظام عدل کو ایسی مضبوط بنیادوں پر مستحکم کیا کہ سینکڑوں سال تک اس میں کوئی رد و بدل نہ کر سکا۔ مسلمان خلفاء اور بادشاہ اپنی نجی زندگی میں خواہ کیسے ہی رہے ہوں مگر عدل و انصاف کے معاملے میں ہمیشہ خدا ترس رہے، وہ بہت ہی کوشش اور احتیاط سے عہدہ قضا کے لیے نیک اور پرہیزگار لوگوں کو تلاش کرتے تھے اور اسلام کے نظام عدل کے معیار مطلوب پر اترنے والے کو قاضی کے عہدے پر فائز کرتے تھے۔ بعض تو اس بارے میں اتنے سخت تھے کہ معیار مطلوب پر اترنے والے شخص کو زبردستی عہدہ قضا پر فائز کرتے تھے اور انکار کی صورت میں ان کو سخت سزا دیں تک دے ڈالتے تھے۔

۴۔ حق گوئی و بیباکی

مسلم معاشرے کی تیسری اہم خصوصیت حق گوئی اور بیباکی تھی یہ خصوصیت بھی اپنی ساری خوبیوں کے ساتھ ایک عرصہ تک مسلم معاشرے میں قائم رہی۔ خلافتِ مملوکیہ میں تبدیلی ہو گئی۔ مسلمانوں کے اندر جو اجتماعیت اور کابلیت تھی، وہ انتشار اور تفریق میں بدل چکی تھی۔ مملوکیہ اریٹ اور شہنشاہیت اپنے بدنما چہروں کے ساتھ پوری طرح بے نقاب تھی پھر بھی حق گوئی کا رواج مسلمانوں میں قائم تھا۔ بہت سے سکے

کھوٹے اور بے دام ہو چکے تھے پھر بھی بیباکی کا چلن عام تھا۔ بڑی سے بڑی جابر طاقتوں کے سامنے لوگ اس طرح اظہارِ حق کر دیتے تھے جیسے منہ میں قند پارے رکھ کر مزہ شیر و شکر لے رہے ہیں۔

خلافت راشدہ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے مقابلے میں بیباک ضعیفہ دریمہ کی حق گوئی، ابوسلم خولانی کا ان کو بھرے دربار میں اے مزدور کہہ کر مخاطب کرنا۔ عبدالرحمن بن ابوجحہ کا برملایہ کہنا کہ اے معاویہؓ کیا تم ہر قل شہنشاہ کی سنت جاری کرنا چاہتے ہو کہ ان میں جب ایک قیصر مرتا تو دوسرا اس کا جانشین ہوتا تھا، خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ والی خراسان سلطان خوارزم شاہ کو مجمع عام میں امام فخر الدین رازی کی ڈانٹ ڈپٹ، خلیفہ ہارون الرشید کے رد و رد و مشہور عالم وقت ابن سمارک کی صاف گوئی، خلیفہ مہدی کو جبکہ اس نے خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے کہا: اے لوگو! خدا سے ڈرو؟ اس موقع پر بھری مسجد میں ایک شخص کا کھڑے ہو کر یہ کہنا کیوں جناب آپ خدا سے کیوں نہیں ڈرتے کیا آپ خدا کے بندے نہیں ہیں؟ خلیفہ متوکل علی اللہ کی آمد پر احمد معدل کا اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے سے انکار کر دینا، خلیفہ منصور کی پیش کردہ پچاس ہزار درہم کی تھیلی کو پائے حقارت سے ٹھکرا دینا۔ سلطان سبخر کے دربار میں امام سغزالی کا برملایہ کہنا کہ لوگ سردی اور قحط کی وجہ سے برباد ہیں مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جا رہی ہیں اور آپ کے عیش و تنعم کا یہ حال ہے کہ آپ کے گھوڑوں کی گردنیں طوق سائے

زہدین کے بارے سے بھکی جا رہی ہیں۔ دورانِ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 اجماعین کی بے غرض حق گوئی، صداقت پسندی، بیباکی، عملی تبلیغ، برسر
 مجلس تبیین۔ موت کی سزا سے بے پروا ہو کر منہ پر کڑوی باتیں کہہ دینا،
 اور محض حق گوئی کی پاداش میں اپنی جان عزیز کی نذر پیش کر دینے کے
 وہ واقعات جن پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ مسلم معاشرے کی وہ خوبیاں ہیں جن
 کی نظیر دنیا کی تاریخ نہ اس سے پہلے پیش کر سکی ہے اور نہ آئندہ پیش کر
 سکے گی۔

خیر القرون کے بعد

یہ تو بہر حال حقیقت ہے کہ خیر القرون کے بعد مسلمانوں کی تاریخ اتنی
 شاندار نہیں رہی۔ تاہم اتنی بڑی بھی ہرگز نہ ہوئی کہ گناہوں کی قرار دے دی
 جائے اور عام مسلمانوں کی نگاہوں میں اس کو مشکوک ٹھہرا دیا جائے۔
 حضور سید عالم نور مجسم شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے کہ :
 ”اے مسلمانو! نبوت کے بعد تم میں خلافت علی منہاج النبوت
 ہوگی اور جب تک خدا چاہے گا وہ رہے گی، پھر
 اللہ تعالیٰ اس کو اٹھالے گا اور اس کے بعد حبرانہ
 ملوکیت کا رواج ہوگا۔“

اس پیشین گوئی کے عین مطابق جب ملوکیت کا رواج ہوا تو

مزاج کے موافق ہی خاندان کی جڑیں مضبوط کرنے کا خیال بھی ابھرا
پھر جب اس نے عملی شکل اختیار کر لی تو اس کی کوکھ سے جبر و استبداد نے
جنم لیا۔۔۔ بس یہی ایک فتنہ تھا، جو بعد میں افسانہ بن گیا۔۔۔

ورنہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیس سالہ دورِ حکومت میں اسلام کو
جو فائدے پہنچائے ہیں اور اپنی بہادری، موقعہ شناسی، سیاسی تدبیر اور حوصلہ
مندی سے مسلمانوں کی سیاسی قوت کو مستحکم و مضبوط اور حدودِ سلطنت کو
وسیع اور محفوظ بنا دیا۔ ان کے علاوہ اپنے حسن انتظام، عالی حوصلگی،
دیباہی اور سخاوت و فیاضی اور نذیر و صلاحیت سے لیے بہت سے
شاندار کارنامے انجام دیئے جن پر مسلمانوں کی تاریخ ناز کر سکتی ہے
۔۔۔ پھر یزید، اور مروان کے تین چار سالہ دورِ حکومت کو چھوڑ
کر عبدالملک بن مروان کے ۲۱ سالہ عہدِ حکومت پر نظر ڈالئے تو معلوم
ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کا خلیفہ نہیں، بلکہ اسلامی سلطنت کی اہم پیکار
تھا اور اس وقت اس جیسا کوئی بہادر، مدبر، جرات مند، عزم و
حوصلہ والا اور مضبوط اعصاب کا آدمی حکمران نہ ہوتا تو مسلمانوں کی بڑی
سیاسی ضرورت پوری ہونے سے رہ جاتی۔۔۔ اور شہت و انتشار
کا شکار ہو جاتی، بیک وقت پورے ملک میں ایک نہیں کئی فتنے
جو حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ ہی سے اندرونی طور پر پرورش پا
رہے تھے۔ حالات کو سازگار پاتے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے۔

۱۔ خوارج کا فتنہ

خوارج کا ہی ایک ایسا فتنہ تھا جو پوری شدت کے ساتھ اُٹھا تھا ،
 انھوں نے فارس اور عراق میں اپنی زبردست تنظیم قائم کر لی تھی اور اس
 زور سے اپنے عقائد باطلہ کی تبلیغ شروع کی تھی کہ بعض اچھے اچھے
 راسخ العقیدہ مسلمان بھی ان کے ہمدرد بن چکے تھے ، اس بناء پر یہ
 فرقہ اسلام کے لیے ایک نہایت خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا۔

۲۔ فتنہ مختار

اس کے علاوہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کا فتنہ بھی خوارج کے شر سے
 کسی طرح کم ہلاکت انگیز نہ تھا۔ اگر عبدالملک بن مروان حجاج بن یوسف
 کے ذریعہ اس فتنہ کا ہمیشہ کے لیے استیصال نہ کر دیتا تو مسلم معاشرہ
 تباہ ہو کر رہ جاتا۔

”مختار ایک طالع آزمایہ بودہ عقائد کا انسان تھا ، اگر اس وقت
 اس کو عرب میں اقتدار قائم کرنے کا موقع مل جاتا تو خدا ہی بہتر جانتا
 ہے کہ آج اُمتِ مروجہ کی اکثریت گمراہی کے کس ورطہ عظیم میں
 مبتلا ہوتی —

۳۔ توابعین

اس عہد میں توابعین کا فتنہ بھی اُٹھا۔ یہ حقیقت میں ان بزدلوں کا

گروہ تھا جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ بلا کر خونِ شہاد سے غسل کرنے کے لیے بنے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا، پھر ایک عرصہ بعد جب ان کو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا تو آنکھوں نے اپنے کو توبہ کرنے والا (توابین) کا خطاب دے کر، بنو امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر، امام حسین کی شہادت کا انتقام لینے کی سازشیں شروع کر دیں۔ یہ زبردست سازش تھی جس کے نتیجہ میں خونریز جنگ ہوئی۔ ہر طرف بد امنی پھیلی، مختار نے ان کے اسی جذبہ کا استحصال کیا اور اپنی قسمت آزمائی کے واسطے نکالے۔ مسلمانوں کا خون ارزاں ہوا اور انتقام کی ہولناک صورتیں پیش آئیں۔

۴۔ عراقیوں کی شورش

عراق میں مسلمانوں کے علاوہ مسیحیوں، ازامیوں، پارسیوں اور مجوسیوں کی بڑی اور مؤثر تعداد تھی۔ اور یہاں ایسے مسلمانوں کی بھی کثرت تھی جو غیر عرب نو مسلم تھے۔ ان کی اسلامی تربیت و تعلیم پختہ نہیں ہوئی تھی۔ اس مخلوط آبادی کی وجہ سے یہاں نئی نئی مذہبی جماعتیں پیدا ہوئیں۔ اور عقائد کے یگاڑ کو یہاں سہارا ملتا۔ پھر عراق چونکہ مرکزِ خلافت سے دور تھا اس لیے بھی فتنوں کو یہاں پورے پانے کا موقع مل جاتا تھا۔ اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خلافت کے مسئلہ میں اپنے عجیب ذہن کی وجہ سے وہ اس بات کے قائل تھے کہ

خلافت اور امامت صرف آل رسول کا حق ہے۔ علیؑ اور فاطمہؑ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھے اس لیے ان کی اولاد احناف اور رسول تھی لہذا تمام مسلمانوں میں حکومت یعنی خلافت اور امامت کا حق انہی کو تھا۔۔۔۔۔ اپنی انہی کچ فہمی اور کم علمی کی وجہ سے وہ فطرتاً شورش پسند ہو گئے تھے۔۔۔۔۔ جب کبھی کوئی فتنہ اٹھتا تو یہ اس کا ساتھ دیتے، اور جہاں یہ جاتے فتنہ اپنے ساتھ لے جاتے اور چونکہ بنی امیہ کی خلافت کے وہ خلاف تھے اس لیے حکومت کے خلاف فوراً اٹھ جاتے۔

فتنوں کا طوفان

اس طرح فتنوں اور شورشوں کا ایک طوفان تھا جو عبدالملک بن مروان کے عہد میں برپا تھا۔ اور ہر طوفاں اب تھا جو ملت کے شیرازے کو بری طرح منتشر کر کے رکھ دے سکتا تھا۔ عبدالملک کے زمانہ میں حالات کیسے نازک تھے اس کا اندازہ صرف ایک دن کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

۶۶ھ میں عبدالملک کوفہ میں مختار سے جنگ کرنے شاہی افواج

کو اپنی کمان میں لیے ہوئے چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شب اس کو عبداللہ بن زیاد کے قتل ہو جانے اور اس کے لشکر کی شکست خوردگی کی خبر ملی۔۔۔۔۔ مختار بن یوسف ثقفی سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا۔

ساتھ یہ اطلاع ملی کہ جو فوج عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے مدینہ گئی تھی اس کا کمانڈر مارا گیا ہے۔۔۔۔۔ اس خبر کے بعد ہی فوراً اسے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر کا لشکر فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور ان کے بھائی مصعب بن زبیر بھی ان سے جا ملے ہیں (دواضح رہے کہ عبداللہ بن زبیر خلافت کے دعوے دار تھے اور آدھی مملکت اسلامیہ پر ان کی متوازی حکومت قائم تھی) اس کے ساتھ ہی یہ اطلاع پہنچی کہ شہنشاہ روم شام پر چڑھائی کے ارادے سے نکل کھڑا ہو رہا ہے اور اب معیصہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی ایک خبر نے خبر دی کہ دمشق کے شورہ پشتوں نے وہاں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور اہل شہر پر طرح طرح کے ظلم و ستم توڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ قیدی بھی قید خانوں کی سلاخیں توڑ کر بھاگ نکلے ہیں۔ پھر اطلاع ملی کہ بعض اعراب نے حمص بعلبک میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

عبدالملک بن مروان نے ان سب فتنوں اور شورشوں کا نہ صرف یہ کہ مقابلہ کیا اور ان پر قابو پایا بلکہ شمالی افریقہ کے بربروں اور جزیرہ صقلیہ اور فرطاجنہ کے رومیوں کو ان کی سرکشی کی ایسی سخت سزا دی کہ پھر وہ مسلمانوں کے خلاف سر نہ اٹھاسکے۔ یہ عبدالملک کا تدبیر اور اس کی جرأت اور سیاسی جرأت تھی کہ جس نے اس پر آشوب دور میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کو جو ختم

ہو رہی تھی دوبارہ قائم کر دیا۔

ملوکیت کی طرف داری

ان تمام واقعات کی یاد دہانی کا مقصد ملوکیت کی حمایت ہرگز نہیں اور سلطان کی باجگذاری کو پسندیدہ قرار دینا بھی نہیں اور نہ ہی اس کے جواز پر سند پیش کرنا مقصود ہے بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلامی معاشرہ خلفائے راشدین کے زمانے میں درجہ کمال و انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ایک انتہا پر پہنچتے ہوئے معاشرہ کا چاہے وہ کتنا ہی اچھا ہو، پوری یکسانیت کے ساتھ قائم رہنا مشکل ہوتا ہے۔ انسانی کمزوریوں کی بناء پر اس میں خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ سوہمیں۔

دوسری بات یہ کہ وہ معاشرہ مائل بہ زوال ہونے کے باوجود اتنا گنہگار ہرگز نہیں تھا۔ جتنا کہ مسلمانوں کی تاریخ مسخ کر کے پیش کرنے والوں نے پیش کیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ خلفائے راشدین کے بعد جو ”سلطان خلفاء“ ہوئے، وہ یقیناً خلافت علی منہاج النبوت مرتبے سے بہت ہی فزوت تھے۔ تاہم ان کے سیاسی چہرے اتنے مکروہرگز نہیں تھے جتنے دکھائے گئے ہیں۔ ہم کو ان کی خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بڑی خدمتیں لی ہیں۔

یہ بات ان کی خوبیوں میں شمار کی جائے گی کہ مطلق العنان ہونے

تھی وہ تھی عام لوگوں کی دینی تعلیم سے ناواقفیت اور تربیت کی کمی دوسری چیز منافقوں کی کھلی اور چھپی سرگرمیاں اور منافقوں کی منافقانہ روش سے عام لوگوں کی ناواقفیت۔

تیسری چیز دولت کی فراوانی اور سامان عیش و راحت کی بہتات کی وجہ سے پیدا ہو جانے والی غفلت۔

اور چوتھی چیز تھی دین و سیاست کی تفریق۔

مابین کرام نے مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو جانے والی ان خرابیوں کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا اور اسی کو دور کرنے میں وہ ہمہ تن مصروف تھے اور انہی کی جرات، عزم و حوصلہ اور ایثار و قربانی کی وجہ سے مسلمانوں کے گرتے ہوئے قدم نہ صرف یہ کہ ختم گئے بلکہ ترقی کی طرف گامزن ہو گئے۔

قرآن و سنت کی تعلیم

ان بزرگان دین نے قرآن کتاب ہدایت کو سمجھنے اور سمجھانے کا وسیع پیمانے پر کام شروع کر دیا۔ مسجدوں، بازاروں اور محفلوں میں پند و نصیحت کے بازار گرم کر دیئے۔ ہر محفل میں ہر مجلس میں اٹھتے بیٹھتے اس کو سیکھنے اور سکھانے لگے۔ ان میں ایک سے بڑھ کر قرآنی تفسیر و تامل اور فکر و استدلال پیش کرتا تھا، اور اس میں ان کو اس قدر ملکہ حاصل تھا کہ بات بات میں علمی نکات اور مسائل پیش

کر دیتے۔ عام لوگوں کے لیے یہ فرق کرنا مشکل ہوتا تھا کہ کون زیادہ صاحب علم ہے۔

حضرت ربیع بن خثیمؓ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جب وعظ و نصیحت کرتے تو اس کے اندران کے اپنے الفاظ کم قرآن و حدیث زیادہ ہوتے تھے جب بھی کوئی شخص ان کے پاس آتا تو اس سے یہ ضرور کہتے کہ اے اللہ کے بندے! تو احکام الہی کا جتنا بھی علم رکھتا ہے اس کے مطابق اللہ کے احکام کی اطاعت کر، تم محض اپنی نیکی سے نیک نہیں بن سکتے بلکہ دوسروں کو بھی نیک بنانے اور گناہوں سے بچانے کی کوشش کرو۔ امام شعبی جو احادیث کے علم کی وجہ سے امام العصر کہلائے، انھوں نے ۸۴ صحابہ کرام سے فیض حاصل کیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں رہ کر علم نبوت سے فیض یاب ہوئے اور پھر اس علم کو عام کیا۔

۲۔ اسی طرح دوسرے بزرگوں مثلاً حسن بصریؒ نے نفاق کو کھول کر پیش کیا اور مسلمانوں کے اندر منافقوں نے جو عقیدے اور عمل کی خرابیاں پیدا کر دی تھیں ان کو دور کرنے کی طرف پوری توجہ دی، حضرت سعید بن جبیرؒ نے قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر کی تعلیمات کے علاوہ لوگوں میں حق کے لیے جرات و بیباکی کو عام کیا اور حق پر مٹنے کی تعلیم دی، سعید بن مسیب کے علم و عمل کے ساتھ، تعلیم، فہم بصیرت، بے خوفی، احساس ذمہ داری مال و دولت سے بے نیازی اور دوسری خوبیاں مسلم معاشرے میں پیدا کیں جن کی سخت ضرورت تھی۔ ان کی

خراسان، خوارزم، چینی ترکستان، سندھ اور اندلس تک
مسلمانوں کی فتوحات بڑھ گئیں۔ اور علم و عمل کا
عام چرچا ہو گیا۔

طاہر رسول قادری

محمد بن حنفیہ

محمد بن حنفیہ

جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں
کو بے نقاب کیا

اور
مسلمانوں کے خوف کو ازالہ ہونے نہ دیا۔

اسلام میں کوئی مخفی علم نہیں ہے، اور ایسا کوئی علم
 حضور سید عالم نور مجسم شافع محشر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التیجۃ
 والثناء صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے حضرت
 علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اہل بیت سے نہیں ملا۔
 البتہ یہ قرآن مجید جو آپ سب کو ملا ہے ہم لوگوں کو بھی
 ملا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ ہیں محمد بن حنفیہ جنھوں نے
 تاریخ کے دھارے موڑ دیئے۔۔۔۔۔۔ تلوار کی دھاروں
 پر بار بار آئے مگر ایک بار بھی حق کو حق کہنے سے باز نہ آئے۔

میدانِ عرفات

حج کا زمانہ ہے میدانِ عرفات میں تقریباً تمام حاجی ”چار جھنڈوں“ میں متفرق ہو کر اجتماعی فریضہ دینی ادا کر رہے ہیں۔ حالات کی کشیدگی، زاج کی تندی اور اغراض کی کشاکش نے پورے میدان کا ماحول عجیب سا مادی ہے۔ خطرہ ہے کہ مقام عبودیت نفس کا مظہر بن جائے۔ یہ ابن حنفیہ کا علم ہے جو کوہ مشاط کے قریب نصب ہے۔ یہ عبداللہ بن زبیر کا علم ہے جو عرفات کے اجتماع کے دن امام کے عہدے ہونے کے مقام پر گھڑا ہوا ہے۔ اور غالباً اس مقام پر اسی ارادے سے نصب کیا گیا ہے کہ یہی علم اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کے پیچھے فریضہ حج ادا کیا جائے۔ اور اسی کی امامت قبول کی جائے۔ محمد بن حنفیہ کا علم اسی علم کے مقابل میں پیچھے کی طرف شاید اس وجہ سے نصب ہے کہ ان کی جمیعت عبداللہ بن زبیر کی جمیعت کے بعد سبچی اور اس کو اصل مقام سے پیچھے رہ جانا پڑا۔

یہ تیسرا علم نجدۃ الحزوری کا ہے۔ یہ اپنی جمیعت کے ساتھ ان دونوں کے پیچھے مقیم ہے۔

اور یہی اُمیۃ کا جھنڈا ہے جو ان دونوں کے بائیں جانب ایستادہ ہے۔ ابن حنفیہ کو چھوڑ کر تینوں متحارب طاقتیں ہیں اور باہم لڑ کر فتح و شکست سے دوچار ہوتی رہی ہیں۔ محمد بن حنفیہ کے پاس جتنا بھی ہے، ان کے لیے لوگوں کے دلوں ہمدردیاں بھی اور جذبہ احترام بھی ہے۔ لیکن انہوں نے کسی سے جنگ کی ہے۔ نہ کسی کے مقابلے میں آئے ہیں اور نہ ہی کوئی دعوے لے کر اُٹھے ہیں۔ — منظرِ مہمیت کی زندگی سے محض بچنے کے لیے ایک چھوٹا سا گروہ یکجا کر کے امن و عافیت کی تلاش میں علیحدگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ — عبداللہ بن زبیر ان کو نہ صرف یہ کہ مجبور کر رہے ہیں بلکہ صرف اس لیے ان کے درپے آزار ہیں کہ وہ ان کی بیعت کر لیں۔ دوسری طرف اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اس بات کا خواہشمند ہے کہ محمد بن حنفیہ جلد سے جلد اس کی بیعت کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں تاکہ عبداللہ بن زبیر پر اس کو سیاسی اور اخلاقی برتری حاصل ہو جائے۔ موسمِ حج میں میدانِ عرفات کی یہ کیفیت پر ہول بنی ہوئی ہے۔ محمد بن زبیر کہتے ہیں کہ اس موقع پر یہ صورتِ حال دیکھ کر مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں فتنہ و فساد نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ — اس خطرے کے پیشِ نظر میں نے صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے چاروں جھنڈوں کے سرداروں سے ملنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کو لیے ہوئے سب سے پہلے محمد بن حنفیہ

سے بلا اور ان سے کہا کہ ”اے ابوالقاسم اللہ سے ڈرو۔ ہم ایک مقدس فرض ادا کرنے اس محترم سرزمین میں جمع ہوئے ہیں۔ جتنے بھی لوگ یہاں جمع ہیں اللہ کے حضور ایک وفد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اللہ کے گھر کی زیارت اور طواف کے لیے حاضر ہوئے ہیں، خدا کے لیے آپ ایسی حرکت نہ کیجئے جس سے لوگوں کا حج ہی فاسد ہو جائے۔“

محمد بن علی نے کہا، ”نہیں نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے میں کسی کو بیت اللہ آنے سے نہ روکوں گا اور نہ میری طرف سے کسی بھی حاجی کو کوئی ضرر پہنچے گا۔“

میں نے تو یہ تیاریاں محض اس لیے کی ہیں تاکہ ابن زبیر کا ہاتھ مجھ پر نہ پڑ سکے اور یہ کہ میرے خلاف جو ارادے وہ رکھتے ہیں اس سے میں اپنی حفاظت کر سکوں۔ یاد رکھو میں سیاسی غرضندیاں نہیں رکھتا ہوں اور جب تک ”دو آدمی“ بھی مجھ سے اختلاف رکھنے والے ہوں گے۔ میں حکومت و ریاست کی خواہش نہیں کروں گا۔_____

البتہ ابن زبیر سے اس معاملہ میں ضرور گفتگو کرو اور نجدہ کے پاس بھی جاؤ۔_____

چنانچہ وہ باقی تینوں سرداروں کے پاس گئے اور ان کو کسی بھی بُرے ارادے سے باز رہنے کی تلقین کی اور ضروری وعدے لیے۔

محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ اس موقع پر سب سے زیادہ امن پسندی اور صلح جوئی کے طریقے پر محمد بن حنفیہ اور ان کے طرفدار کامزن رہے اور نہایت وقار کے ساتھ عرفات سے روانہ ہوئے۔

زندہ جلادینے کی دھمکی اور تیاریاں

۲۔ حرم کعبہ کی حدود ہے، ابن حنفیہ اپنے اہل خاندان اور کوفہ سے آئے ہوئے سترہ عمائدین کے ساتھ زمزم کے مقام پر مقید اور محصور ہیں۔
عبد اللہ بن زبیر ان پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ان کی بیعت کر لیں۔
اور انھوں نے اب تک ان کی اس لیے بیعت نہیں کی ہے کہ تمام امت نے ان کی خلافت پر اجماع نہیں کیا ہے۔
عبد اللہ بن زبیر نے ان کو قید کر کے ایک مہلت مقرر کر دی ہے کہ اگر اس عرصہ میں انھوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کر لی تو اہل خاندان اور حامیوں کے ساتھ ان کو زندہ جلاد دیا جائے گا۔
انتہائی نازک معاملہ ہے، صرف اپنی جان بچانے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ بہت سی معصوم جانیں خطرے سے دوچار ہیں۔ مفر کی صورت نہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی غیبی امداد آ جائے۔
مہلت کی مدت جتنی قریب آتی جا رہی ہے، سختیاں اتنا ہی زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں۔ ان کو جلانے کے لیے ایک طرف بہت ساری لکڑیاں جمع کر دی گئی ہیں۔ اور جانوروں کو جس طرح باڑھ میں بند کیا جاتا ہے ان سب کو اسی طرح کے ایک باڑھ میں بند کر دیا گیا ہے۔

اس دہشت ناک صورت حال نے بھی محمد بن حنفیہ کے پائے

استقلال کو متزلزل ہونے نہیں دیا۔ ایک دن ان کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ آپ اس صورت حال سے مختار کو اور اہل کوفہ کو مطلع کر دیجئے کوفہ کے لوگ آپ کی اس موقع پر ضرور مدد کریں گے اور اس مصیبت سے نکلنے کی لازماً کوئی سہی کریں گے۔ چنانچہ مختار ثقفی کے پاس اس مقصد کے لیے قاصد بھیجنے کا وہ فیصلہ کرتے ہیں اور جب رات کو پہرے دار سو جاتے ہیں تب وہ اپنے ساتھیوں میں سے تین عراقیوں کو مختار اور اہل کوفہ کے نام خط دے کر روانہ کرتے ہیں۔ خط میں انھوں نے اپنے خلاف عبداللہ بن زبیر کی معاندانہ روش، محاصرہ کی کیفیت، اور جلاوطنی کی دھمکیوں کی تفصیلات لکھنے کے بعد ان سے مدد کی استدعا کی ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ وہ اس موقع پر انھیں اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے جس طرح انھوں نے حضرت حسینؑ اور ان کے اہل خاندان کو چھوڑ دیا تھا۔

حرم کا احترام

۲۔ یہ قاصد بھاگ بھاگ مختار کے پاس آتے ہیں اور خط اس کے حوالے کرتے ہیں۔ مختار نے فوراً ہی دربار عام کا اعلان کر دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو انھیں وہ خط پڑھ کر سنایا اور کہا کہ یہ تمہارے ”ہمدی“ کا خط ہے۔ جو تمہارے اہل بیت نبی کے

قائم مقام ہیں۔ غضب خدا کا انہیں اس طرح باڑھ میں بند کر دیا گیا ہے جس طرح بحیرہ بکریاں بند کی جاتی ہیں اور اب یہ انتظار کر رہے ہیں رات یا دن کے کسی وقت ان کو قتل کر کے جلا دیا جائے۔ میں اب اسحق نہیں اگر میں ان کی پوری مدد نہ کروں۔ لوگو! سن لو میں سواروں کا ایک ایسا سیلاب بھیجوں گا جو ان پر مظالم ڈھانے والے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔

پھر مختار نے سواروں کے دستے اس ترکیب اور تدبیر سے بھیجے کہ جو ابن حنفیہ اور ان کے اہل خانہ ان اور ہمراہیوں کو قتل ہونے اور جلا ڈالے جانے کی مقررہ مدت پوری ہونے سے دو دن پہلے ہی پہنچ گئے اور ان سب کو بزور قوت رہا کرالیا۔

مختار کے بھیجے ہوئے لوگ انتہائی بہادر اور آزمودہ کار تھے اور فوج کے مکہ میں داخل ہونے کی رفتار بھی عمدہ جنگی چالوں پر مبنی تھی، اس لیے جب عبداللہ بن زبیر نے ان فوجیوں کو دھکی دی تو وہ آمادہ پیکار ہو گئے اور قریب تھا کہ طرفین سے تلواریں نکل کر آئیں اور حرم میں خونریزی شروع ہو جاتی۔ لیکن ابن حنفیہ نے اپنے حامیوں کو سختی سے روکا اور فتنہ و فساد برپا کرنے سے انہیں ڈرایا۔

زیر عبداللہ بن زبیر کی سختیوں کا بدلہ لینے کی ہر تدبیر سے لوگوں کو باز رکھا۔ مختار کی بھیجی ہوئی فوج اور ان کے حامیوں کی تعداد دیکھتے دیکھتے شعب علی

میں جہاں یہ لوگ محصور تھے چار ہزار ہو گئی۔۔۔۔۔ یہ سب لوگوں نے عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے کی ابن حنفیہ سے اجازت طلب کرتے رہے مگر وہ کسی طرح اس کے روادار نہیں ہوئے اور اس طرح عین حدودِ حرم میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہونے سے بچ گئیں۔

اہل بیت کے نام پر استحصال

۴۔ نصف صدی سے بھی کم عمر کی مملکت اسلامیہ سخت بحران سے دوچار ہے۔ ہر طرف فتنے برپا ہیں۔ سرکشی اور بغاوت کی عام کیفیت سے پوری مملکت لرز رہی ہے۔ کتنی باہمی بڑائیوں ہو چکی ہیں اور کتنی چنگاریاں سلگ رہی ہیں اور کتنی جنگیں سر پر کھڑی ہیں۔۔۔۔۔ طالع آزمائے حوصلہ مندوں کے لیے بہت اچھا وقت آچکا ہے۔

تقدیریں آزمائی جا رہی ہیں۔۔۔۔۔ سروں کی فصلیں تیار کھڑی ہیں اور تلواریں فصلیں کاٹے کاٹ کر کسند اور پھرتیز ہو رہی ہیں۔ اسی ہمہ ہی ہائے زندگی میں مختار ثقفی تلواروں کی بارگاہ، زبان کی قوت اور تقریر کی سحر بیانی لے کر میدانِ کارزار میں کود پڑتا ہے۔

شہادت حسین کا المیہ تازہ ہے، زبانیں گر چہ گنگ ہیں مگر لوگوں کے دل آہ و فغاں کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ مختار کا چالاک ذہن لوگوں کے اسی احساس کو اپنے منصوبے کا حرف اول بتاتا ہے۔

”حسینؑ اور اہل بیت کی شہادت اور بربادیوں کا ایک ایک سے چن کر بدلہ لوں گا۔“ دلوں پر نشاء ٹھیک بیٹھا۔۔۔۔۔ جمیعت بڑھ گئی۔ قوت میں اضافہ ہو گیا۔۔۔۔۔ لیکن سوال موجود رکھا۔۔۔۔۔ تم کون ہوتے ہو حسینؑ کے خون کا دعویٰ کرنے والے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؑ موجود ہیں، حضرت علیؑ کے بیٹے ابوالقاسم محمد بن علیؑ (ابن حنفیہ) موجود ہیں، خود امام حسینؑ کے بیٹے علی بن حسینؑ (زین العابدین) زندہ ہیں۔۔۔۔۔ چنانچہ سوال اٹھا اور اس نے پوری دیدہ دلیری سے جواب دیا۔۔۔۔۔ میں محمد بن حنفیہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اور ان کی طرف سے داعی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔۔۔۔۔

سوال : اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟
جواب : اگر تم لوگوں کو ہماری باتوں پر یقین نہیں آتا تو کچھ لوگوں کو اُن کے پاس بھیج کر معلوم کرو۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔

چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبدالرحمن بن شریح کی قیادت میں ایک وفد مکہ معظمہ محمد بن حنفیہ کے پاس آیا اور آپ سے مل کر کہا کہ آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔۔۔۔۔ آپ نے کہا کوئی عام بات برسرِ عام بات کہی جانے والی ہے یا کوئی راز کی بات تنہائی میں کہنی ہے؟۔۔۔۔۔ شریح نے کہا تنہائی میں کچھ راز کی باتیں کہنی ہیں۔

ابن حنفیہ اچھا تو ذرا ٹھہر جاؤ

پھر تھوڑی دیر بعد ایک جانب وہ خود اُٹھ آئے اور فرمایا کہ
کیسے کیا کہنا ہے ؟

شرح نے حمد و ثناء کیا اور پھر کہا : آپ اہل بیت ہیں اللہ نے
آپ کو فضیلت دی ہے۔ بنی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان
میں ہونے کا آپ کو شرف حاصل ہے۔ اس اُمت پر آپ
کا بڑا حق ہے جس میں سے صرف بے عقل اور بد نصیب لوگ انکار کر
سکتے ہیں۔ حضرت حسینؑ کی شہادت سے جو مصیبت آپ لوگوں
کو اٹھانا پڑی اس سے بھی آپ کو ایک خاص حق حاصل ہو گیا ہے کیونکہ
تمام مسلمانوں کو اس حادثے کا سخت صدمہ ہے۔ بات یہ ہے
کہ مختار بن ابی عبیدہ ہمارے پاس آئے اور انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے
کہ وہ آپ کے فرستادہ ہیں۔ ہم لوگوں کو آپ سے اس لیے
محبت ہے کہ آپ ہمارے بنی کے انتہائی قریبی رشتہ دار ہیں، آپ سے
محبت رکھنے کی وجہ سے ہم سب بتلائے اذیت بھی ہوئے ہیں۔ ہم
حالات سے گھبرا چکے ہیں اور یہ ارادہ کیا چاہتے تھے کہ آبادی کو چھوڑ کر
کسی دیرانے میں چلے جائیں اور وہیں اللہ اللہ کریں۔ اہل بیت کا حال
معلوم ہوا اور ذہن و فکر اذیت میں مبتلا ہے۔ ابھی ہم پوری طرح
جنگل میں چلے جانے کا فیصلہ بھی نہ کر پائے تھے کہ مختار بن عبیدہ کی آمد
کی اطلاع ہوئی۔ اور ہم اس تحقیق کے لیے آگے میں کہ کیا وہ واقعی

آپ ہی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر ہم سب اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔

ابن حنفیہ نے تمام باتیں غور سے سنیں پھر حد و شمار کے بعد کہا کہ آپ نے ہمارے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے نوازا ہے تو یہ اللہ کی عنایت ہے ”وہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے مشرف فرماتا ہے وہ بڑا افضل والا ہے“ اس کے فضل پر شکر واجب ہے۔۔۔ باقی رہی شہادت حسین والی بات تو بلاشبہ یہ ایک سفاکانہ قتل عام تھا جو ان کی تقدیر میں تحریر تھا۔ اور یہ ایسی کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے مرتبے کو بلند کرنے اور بعض لوگوں کے مرتبے کو گھٹانے کے لیے عطا کی تھی اور رہا آپ کا یہ کہنا کہ کسی ویرانے میں چلے جانے کو جی چاہتا ہے تاکہ وہیں اللہ کی عبادت کریں۔۔۔۔۔ تو سن لو! ایسا ہرگز نہ کرنا معاملات زندگی سے جدا رہنا اسلام کا طریقہ نہیں راہبوں کی بدعت ہے۔۔۔ اور آپ نے ہمارے خون کا بدلہ لینے والوں کا جو ذکر ہے اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ یہ اللہ کا معاملہ ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کے ذریعے چاہے ہمارے دشمن سے بدلہ لے لے۔۔۔ باقی رہا ہماری طرف سے کچھ کہنا ہے تو صرف اتنا کہنا ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ اللہ سے ڈرتے ہو۔ ”مسلمانوں کے خون

ناحق سے بچو، اور بنو اُمیہ کے اس قبیہ سے بچو، (یعنی اُن کے اس جھوٹے
 دعوے سے کنارہ کش رہو کہ اگر مسلمان ان کا ساتھ دیں گے تو وہ ان کی
 جانوں کی حفاظت، اور تمہارے دین کی حفاظت کریں گے اور تم دولت
 سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ گے جس کا تصور نہیں کر سکتے۔ آخر میں میں
 اپنے اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔
 دیکھئے کس کمال تدبیر و حکمت اور جذبہ خیر و صلاح کے ساتھ وفد
 کو صحیح صحیح جواب دیا۔

یہ دوسری بات ہے کہ مختار بن عبیدہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ کرتا ہی
 رہا اور محمد بن حنفیہ کی صلح جوئی اور میانہ روی اس کے عزائم کے مقابلے
 میں ذرا بھی مزاحم نہیں ہو سکیں۔

مگر خونِ مسلم ارزاں نہ ہونے دیا

۵۔ ایک اور موقعہ پر مختار نے حسب ذیل خط صالح بن مسعود کی معرفت
 ابن حنفیہ کو ارسال کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں نے ایک فوج آپ کے پاس اس غرض سے بھیجی تھی
 کہ وہ آپ کے دشمنوں کو ذلیل کرے، آپ کے لیے ملکوں
 کو فتح کرے، جب یہ لوگ آپ کے پاس آنے کے لیے
 مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو ”لمحہ“ کی ایک فوج ان سے

لی اور عہد امان کے باوجود دھوکہ سے میری فوج پر اچانک حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا۔۔۔۔۔ اب اگر آپ مناسب سمجھیں اور حکم دیں تو میں اہل مدینہ کی جانب ایک زبردست فوج بھیج دوں۔ اور ہاں آپ اپنے سفراء بھیج دیں تاکہ تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں آپ ہی کا مطیع فرما ہوں۔۔۔۔۔

ابن حقیقہ نے اس خط کا جواب مندرجہ ذیل دیا:-

تمہارا خط پڑھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تم کس قدر میرے حق کو سمجھتے ہو اور میری خوشنودی کے لیے تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں گا امور سیاسی بھی ہمارے ہاتھ میں رہیں گے۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے ظاہر و باطن کو ایک رکھو اور اللہ کی اطاعت کرتے رہو۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں لڑائی کا ارادہ کروں تو میرے بہت سے مددگار فوراً میری حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، مگر ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ میں سب سے الگ تھلگ اور چپ بیٹھا ہوں اب جو اللہ کرے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ اب وہ مسلمانوں کے خون کی ارزانی دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور حصول اقتدار کے لیے قتال اور خونریزی کو پسند کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس بات کا امکان تھا کہ ان کی

جوانت اور باہمی خوریزی پر ان کی جسارت تاریخ میں کسی خاص عنوان کا
سبب و ذریعہ بن جاتی۔

ایک اہم خصوصیت

۶۔ محمد بن حنفیہ مشہور تابعی، حضرت علیؑ کے بیٹے ہیں۔ ان کو دوسرے
لوگوں کے مقابلے میں ایک بہت بڑی خصوصیت یہ حاصل کی ہے کہ
ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک 'محمد' اور
آپ کی کنیت ابوالقاسم دونوں یکجا ہیں، اور حضور کا نام اور کنیت کو
یکجا کرنے کی خصوصی رعایت صرف ان ہی کو حاصل ہے۔
دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ
آپ کے بعد آپ کی امت میں کوئی ان دونوں کو جمع نہ کرے۔
حضرت طلحہؓ نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کی اس بارے میں سخت گرفت
کی اور کہا کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک اور
کنیت دونوں ہی کو اپنے ایک بیٹے میں جمع کر کے بڑی جسارت
کر ڈالی ہے، یہ تو صحیح نہیں ہے کیونکہ حضور نے اس سے منع
فرمایا ہے۔

حضرت علیؑ نے کہا "بھائی۔ بیشک وہ شخص بڑا ہی گستاخ ہے
جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے کی جسارت کرے۔
لیکن معاملہ یہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ مجھے اس

بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی اجازت حاصل ہے۔۔۔
 پھر حضرت علی رضی نے ایک شخص سے کہا کہ جاؤ قریش کے فلاں اور فلاں
 شخص کو بلا کر لے آؤ۔۔۔ چنانچہ جب لوگ آگئے تو حضرت
 علی رضی نے ان سے کہا کہ کیا آپ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضور
 نے اپنا نام اور کنیت استعمال کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے یا
 نہیں۔۔۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہاں ہم اس کی شہادت دیتے ہیں
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ تمہارے یہاں
 (حضرت علی کے یہاں) ایک لڑکا پیدا ہو گا۔ میں نے اپنا نام اور
 اپنی کنیت اسے بخش دی۔۔۔ اس کے بعد میری امت میں کسی
 کے لیے حلال نہیں (کہ وہ میرا نام اور کنیت رکھ لے)

امن پسندی

۔۔۔ محمد بن حنفیہ نے چونکہ علم و فضل میں ممتاز گھرانے میں اپنی آنکھیں
 کھولی تھیں اور اسلام کے روح رواں لوگوں سے تربیت حاصل کی
 تھی اس لیے ”اسلام“ ان کے خون تک میں رچ بس گیا تھا۔۔۔
 وہ بڑے عالم اور بڑے ہی متقی تھے۔۔۔ فتنہ و فساد اور مسلمانوں کے
 درمیان جنگ و قتال ہی کے دور میں انھوں نے بچپن سے جوانی
 کی سرحد میں قدم رکھا، اور مسلمانوں کی اسی اجتماعی حالت کے دوران
 جوانی سے بڑھاپے کی حدود میں داخل ہوئے۔۔۔ بعض معرکوں

پاکیزہ مزاجی

۷۔۔۔ محمد بن حنفیہ کے مزاج کی پاکیزگی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب مختار بن عبید نے دھرکہ کو بلاپا کرنے والے، عبید اللہ بن زیاد کو قتل کر کے اس کا سر ایک ڈبے میں بند بند کر کے محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجا، جس وقت یہ سر اُن کے پاس لایا گیا تو وہ ناشتہ کر رہا تھا۔

اور آج جبکہ اس کا سر ہمارے سامنے لایا گیا ہے ہم ناشتہ کر رہے ہیں
 بنی ہاشم میں سے تقریباً تمام لوگوں نے مختار کی اس بخایت

وہ چپ سے ہو گئے۔ محمد بن حنفیہ مختار ثقفی کی حرکتوں،

اس کی جنگ جو پالیسیوں اور ظلم و خونریزی کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اس کے اکثر افعال سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔

حالات کہ مختار اہل بیت کا نام لے کر اپنے گرد لوگوں کو جمع کیا کرتا تھا۔ اور یہ کہا کرتا تھا کہ خود وہ کچھ نہیں ہے بلکہ محمد بن حنفیہ کی طرف سے لوگوں کو دعوت دیتا رہا۔ اور یہ بیعت دراصل ان کی بیعت ہے۔

چہ ولاد درست دزدے کف چراغ دارد

تاریخ کے آئینے میں

محمد بن حنفیہ کی سیرت کے جاننے نمایاں پہلو تھے، ان کو پیش کرنے کی ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔ ان کی سیاسی زندگی یا ان کی انقلابی جدوجہد کو جس قدر حالات کی روشنی میں بے راسخ دکھانا ہمارے لیے ممکن تھا وہ ہم نے کیا تاہم اس بات کا خطرہ ہے کہ کچھ لوگوں کو مندرجہ واقعات کی روشنی میں ابن حنفیہ کی تصویر حیات و اغدار نظر آنے اس لیے مذکورہ بالا واقعات کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

”حضرت امام حسینؑ کے حقیقی وارث اور جانشین تو امام زین العابدینؑ ہی تھے لیکن اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد وہ دنیا سے ایسے برداشتہ خاطر ہو گئے تھے کہ خلافت اور امامت کے جھگڑوں سے کنارہ کش ہو کر گوشہ عزلت کی زندگی اختیار کر لی۔

_____ حامیان علیؑ یا حامیان اہلبیتؑ نے انہیں میدان میں لانے کے لیے بہت سارے جتن کیے اور بہت سرمارہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے بلکہ گھر سے نکلتا تک انہوں نے

تک کر دیا۔ اب وقت کے یہ ”بناض“ ”مصلحہ مند لوگ“ ”ابن حنفیہ“ کے گرد جمع ہو جاتا شروع ہوئے اور خلافت اور امامت کو ایک مذہبی عقیدہ بنا کر اور لوگوں کو پورے زوردار دلائل سے یقین دلایا کہ خلافت و امامت دراصل اہل بیت ہی کا حق ہے، اس لیے یہ حق حقدار ہی کو پہنچنا چاہیئے۔ اور ابن حنفیہ چونکہ اس بار امامت کو اٹھا سکتے ہیں اس لیے اس بار امامت کا انہی کو حاصل ہوتا چاہیئے۔ پھر ان لوگوں نے اول ان کو اس بار امامت کا حامل بنایا پھر رفتہ رفتہ ان کو اس کا داعی بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا، اور پھر اس معاملہ کو اس حد تک آگے بڑھا کر لے گئے خلافت و امامت، اور اہل بیت اور غیر اہل بیت کے سوالات اور ان سے پیدا ہونے والے عقائد و خیالات، مسائل و افکار کا تمام متعلق ان کی ذات سے قائم ہو گیا۔۔۔۔۔ حالانکہ بیشتر عقائد و افکار، عمل و دعوت، سرگرمیاں اور عملی جدوجہد جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے چند طالع آزمائے محض اپنی مطلب برآری کے لیے ان کے نام کو ان کی ذات کو، اور حضور سے جو آپ کو نسبت حاصل ہے اس نسبت کو استعمال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور پروپیگنڈے کی ایک پوری مشینری ان تمام غلط باتوں کو جو غلط تو نہیں مگر ان کے حصول کے لیے ضروری تھیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں

لگ گئیں۔۔۔ پھر ان نظام اور حریص طبع لوگوں نے اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے ایسے ایسے عقائد گھڑے اور ایسے ایسے خیالات، ان کی طرف منسوب کر دیئے جس سے وہ اور دوسرے اہل بیت حریص خلافت کے محسوس ہو کر سامنے آتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

شخصی حکومت کے اختلاف

۱۔۔۔ یہاں تک ثوابت درست ہے کہ اہل بیت کرام یہ آرزو رکھتے تھے کہ اسلامی حکومت نیابت الہی اور خلافت نبوی کی حیثیت سے قائم رہے اور شخصی حکومت کا قالب اختیار کرنے نہ پائے۔ اس کے لیے انھوں نے جانوں کی قربانیاں تو دیں لیکن کسی قسم کے گمراہ کن عقائد کا اختراع نہیں کیا۔ اس لیے ان کی طرف جو بھی گمراہ کن باتیں منسوب کی گئی ہیں وہ سراسر غلط، جھوٹ اور افتراء پر دازی پر مبنی ہیں۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ

۲۔۔۔ اور یہ بات بھی درست ہے کہ سانحہ کربلا کی وجہ سے ابن حنفیہ سمیت سارے بنی ہاشم کے دل اُمو یوں کی طرف سے پھرے ہوئے تھے، اس کے علاوہ ابن زبیر کا خطرہ ان کے سروں پر مسلط تھا۔ ان حالات میں مختار خون حسینؑ کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا اور

کہا کہ اسے ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے کے ذریعہ
چاہا ہماری مدد کی۔ البتہ تم لوگ کذاہین سے ڈرتے رہو اور ان سے
اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرو۔

گمراہ کن عقائد کی تردید

(۱۷) اسی صورت سے جب ابن حنفیہ نے دیکھا کہ مختار اور اس کے
ہم نوا ان کی شخصیت کو ابھارنے کے لیے — اور پھر ان
کے ذلت کا سہارا لے کر اپنی قسمت کو اپنانے
کی کوشش کر رہے ہیں، جس سے ایک طرف دین کو بھی نقصان
پہنچنے کا خطرہ ہے اور لوگوں کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہو جانے
کا بھی احتمال ہے اور آئندہ نسل کے فتنہ و فساد میں مبتلا ہو جانے
کا خدشہ ہے تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی طرف منسوب کی جانے
والی غلط باتوں کی تردید کی بلکہ ان کو سخت تنبیہ بھی کی

علم مخفی کی کوئی حقیقت نہیں ہے

(۷) ایک مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ مختار کے تابعین کہتے ہیں کہ ان کے
یعنی ابن حنفیہ کے پاس قرآن کے علاوہ صدی علم کا کچھ حصہ ہے
جو سینہ بے سینہ آ رہا ہے۔ یہ باتیں جب انھوں نے
چند زبانوں سے سنیں اور اس کا چرچا ہونے لگا تو سخت

پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس معنی میں تو بیشک مہدی ہوں
 کہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی ہدایت کرتا ہوں۔ لیکن میرا نام نبی اللہ کے
 نام پر اور میری کیفیت نبی اللہ کی کیفیت پر ہے۔ اس لیے جب تم لوگ
 سلام کہا کرو تو مہدی کہنے کے بجائے السلام علیک یا مہدی یا السلام علیک
 یا ابوالقاسم کہا کرو۔

دو خدا

(vii) — ابن حنفیہ کا عہد بڑا ہی خراب عہد تھا، لوگ اندرونی خلفشار اور خاندانی
 عصبیتوں میں مبتلا تھے۔ لوگوں نے قریش کے دو خاندانوں بنو اُمیہ
 اور بنو ہاشم کا رتبہ ایک کا دنیاوی وجاہت کی بناء پر اور دوسرے کا مذہبی
 سیادت کی بناء پر پرستش کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ ابن حنفیہ اس صورت حال
 سے سخت پریشان اور نالاں تھے، اور اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے
 کہ لوگ عصبیتوں میں مبتلا ہو کر بربادی کے اس ذلت آمیز گھر طے میں
 گر جائیں — چنانچہ ایک دن تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ
 اسلام میں رہتے ہوئے لوگوں نے دو بت گھر طے میں —
 لوگوں نے پوچھا یہ کیسے اور کیا؟ آپ تفصیل سے بتائیے۔ انھوں نے
 کہا کہ لوگوں نے قریش کے دو گھرانوں کو اللہ کا شریک بنایا ہے جن میں
 ایک ہم ہیں اور دوسرے بنو اُمیہ — یعنی حق پرستی اور صداقت
 پسندی جو مسلمانوں کا شیعہ ہونا چاہیے تھا اس کو چھوڑ کر لوگ دو حصوں میں

میں بٹ گئے ہیں۔ ایک نے ہم کو اپنا مرکز خیال و عمل بنالیا ہے اور دوسرے نے ہمارے چچا زاد بھائیوں یعنی بنو اُمیہ کو خدا کا درجہ دے دیا ہے۔

(viii) — حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعض لوگ کہاں سے کہاں پہنچا رہے تھے۔ لیکن وہ ان کے بارے میں یہ کہہ کر لوگوں کے اعتقاد درست کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی انسان کی نجات اور اس کے جنتی ہونے کی یقینی شہادت نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ اپنے باپ علیؑ کے متعلق بھی جنہوں نے مجھے پیدا کیا ہے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔

ابن زبیر اور محمد بن حنفیہ

مختار بن عبید کی ہلاکت کے بعد جب ملک کا ایک بڑا حصہ ابن زبیر کے قبضہ
 اقتدار میں آگیا تو انھوں نے ایک بار پھر محمد بن حنفیہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی بیعت
 کر لیں۔ چنانچہ اسی مقصد سے انھوں نے ایک دن عروہ بن الزبیر کو محمد بن الحنفیہ
 کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ امیر المؤمنین (عبداللہ بن الزبیر) آپ سے کہتے ہیں
 کہ تا وقتیکہ آپ ان سے بیعت نہ کر لیں گے وہ آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے، اگر آپ
 ایسا نہ کریں گے تو آپ کو دوبارہ قید کر دیا جائے گا۔ اللہ نے اس کذاب کو قتل کر دیا
 ہے جس کی ادھر آپ کو بھروسہ تھا اور جس کی مدد کا آپ دعویٰ کرتے تھے
 دونوں عراق والوں نے (کوفہ اور بصرہ) ان کی امارت پر اتفاق کر لیا ہے لہذا
 آپ بھی ان کی بیعت کر لیجئے، ورنہ بصورت دیگر آپ کو جنگ کے لیے تیار
 رہنا چاہیئے۔

محمد بن حنفیہ نے جبر واکراہ سے بھرے ہوئے اس پیغام کو نہایت وقار اور
 تحمل سے سنا۔ پھر بڑے ہی جبارانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ بھائی تمہارے بھائی

پیدا شد اس طرح قطع رحمی اور توہین حق پر کیوں آمادہ ہو گئے ہیں ؟
 اللہ کے ایسے عذاب پر جو ہمیشہ باقی اور قائم رہنے والا ہے اور جس پر وہ خود
 ہی ایمان رکھتے ہیں ————— اس کے آجانے ہی کے لیے کیوری جلدی
 رہے ہیں ؟ ————— وہ کون سی چیز ہے جس نے ان کو اللہ تعالیٰ سے
 قدر غافل کر دیا ہے ؟ ————— مختار کی بابت جو کچھ آنکھوں نے
 سہا ہے وہ عجیب ہے ————— وہ تو مجھ سے زیادہ مختار کے مذاح حقے
 واللہ میں نے مختار کو داعی یا ناسرینا کر نہیں بھیجا —————
 مختار کا ان سے کوئی واسطہ نہ تھا تو مجھ سے اس کا کون سا ایسا واسطہ تھا —————
 اگر وہ جھوٹا کذاب تھا تو آخر ایک عرصہ تک وہ ان کا مقرب
 سے بنا رہا ————— اور اگر وہ اس سے بھی زیادہ کچھ تھا تو اس کا علم مجھے
 ان وہ خود زیادہ بہتر جانتے ہیں ————— میں نہ تو اس کے پڑوس میں رہا
 ان اس کے ساتھ قیام کیا اور نہ ہی اس کی قربت کر اپنے لیے پسند کیا اور نہ
 کی دعوت کو جو میری طرف سے دیا کرتا تھا۔ کبھی اس کی حمایت و تاکید کی نہ
 برا چٹھا کھانا برا ————— باقی رہا معاملہ ان کی بیعت کا تو ہم کس کس کی
 ت کریں، ان کی یا عبد الملک کی ————— عبد الملک بن مروان کی قومی
 کو تم بھی دیکھ رہے ہو، خود عبد اللہ بن الزبیر کی گردن اس کے گھیرے میں
 دئی ہے ————— تم لوگوں نے تو ہم کو اس قدر دق کیا ہے کہ اب تم
 ن کا پڑوس چھوڑ کر عبد الملک کے پڑوس میں جا بسنے کو جی چاہتا

عروہ نے محمد بن الحنفیہ کی یہ باتیں سن کر رخصت چاہی اور کہا کہ میں آپ کی باتیں ان کو بتا دوں گا اور اچھی طرح سے آپ کی وکالت کروں گا۔ یہ کہا اور چلے گئے۔

خونِ مسلم کی حرمت

محمد بن الحنفیہ کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان کو یہ بات پسند نہ آئی کہ عروہ بن الزبیر کو یہاں سے زندہ جانے دیا گیا۔ وہ لوگ کہتے رہے کہ آپ کو اس بارے میں ہماری بات مان لینی چاہیے تھی اور ان کی گردن مار دینے کی اجازت دے دینی چاہیے تھی۔

محمد بن الحنفیہ نے تھکے تھوڑے سے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا کیوں؟ کس بنا پر انسانی گردن ماری جاتی؟ ان کا کیا قصور؟ وہ تو اپنے بھائی کا پیغام لے کر آئے۔ ہم سے باتیں کیں، بھائی کا پیغام سنایا۔ میرا جواب لے گئے۔ ان کی حیثیت ایک سفیر کی سی تھی ایک قاصد کی تھی۔ تم لوگ جو کرنا چاہتے تھے وہ کھلی بد عہدی تھی۔ اور غدو و بد عہدی میں خیر و فلاح کا کوئی پہلو

نہیں ہوتا۔ تمہاری بات کو مان کر اگر میں عروہ کو قتل کر دینا تو چند ساعتوں میں مکہ کا امن غارت ہو جاتا اور یہاں کھلی جنگ برپا ہو جاتی۔ یاد رکھو اگر تمام لوگ میری امارت پر متفق ہو جائیں اور صرف ایک آدمی مجھ پر اتفاق نہ کرے تو میں اس ایک آدمی سے بھی قتال نہ کروں گا۔

مسلمانوں کے خون کی حرمت کی اس سے پڑھ کر اور کیا شان ہو سکتی ہے۔ خدا ترانہ کا کس قدر اعلیٰ مقام اور فہم و بصیرت کا کتنا شاندار نمونہ ہے جو ان کی طرف سے

پیش کیا گیا تھا صاف معلوم ہوتا ہے کہ عظمتوں کے بلند ترین مینار سے کوئی جھانک رہا ہے۔

عبدالملک کا دباؤ

محمد بن الحنفیہ وقت کی اہم ترین شخصیت تھے اور مسلم معاشرے میں ان کو بڑا سیاسی مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلطنت اسلامیہ کی دو مختار قومیں اپنی امارت کو جائز اور اپنی سلطنت کی وسیع اور مضبوط، اور اپنے اقتدار کو پائیدار بنانے کے لیے ان کی گردن میں جلد سے جلد اپنی بیعت کا قلابہ ڈال دینے کے لیے کوشاں رہتے تھے اس کے لیے ان پر سختیاں بھی کی گئیں، قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں، نظر بند بھی کیا گیا۔ اور ملک میں مارے مارے پھرنے پر بھی مجبور کیا گیا۔ لیکن وہ اپنے اس موقف پر قائم رہے کہ تمام مسلمانوں کا جس پر اتفاق ہو جائے گا وہ اس کی بیعت کر لیں گے۔

عبداللہ ابن الزبیر ان کی سیاسی حیثیت سے جتنا خطر محسوس کرتے تھے، اتنا ہی بڑا خدشہ عبدالملک بن مروان بھی محسوس کرتے تھے۔ اس لیے ان سے صرف نظر کرنا ان دونوں کے لیے مشکل تھا۔ چنانچہ عروہ بن الزبیر نے جب اپنے بھائی سے اس بات کی سفارش کی کہ ان پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے اور ان کے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے بلکہ ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہاں جانا چاہیں جائیں۔ ساتھ ہی انھوں نے اس مشورہ وہی کے سلسلے میں یہ نکتہ بھی بیان کیا کہ اگر آپ ان سے آنے والے کی پابندی ہٹا دیں گے، تو

وہ یقیناً یہاں سے شام چلے جائیں گے جو عبد الملک بن مروان کے قبضہ میں ہے۔
عبد الملک ان پر اپنی بیعت کے لیے یقیناً دباؤ ڈالے گا اور جب تک وہ اس کی
بیعت نہ کر لیں گے ان کو ہرگز نہ چھوڑے گا اور محمد بن الحنفیہ اپنے موقف کے
مطابق اس کی بیعت نہ کرنے پر اس وقت تک اڑے رہیں گے جب تک تمام
لوگ اس کی بیعت نہیں کر لیتے۔ اور دونوں کے درمیان یہ ایسا وجہ
اختلاف ہوگا جو قید یا قتل ہی پر منتج ہوگا اور ہر دو صورتیں آپ کے لیے مفید
ہوں گی۔

اچھی پیشکش کا بڑا اثر

اپنے بھائی کے اس مشورے کو معقول سمجھ کر عبد اللہ بن الزبیر نے ان کے
معاملات میں مداخلت ترک کر دی۔ اور عبد الملک بن مروان جو
موقعہ کی تاک میں تھا۔ محمد بن الحنفیہ کے نام ایک ذاتی خط لکھا۔ جو ہر لحاظ
سے نرم، شائستہ اور لطف و کرم کے وعدوں سے بڑا ہوا تھا۔ اس نے ان کو
دعوت دی تھی کہ ابن الزبیر نے آپ کے ساتھ جس سختی اور عناد کا سلوک کیا
ہے وہ نہ صرف یہ کہ قرابت داری کے تعلق کے خلاف ہے بلکہ انسانیت، شرافت
اور احترام ذات کے بھی خلاف ہے۔ آپ نے ان کی بیعت سے جو
انکار کیا ہے یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ شام کا علاقہ حاضر ہے آپ یہاں
جہاں جائیں آپ ہم کو قرابت داری کا حق پہنچانے والا اور اپنے ساتھ جس سلوک
کرنے والا پائیں گے۔ عبد الملک بن مروان کی طرف سے یہ ایک

اچھی پیشکش تھی جس کے قبول کر لینے میں ان کو امن و عافیت کا سامان نظر آیا۔ چنانچہ وہ اپنے رفقاء کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ جب ایلم پہنچا تو یہاں کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی خوب خاطر تواضع کی بلکہ عزت و احترام کا قابل رشک مظاہرہ بھی کیا۔۔۔۔۔ یہ چیز ایسی نہ تھی کہ محسوس نہ کی جاتی۔ فوراً محسوس کی گئی اور ابروئے اقتدار پر شکنیں پڑ گئیں۔۔۔۔۔ چنانچہ اُوچی مجلسوں میں مشورے ہوئے۔۔۔۔۔ کہاں وہ لطف و کرم کا خطا اور کہا یہ فیصلہ کہ وہ یا تو عبدالملک بن مروان کی بیعت کریں یا یہ اس سرزمین کو چھوڑ کر واپس سرزمین حجاز چلے جائیں۔۔۔۔۔

نامہ بردار خلافت سے پیغام لایا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ امارت و خلافت کے معاملہ میں میرے اور عبداللہ بن الزبیر کے درمیان شدید اختلافات قائم ہیں۔۔۔۔۔ آپ صاحب عزت اور قابل احترام شخصیت ہیں۔ میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ میری بیعت کر لیں۔ اگر آپ میری بیعت کر لیتے ہیں تو قلمزم سے آئی ہوئی سوشتیاں مع سامان آپ کی نذر ہیں۔ نیز بیس لاکھ درہم بھی آپ کے لیے مخصوص کر دیئے گئے ہیں، جن میں سے پانچ لاکھ تو آپ کو فوراً پیش کر دیئے جائیں گے۔ باقی ۱۵ لاکھ کشتیوں اور ان پر لدے ہوئے سامان کے ساتھ آپ کو مل جائیں گے۔۔۔۔۔

یہ رقم اور سامان، آپ کی کفالت، اہل و عیال کے اخراجات، رفقاء کار اور مولیوں کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے آپ کو کافی ہوں گے۔۔۔۔۔ ورنہ بصورت دیگر آپ کو میری حدود سلطنت سے باہر چلے

جانا ہوگا۔۔۔۔۔ آپ جہاں چاہیں چلے جائیں آپ کو اختیار حاصل ہے
بہر حال میری مملکت میں نہیں رہ سکتے۔

محمد بن الحنفیہ نے اس خط کا جواب عبد الملک بن مروان کو دیا۔۔۔۔۔
وہ ان کے کردار کی سختگی اور موقف پر سختی سے قائم رہنے کی عادت و مزاج کو ظاہر
کرتا ہے، ساتھ ہی اس بات کی کھلی شہادت فراہم کرتا ہے کہ ان کے مزاج میں
کس قدر صلح و صفائی ہے۔ وہ نہ تو اُمتِ مسلمہ کے درمیان کوئی فساد کھڑا کرنا چاہتے
ہیں اور نہ اپنے بچے کچھے خاندان والوں کے لیے دوسرا واقعہ کر بلا پیدا ہونے
دینا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ جواب میں حمد و ثناء کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

۔۔۔۔۔ خلافت و امارت کے سلسلے میں میری کوئی ڈھکی چھپی رائے نہیں ہے،
اپنی اس رائے کا میں ایک سرفہ سے برملا اظہار کرتا آ رہا ہوں۔ اور جس کا ایک بار
پھر اعادہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر پوری اُمت مجھ پر متفق ہو جائے اور
اور صفِ اہل الزرقاء اتفاق نہ کریں۔ جب بھی میں ان سے اپنی امارت و خلافت
منزلے کے لیے جنگ نہیں کروں گا تو میری امارت اجتماعی اتفاق پر ہی
قائم ہو سکتی ہے۔

ہمارے ساتھ مدینہ میں جو کچھ پیش آیا اس سے بھاگ کر ہم مکہ چلے آئے۔
لیکن یہاں عبد اللہ ابن الزبیر نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔۔۔۔۔
انھوں نے دباؤ ڈالا کہ میں ان کی بیعت کر لوں۔ میں نے اس سے بھی یہی
بات کہی کہ جب تک تمام لوگ آپ کی خلافت پر متفق نہیں ہو جاتے ہیں
بیعت نہیں کروں گا۔۔۔۔۔ جب تمام مسلمانوں کا آپ پر اتفاق ہو جائے گا

میں بھی ان میں سے ایک ہوں گا۔۔۔۔۔ انھوں نے سختیاں کیں۔ پھر آپ نے مجھے خط لکھ کر مجھے اپنے علاقہ میں بلایا جب ہمس آگئے تو آپ نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا جس سے مجھے فی الحال انکار ہے۔۔۔۔۔ اب رہی یہ بات کہ آپ کی حدود مملکت سے باہر نکل جائیں۔۔۔۔۔ تو بس ہم انشاء اللہ یہاں سے نکل جائیں گے۔۔۔۔۔ مگر شرط یہ ہے کہ میرے ساتھیوں کو امن دیا جائے۔۔۔۔۔ عبد الملک نے یہ درخواست منظور کر لی۔۔۔۔۔ اور اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ طائف چلے گئے۔

موقف کے مطابق عمل

عبد الملک نے جب اپنے یہاں بلا کر ان سے وہی مطالبہ کیا اور عدم تعمیل کی صورت میں اپنی حدود و مملکت سے نکل جانے کا حکم صادر کیا تو اس موقع پر بھی وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، اور اپنے تمام لوگوں کی ہمراہی میں جن میں حضرت عبد اللہ بن عباس بھی تھے۔ طائف چلے آئے۔۔۔۔۔ یہاں حضرت ابن عباس کا انتقال ہو گیا اور اس طرح وہ اپنے بڑے اور ہمدرد سے محروم ہو گئے۔۔۔۔۔ ابھی وہ طائف ہی میں تھے کہ حجاج نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور ابن الزبیر کا محاصرہ کر لیا۔ اس موقع پر ابن الحنفیہ طائف سے چل کر شعب ابی طالب آگئے۔۔۔۔۔ یہاں حجاج نے ان کو آگھیرا۔ اور عبد الملک بن مروان کی بیعت کا مطالبہ کیا مگر انھوں نے اس سے بھی انکار کیا۔ اور اس کے ہاتھوں ستائے گئے پھر جب

عبداللہ بن الزبیر حجاج کے مقابلہ میں شہید ہو گئے اور خلافت کا دعویدار تنہا
عبدالملک بن مروان رہا تو انھوں نے اس کی بیعت کر لی
اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان ایک عرصہ سے قائم جنگ کا خاتمہ ہو گیا

ضروری اضافہ

محمد بن حنفیہ کے کارنامہ ہائے حیات بیان کرنے کے سلسلے میں مختار بن عبداللہ الثقفی
کا نام بار بار آیا اور اس کی ایک تحریک کا بھی ذکر آیا ہے، اس لیے ضروری معلوم
ہوتا ہے کہ مختار کے بارے میں بھی کچھ مختصر سی باتیں بیان کر دی جائیں
لیکن مختار اور اس کی دعوت کو پیش کرنے سے پہلے اس میں منظر کا بیان کر دینا
زیادہ ضروری ہے جس کی وجہ سے مختار بن عبداللہ الثقفی کو منظر عام پر آنے میں
آسانی ہوئی۔

مختار بن عبید الثقفی

۱۔ اس سلسلے میں انتہائی اختصار کے ساتھ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ
یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال کے وقت بلاد اسلامیہ میں
کم از کم تین ہستیاں ایسی ضرور موجود تھیں جو نہ صرف یہ کہ خلافت کی
خقدار سمجھی جاسکتی تھیں بلکہ اس مملکت کو صحیح طور پر علی منہاج خلافت
راشدہ چلا بھی سکتی تھیں اور جن پر مسلمانوں کا کامل اتفاق بھی ہو سکتا
تھا۔ ان میں ایک تو حضرت امام حسینؓ تھے دوسرے عبداللہ بن عمرؓ

اور عیسٰی بن عبد اللہ بن الزبیر تھے۔ لیکن حالات اور سخت و اتفاق سے ایسا نہ ہو سکا۔ اور خلافت کی باگ ڈور یزید ابن معاویہ کے ہاتھ میں چلی گئی۔ لیکن سخت و اتفاق کا یہ کھیل پوری ملت اسلامیہ کو بڑا ہی ہنگامہ ڈالا۔ یزید خود بھی اور دوسرے تمام ارباب حل و عقد اور صاحب فہم و فراست اس کو سمجھتے تھے کہ یہ لوگ یزید سے بہر حال بہتر ہیں۔ یزید بھی چونکہ اپنے مقابلے میں ان کی برتری کو سمجھتا تھا اس لیے اقتدار سمجھاتے ہی اس نے جو سب سے پہلے حکم اپنے عمال کو دیا وہ یہی تھا کہ وہ ان تینوں سے اس کے لیے جلد سے جلد بیعت لے لیں۔ امام حسینؑ نے بیعت سے انکار کر دیا اور سانحہ کربلا پیش آیا۔ عبد اللہ ابن الزبیر نے اس کی بیعت کا قلاوہ اپنی گردن میں ڈالنے سے انکار کیا اور برسرِ پیکار ہوئے۔ ملک کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا اور ایک سلطنت کے مالک بن گئے، بالآخر وہ بھی عبد الملک بن مروان کے زمانے میں حجاج کے ہاتھوں جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ البتہ عبد اللہ ابن عمرؓ کے انکار کو بے ضرر سمجھا گیا اور وہ بلا تعرض ہر دور میں اپنی زندگی گزارتے رہے عمال نے ان کو دق کیا، کئی مرتبہ وہ ستائے بھی گئے مگر سیاست سے علیحدہ رہنے کی وجہ سے بیعت کے لیے سختی سے مجبور نہیں کیے گئے۔ یزید کی ذات اور اس کی صفات چونکہ لوگوں کی نگاہ میں قابلِ اعتراض تھیں اس لیے امارت کے لیے اس کی نامزدگی اور انتخاب پر بھی ملک

میں ایک عام ناراضگی پائی جاتی تھی۔

اختلاف، اتفاق اور سنت نے ایک تازہ مملکت کو جس پر ابھی نصف صدی بھی نہیں گزر پائی تھی، بدامنی میں مبتلا کر دیا تھا اور اس کے خلاف اندرون ملک سازشوں کا وسیع جال سا بچھ گیا اور یہ کیفیت تقریباً بیس سال کے عرصہ تک قائم رہی۔

۲۔ سانحہ کربلا کے بعد ملک میں کم از کم بیس سال تک جو محرکہ ہائے

جنگ و قتال ہوتے رہے ان میں ابو بلاس ابن مرداس کی بغاوت سے لے کر عبداللہ ابن الزبیر کی متوازی حکومت کے قیام اور جنگ اقتدار تک بیسوں جنگیں ہوئیں، متعدد فتنے اُٹھے اور فساد و مرج وریا کی طرح بلاد اسلامیہ میں تلاطم پیدا کرتے رہے جن میں چند ایک قابل ذکر ہیں: ابو بلاس خارجی تحریک کا قائد تھا۔ اس نے اپنے گرد بھاری جمعیت

اکٹھی کر لی تھی۔ یہ ایک عرصہ تک اموی خلافت اور عبداللہ ابن الزبیر کی حکومت سے برسرِ پیکار رہا۔ اس کی بغاوت نے ملک میں بدامنی کی ایسی فضا پیدا کر دی کہ گھروں سے لوگوں کا نکلنا مشکل ہو گیا۔ متعدد مقامات پر جنگیں ہوئیں اور ان جنگوں میں ہزاروں افراد کام آئے۔ نجدہ بن عامر النخعی نے حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بیمار

میں اپنی حکومت قائم کر لی اور اس کو وسعت دینے کے لیے کئی جنگیں کیں۔ ان میں بے شمار آدمی ہلاک و تباہ ہوئے۔

۳۔ عبداللہ ابن حنظلہ غیل الملائکہ نے یزید کے خلاف مدینہ میں

علم بناوت بلند کیا اور ان کے ایک ساتھی نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ یزید ایک ایسا حکمران ہے جس کا کوئی دین ایمان نہیں ہے، وہ شراب پیتا ہے، طنبورہ بجاتا ہے، مغنی و مطرب اس کے پاس بیٹھے گاتے بجاتے رہتے ہیں، وہ کتوں سے کھیتا رہتا ہے اور رات میں بد معاش اس کے پاس جمع ہو کر غپ شب کیا کرتے ہیں۔ ہم تمہارے سامنے گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اسے خلافت کا سے علیحدہ کر دیا ہے، اس تقریر کی تائید کرتے ہوئے خود عبداللہ ابن حنظلہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے پاس آیا ہوں کہ اگر میرے ساتھ یہ لڑ کے نہ ہوتے تو اس کی بڑی صفات کی وجہ سے میں اس سے ضرور ”جہاد“ کرتا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو اس نے بلاشبہ ہماری عزت کی اور بڑے تکریم و احترام سے پیش آیا اور ہمارے دوسرے تمام ساتھیوں کو جن میں عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص، ابن مغیرہ مخزومی، منذر ابن زبیر اور دوسرے تمام لوگوں کی خاطر مدارات کی اور انعامات دیئے۔ لیکن اس کے اس تمام تر سلوک کے باوجود ہم اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور اس کے انعامات کو ہم نے محض اس لیے قبول کر لیا تاکہ اس سے اپنی خوراک اور ضروریات حاصل کر سکیں۔

یہ سن کر پورا مجمع یزید کے خلاف ہو گیا، اور تمام حاضرین نے یزید کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن حنظلہؓ سے بیعت کر لی اور ان کو اپنا والی بنا لیا۔ اور پھر یزید کی طرف سے مقرر کردہ

عالم مدینہ عثمان ابن محمد ابن ابی سفیان کو مدینہ سے نہ صرف یہ کہ نکال باہر کیا بلکہ مدینہ میں موجود تمام بنو اُمیہ اور ان کے موالی جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی ایک جگہ محصور کر دیا۔ اس صورت حال کی جب یزید کو اطلاع ہوئی تو اُس نے اس ہنگامے کو فرو کرنے اور صورت حال پر قابو پانے کے لیے شاہیوں پر مشتمل ایک فوجی دستہ مدینہ بھیجا۔ جہاں شدید جنگ ہوئی اور عبید اللہ ابن حنظلہؓ نے اپنے تمام بیٹوں کو اس جنگ میں قتل کرانے کے بعد خود بھی موت کا مزہ چکھ لیا۔ مسلمانوں کے درمیان لڑی جانی والی یہ جنگ جنگِ حرہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ ۱۳ھ میں ذی قعدہ کے مہینے میں ہوئی تھی۔

(۴) مدینہ کی اس بردباری کے بعد یزید کی فوج کے دوسرے سربراہ حسین ابن نمیر، عبداللہ ابن زبیر سے جنھوں نے مکہ میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ نمٹنے کے لیے زبردست فوج لے کر مکہ پہنچا۔ جہاں یزید کی موت تک طرفین برسرِ پیکار رہے، اس جنگ میں ایسے آتشیں اسلحہ بھی استعمال کیے گئے جس سے خازن کعبہ کے غلاف میں آگ لگ گئی اور غلاف کعبہ جل گیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور اُموی حکومت کے درمیان اس طرح کی متعدد جنگیں ہوئیں اور جنگوں کا یہ سلسلہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ۲۰ھ تک جاری رہا۔

۵۔ ابن زیاد جو یزید کی قوت و بازو تھا، وہ خود بھی ایک موقع پر حالات کے طمع میں گرفتار ہو کر شام میں بغاوت کر بیٹھا اور لوگوں سے اپنی بیعت

لینا شروع کر دی۔ لیکن قاتل حسینؑ ہونے کی وجہ سے چونکہ لوگ اس کے بہت خلاف تھے اس لیے بڑی فوجی قوت کے باوجود اس کا ساتھ نہ دے سکے اور اس طرح اس کی طالع آزمائی جہاں سے اُٹھی تھی وہیں پر بھسم ہو کر رہ گئی۔

۶۔ رے کے مشرکین جو مسلمانوں کے باجگذاڑتے مسلمانوں کو آپس کی جنگ میں اُلجھا دیکھ کر شیر ہو گئے اور خراج دینا بند کر دیا اور دوسری شرارتیں بھی کرنے لگے۔ امیر کوفہ نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک بڑا فوجی دستہ بھیجا لیکن سرکاری فوج شکست کھا گئی۔ دوسری مرتبہ اس سے بڑی فوج بھیجی گئی، گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں رے کا سردار فرخان الرازی مارا گیا اور علاقہ پر اُموی پھر یا پھر ہمرانے لگا۔

۷۔ زیادہ تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے اس لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہو گا کہ ان جنگوں اور خانہ بربادیوں کے علاوہ نیشاپور، مدائن، خراسان ہرات اور دوسرے علاقوں میں چھوٹی بڑی بناوٹیں اُبھرتی اور دیتی رہیں فتنے اُٹھتے اور ٹپتے رہے۔ ہر جگہ جنگیں ہوئیں۔ ہر موقع پر تلواریں چلیں اور ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں انسان موت کی نیند سوتے رہے۔ ہلک جنگی ہتھیاروں کی عدم تحقیق کے باوجود ایک ایک دن ایک ایک جنگ میں ایک ایک طرف کے آٹھ آٹھ اور دس دس ہزار آدمی مارے گئے۔

لکھت کی مہر

حالات کی تمام طرفیں دیکھیے، — ایک دوکر استثناء کر کے اگر دیکھا جائے تو ہر جنگ جنگ اقتدار تھی۔ لیکن زبان و بیان کے کمال سے ہر جنگ لکھت کی جنگ، اور حق کی جنگ کہلا رہی تھی اور معصوم عوام دشمنانے الہی کے حصول کے لیے اس میں شریک ہو رہے تھے۔ تمام جنگوں کی وجہ دراصل مرکزی کمزوری تھی اور مرکزی حکومت کے کمزور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مرکزی قیادت ایک ایسے شخص کے سپرد کر دی گئی تھی جس کو مسلمان دل سے پسند نہیں کرتے تھے۔ اور اس نے اپنے عدم شعور اور عدم تدبیر کی وجہ سے معرکہ کر بلا بپا کر کے عامۃ المسلمین کو کرب و بلا میں مبتلا کر دیا تھا۔ تفرقوں کی ایسی فضا میں فتنے اور فساد ہی سر اٹھا سکتے ہیں۔ سوائے انہوں نے سر اٹھائے۔ طالع آزمائے شخصیتیں ابھریں، حوصلہ مند لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، اور جس کو جتنا زیادہ سراقہ دار کی فضا پر محیط نظر آئے اس کے لیے مل سکے، امیدیں لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح ہر طرف بد امنی کا دورہ دورہ ہو گیا۔

ایک طرف تو اس طرح کی کھلی بغاوتیں مادی تھیں اور دوسری طرف خفیہ سازشیں بھی تیار کی جا رہی تھیں۔ اس سازش میں لوگوں کو یہ کہہ کر شامل کیا جا رہا تھا کہ ہم شہادت حسین کا بدلہ لیں گے — حالات کا یہی پس منظر تھا جس میں مختار بن عبید الثقفی منظر عام پر آیا۔

مختار کا ظہور

مختار بن عبید الشقی ایک انتہائی ذہین بے حد چالاک، بڑا بہادر، موصوفہ مند
 طالع آزماء، اچھا مقرر اور زیرک انسان تھا۔ حالات سے باخبر ہونے کی وجہ سے
 اس کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان ابن مرداس بنی امیہ بن نجہ الفزازی،
 عبداللہ بن سعد، عبداللہ ابن وال النبی، اور قاعد بن شراد بھلی جیسے ممتاز لوگ
 ایک ایسی الجھن بنا چکے ہیں جو نہ صرف یہ کہ قاتلان امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے
 کے آرزو مند ہیں بلکہ ملک پر قابض ہونے کا داعیہ بھی رکھتے ہیں۔ اس کے لیے
 وہ خفیہ تدبیریں بھی کر رہے ہیں اور اسلحے بھی جمع کر رہے ہیں اور جب ان کے
 پاس بھاری جمیعت اکٹھی ہو جائے گی۔ موقع پر خروج کرنے کا عزم صمیم بھی رکھتے
 ہیں۔ اس قدر سازگار ہو گئے کہ بالآخر ۶۴ھ کو مردان ابن
 الحکم کے دور حکومت میں ان لوگوں نے خروج کیا لیکن نتیجہ گرچہ ان کے حق
 میں تو بہتر نہ نکلا البتہ مختار کے لیے یہ صورت حال سازگار ہو گئی۔ مختار نے اپنے
 ہمنا اور اس ہزیمت خوردہ لوگوں کی جمیعت۔ اپنے گرد یہ کہہ کر جمع کر لی
 کہ یہ بزدل لوگ اتنا بڑا کام نہیں کر سکتے۔

مختار جو تمام حالات سے باخبر تھا اور موقع سے فائدہ اٹھانے کی
 تاک میں تھا۔ اور ماضی بھی اس کا گواہ تھا کہ وہ حضرت امام حسینؑ کا طرفدار تھا
 اور ان کی حمایت ہی کی وجہ سے جیل میں مجبوس بھی رہ سکا تھا، اور ان کی شہادت
 تک وہ مجبوس ہی رہا تھا۔ اس لیے مسئلہ میں جب وہ اپنے مشن پر

کوفہ پہنچا۔ اور آتے ہی اُس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ میں مہدی
یعنی محمد ابن الحنفیہ کی طرف سے وزیر اور امین ہو کر تمہاری طرف آیا ہوں اور
قاتلانِ امام حسین کا بدلہ لینے کا داعیہ لے کر اٹھا ہوں تو لوگ اس کے گرد جمع
ہونا شروع ہو گئے۔ اور جلد ہی ایک بڑی تعداد اس کو فراہم ہو گئی۔ پھر تمام
ضروری انتظامات کر لینے کے بعد اُس نے یہ طے کیا کہ ۴ اربع الاول بروز پنجشنبہ
خروج کے اول والی کوفہ کو گرفتار کر لیا جائے پھر تمام کوفہ پر قبضہ جایا جائے۔
لیکن حکومت کے بروقت چوکنا ہو جانے اور عملی اقدام کر لینے کی وجہ سے اس
بغاوت کا آغاز ایک دن پہلے ہی ہو گیا۔ مختار کے حامیوں اور سرکاری فوج
کے درمیان زبردست لڑائی ہوئی اور اس جنگ میں مختار کی فوج کے
سالار عبداللہ بن الاشتر کو کامیابی ہوئی۔ انھوں نے والی کوفہ کو گرفتار
کر کے کوفہ پر اپنی حکومت قائم کر لی۔

مختار کو کوفہ کے خزانہ سے نو کروڑ درہم ملے جس کو اُس نے تمام فوجیوں
میں تقسیم کر دیا۔ کوفہ کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد مختار نے
سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مختلف علاقوں میں اپنی فوجیں روانہ کیں۔ مثلاً
عبداللہ بن الحارث جو اشتر کے بھائی تھے کو سپہ سالار بنا کر ارمینیا بھیجا۔
عمر بن عطار کو آذربائیجان روانہ کیا۔ عبدالرحمن بن سعید بن قیس کو موصل
اسحاق بن مسعود کو مدائن، سعید بن حذیفہ بن ہماں کو حلوان اور دوسرے
کئی فوجی دستے دیگر علاقوں میں بھیجے۔

مختار کی فوج نے کئی بڑے معرکے سر کیے اور تھوڑے ہی عرصہ میں

۶۶ھ کو احاطہ کی جنگ میں کامیابی کے بعد اس نے کوفہ میں موجود تمام قاتلان حسین کو قتل کرا دیا۔ اس موقع پر مختار کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مختار نے کہا کہ قاتلان حسین کو تلاش کر کے میرے سامنے لاؤ۔ بخدا جب تک میں اس شہر اور زمین کو ناپاک اجسام سے پاک نہ کروں گا مجھے کھانا اور پینا بھی بھلا معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق دو روز دیک سے تقریباً وہ تمام لوگ یکے بعد دیگرے پکڑوا کر لائے گئے جن پر ذرہ بھر بھی شبہ تھا کہ وہ اس سانحہ میں کسی حیثیت سے بھی شریک تھے۔ قادیسیہ سے عبداللہ بن اسید، مالک بن النبیور اور حل بن مالک الحمارلی گرفتار کر کے لائے گئے اور ان کو تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ بنی سبیع سے زیاد بن مالک بنی عنتر سے عمران بن خالد اور ایک جگہ سے عبدالرحمن بن شکارہ اور عبداللہ بن قیس الخولانی گرفتار کر کے مختار کے پیش کیے گئے، ان سب کو سرباز قتل کر دیا گیا۔ اسی صورت سے عثمان بن خالد اور اسامہ بن سوط القاضی کو قتل کر کے ان دونوں کی لاشیں جلا کر خاکستر کر دی گئیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک تن سے جدا کرنے والے خولی بن یزید الاصبہی کو اس کے گھر میں اس کی بیوی کی مدد سے گرفتار کر کے لایا گیا اور اس کے تمام گھر والوں کے سامنے اس کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔ اور جب تک اس کی لاش جل کر یا کھ نہ بنی مختار وہاں ٹھہرا رہا۔ پھر عمرو بن سعد ابن ابی وقاص اور ان کے بیٹے کو قتل کرایا۔ پہلے باپ کو قتل کرایا اس کے بعد بیٹے کو اور دونوں کے سر کو یکجا پھنکوا دیا۔ غرضیکہ مختار سے جس قدر بھی ہو سکا قتل حسین میں

طوٹ لوگوں کے خون سے انتقام کی آگ بجھاتا رہا۔

مختار کے دست راست اور فوج کے سپہ سالار اعظم ابراہیم بن الاشتر اس عرصے میں مختلف شہروں اور علاقوں کو فتح کرتے رہے۔ کوفہ، بصرہ اور دوسرے بہت سے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد موصل کی طرف یہ فوج روانہ ہوئی اور یہاں مروانی فوج سے گھسان کی جنگ ہوئی جس میں عبید اللہ بن زیاد مارا گیا اور پورے عراق پر مختار کا قبضہ ہو گیا۔

اسی سال ۲۱ ذی الحجہ کو ابراہیم ابن اشتر کو مختار نے عبید اللہ ابن زیادہ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس جنگ کے لیے اس نے بڑا اہتمام کیا تھا۔ گرچہ جنگ سیبع سے فارغ ہوئے ابھی دو دن ہی ہوئے تھے تاہم مختار نے بھاری فوج جمع کر لی تھی، جس میں زبردست شہسوار، نسر دار، اہل بصیرت اور کار آزمودہ لوگ تھے، خود مختار اس فوج کے ساتھ بہت دُور تک گیا۔ جب وہ دیر عبد الرحمن ابن ام الحکم پر پہنچا تو اسے اپنے ہمنواؤں کی ایک بڑی تعداد استقبال کرتی ہوئی ملی، اس گروہ میں ایک اشریف رنگ کے نجر پر ایک کرسی رکھی ہوئی تھی جس کے گرد کھڑے ہو کر وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اسی مقام پر مختار نے ابراہیم بن اشتر کو چند ضروری ہدایات دیں اور ان کو آگے روانہ کر دیا۔

کرسی (یا سکینہ تابوت)

یہ کرسی کیسا ہے اور کیا نہیں ہے؟ اس کی تفصیلات میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ تاہم خود ابراہیم بن الاشر اس کرسی کے متعلق کہتے ہیں کہ جب میں مختار بن عبید سے رخصت ہو کر آگے بڑھا اور کرسی والوں کے پاس پہنچا جو بیٹھے ہوئے اس کے وسیلے سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا میں مانگ رہے تھے۔۔۔ مجھے بہت کراہت اور ناگواری معلوم ہوئی۔ اور ہم نے کہا یا اللہ تو ہم کو ہمارے سفہاء الناس یعنی احمقوں کی حماقتوں پر نہ پکڑے ان کے ان اعمال کا ذمہ دار ہم کو نہ ٹھہرا اور ان کی وجہ سے ہماری گرفت نہ کرے یہ بنو اسرائیل کی سنت ہے، خدا کی قسم یہ صریح گمراہی کی بات ہے۔ یہ سن کر کرسی والے یہاں سے چلے گئے اور ہم نے اپنا راستہ لیا

اس کرسی کے متعلق اعشیٰ ہمدانی کا شعر ہے

”میں گواہ ہوں کہ تم سب سبائی مذہب کے ہو۔ اور اے شرک کے چوکیدارو میں تم سے خوب واقف ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوت سکینہ نہیں ہے گو کہ اس پر کئی کئی غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور گو کہ شام اور خسارف اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں“

متوکل اللہی کا قول ہے:

”ان لوگوں کی آنکھیں اس کرسی کے گرد سرخ رہتی ہیں۔ حالانکہ

وہ آنکھیں تکی بھی اور قلندر انگیز ہیں۔

کرسی کی حقیقت

اپنے گرد لوگوں کو جمع رکھنے اور اپنے مقابل فریق سے جی کھول کر لوگوں کو لڑانے کے لیے مختار نے جہاں محمد بن حنفیہ کا نام استعمال کیا وہاں ایک شاطرانہ چال یہ چلی کہ ایک معمولی سی کرسی کے متعلق یہ خبر پھیلا دی کہ یہ وہ کرسی ہے جس پر حضرت علیؓ بیٹھا کرتے تھے اور اس کرسی میں بڑی بڑی تاثیریں اس کے وسیلے سے دعا بھی سنی جاتی ہیں اور جنگوں میں کامیابی حاصل ہوتی ہے یہ کرسی جس کے پاس ہوتی ہے حق اُس کے پاس ہوتا ہے۔

یہ کرسی مختار کو جنھوں نے فراہم کی ان کا نام طفیل بن جعدہ بن ہیرہ ہے۔ اور طفیل حضرت اُمّ ہانی ہمیشہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن مختار نے ہم سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت علیؓ جس کرسی پر بیٹھا کرتے تھے، وہ کرسی تمھارے پاس ہے۔ تم وہ کرسی مجھے لا کر دو۔ میرے پاس چونکہ وہ کرسی نہیں تھی اس لیے میں نے انکار کر دیا۔ مختار نے کہا، مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ تم تلاش کر کے کہیں سے وہ کرسی لا کر مجھے دو۔ وہ کہتے ہیں کہ جس زمانے میں مختار نے کرسی کی مجھ سے فرمائش کی تھی اس وقت میں سخت بد حال اور مالی پریشانیوں میں مبتلا تھا۔ اتفاق کی بات کہ مختار کی فرمائش کیے ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ حسن اتفاق سے میں نے اپنے ایک ہمسایہ روغن فروش کے یہاں

ایک کرسی دیکھی جس پر تیل کا گہرا میل جما ہوا تھا۔ اس کرسی کو دیکھ کر مجھے مختار کی فرمائش یاد آگئی اور میں نے فوراً ایک منصوبہ بنایا اور مختار کے پاس پہنچ گیا اور اُس سے جا کر کہا کہ وہ کرسی مل گئی ہے ابو جعدہ (طفیل کے دادا) اُس پر بیٹھا کرتے تھے اور اس کرسی پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اثر ہے۔ یہ سن کر مختار خوشی سے اُچھل پڑا اور کہا کہ اس کرسی کو جلد سے جلد میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ میں نے گہرا کر پہلے ہمسایہ سے کرسی حاصل کی اور اس کو خوب دھو کر ایسا صاف کر دیا کہ کی لکڑی صاف نظر آنے لگی۔ پھر غلاف چمڑھا کر اس پر خوب اچھی طرح خوشبو مل دیا اور مختار کے پاس لے آیا۔ اُس نے یہ کرسی لے لی اور مجھے بارہ ہزار درہم بطور انعام دیا۔

مختار نے اس کے بعد لوگوں کو جمع کرنے کے لیے تکبیر اقامت کہی، جس پر لوگ جمع ہو گئے، جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو مختار کھڑا ہوا اور اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ اقوام میں کوئی بات ایسی نہیں ہوئی جو آج کل اس اُمت میں بھی موجود نہ ہو۔ تو لوگوں کو جس طرح بنو اسرائیل کے پاس تابوت تھا اسی طرح ہمارے پاس یہ کرسی ہے۔ اس کے بعد اس نے اسے کھول دیا۔ ابن سباء کے تبعین (سبائی) فوراً کھڑے ہو گئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

طفیل بن جعدہ بن ہیرہ کہتے ہیں کہ اس کرسی نے لوگوں کو سخت فتنے میں مبتلا کر دیا۔ مختار نے جب ابن زیاد سے براہ راست جنگ کے

یہ اپنی فوج بھیجی تو ایک خچر پر اس کو بھی لا کر فوج کے ساتھ کر دیا۔
 اس جنگ میں مختار کی فوج کو زبردست کامیابی ہوئی۔ لوگ اس کرسی
 کو مقدس اور بابرکت سمجھ کر اس کے سامنے میں ابن زیاد کی فوج سے جی کھول
 کر پڑے تھے اور اہل شام کو بڑی طرح مارا تھا۔ جنگ میں اس
 کامیابی نے مختار کے ساتھیوں کے عقیدے کو اور خراب کر دیا اور وہ اس
 کرسی کی عظمت اور برکت کے بارے میں ان کے خیالات و عقائد کفر کی
 حد تک پہنچ گئے۔ طفیل ابن جعدہ کہتے ہیں یہ دیکھ کر مجھے سخت ندامت
 ہوئی اور میں اپنے گمے پر پچھتانے لگا اور تلافی ثانات کے لیے میں خود اور
 دوسرے لوگوں نے اس کرسی کی مذمت شروع کر دی۔ لیکن مختار تو اس
 سے فائدہ اٹھا چکا تھا اور بہت سے دل کفر کے اندھیروں میں ڈوب
 چکے تھے۔

ابن زیاد کا قتل

ابراہیم ابن اشتر کو ذ سے بڑی تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے اور مختار
 کی ہدایت کے مطابق وہ ابن زیاد کے عراق میں داخل ہونے سے پہلے
 اس کی سرحد پر جانا چاہتے تھے لیکن ایسا تو نہ ہو سکا۔ ابن زیاد پہلے موصل پہنچ
 گیا۔ مختلف مقامات پر متعدد جنگیں ہوئیں۔ آخر میں نہر خازر کے کنارے
 گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں ابن زیاد مارا گیا۔ پھر فاتح فوج نے
 نصیبین، سنجارہ، دارا اور سرزمین جزیرہ کے تمام علاقوں کو اپنے ماتحت

کر لیا۔

ابن زیاد کا سر اور سانپ

عبداللہ ابن اشتر نے ابن زیاد اور اس جنگ میں مارے جانے والے دوسرے روؤں کے سروں کو مختار کے پاس بھیج دیا۔ مختار نے ان سروں کو قصر میں ایک جگہ ڈالوا دیا۔ اس سلسلے میں مشہور واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے اور جامع ترمذی میں بھی اس کا ذکر آیا ہے کہ جب ان سروں کو قصر میں ڈالا گیا تو کسی طرف سے ایک پتلا سا سانپ آیا جس نے گھوم گھوم کر سروں کو دیکھا پھر عبداللہ بن زیاد کے منہ میں داخل ہو کر ناک کے نتھنے سے، اور ناک سے داخل ہو کر منہ سے نکلا اور کئی مرتبہ ایسا ہی کیا۔

مختار کا قتل

کہا جاتا ہے کہ کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختار کی فوج نے کوفہ کو بڑی طرح پامال کر دیا۔ جن کو پایا قتل کر دیا۔ کسی کی کوئی دلدور فریاد نہ سنی۔ آہ و فغاں پر کان نہ دھرا۔ تو کوفہ کے بہت سے لوگ بھاگ کر بصرہ پہنچے۔ بھائی مصعب ابن زبیر تھے۔ کوفہ سے بھاگ کر آنے والوں میں شیبث بن ربیع، محمد بن اشعث اور دوسرے متعدد سربراہان و شاخص تھے۔ انھوں نے مصعب بن زبیر سے اپنی ساری داستانِ غم سنائی اور کہا کہ ہمارے ہی غلام اور آزاد غلام ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ اب آپ ہماری اعانت کیجئے اور

ہمارے ساتھ مختار پر فوج کشی کیجئے۔

مصعب نے غور و فکر کے بعد مختار کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ پھر اپنے ساتھ ایک بڑی جماعت کو جمع کر کے کوفہ پر حملہ کرنے کے لیے اس کو آمادہ کیا۔ لیکن اس موقع پر محمد بن اشعث نے یہ رائے دی کہ مہلب کو پورے ساز و سامان کے ساتھ بلایا جائے۔ مہلب مصعب کی طرف سے اس وقت فارس کے گورنر تھے، یہ رائے معقول قرار دی گئی اور کوفہ پر حملہ کے لیے مہلب کا انتظار کیا گیا۔ مہلب ایک زبردست جمعیت، بہت سے روپے اور ساز و سامان کے ساتھ چند دنوں کے اندر بصرہ پہنچ گئے۔ اور پھر پوری جمعیت کے ساتھ کوفہ پر حملہ کے لیے بصرہ سے روانہ ہوئے۔

ادھر مختار کو جب اس حملہ کی اطلاع ملی تو اس نے بھی تیاریاں کیں اور احمد بن شعیب کی کمان میں پہلا دستہ کوفہ سے آگے روانہ کیا۔ ہزار پر طرفین کا مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں ابن شعیب کی بری طرح پامال ہوئی اور خود ابن شعیب بھی مارا گیا۔ ابن شعیب کو شکست اور اس کی فوج کے تمام لوگوں کو قتل کرنے کے بعد مصعب بن زبیر مختار کے لیے آگے بڑھے اور کوفہ پر حملہ آور ہونے کے لیے برق رفتاری سے روانہ ہوئے، مختار کو جب اس شعیب کی ہلاکت اور فوج کی بربادی کا علم ہوا تو وہ فوراً مصعب سے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا اور کوفہ کے آگے بڑھتا ہوا امروہہ کے مقام پر پہنچا تو اس کی مصعب بن زبیر کی فوج سے مدد بھیڑ ہو گئی۔ یہاں کئی دنوں تک زبردست جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ میں مصعب بن زبیر کے کئی نامور لوگ جن میں محمد اشعث شامل ہیں

مارے گئے اور مختار اپنی جمیعت کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ اور اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ کسی وقت ایک دستہ لے کر نکلتا اچانک شب خوں مارتا یا حملہ کرتا اور پھر قلعہ میں محصور ہو جاتا۔ لیکن یہ صورت حال اس کے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں رہی کیونکہ مختار کے ساتھ تحفوری سی تعداد کو قلعہ میں محصور دیکھ کر اس کے ساتھیوں میں کمزوری اور بزدلی آتی گئی اور وہ رفتہ رفتہ چھپ چھپا کر قلعہ سے باہر نکل بھاگتے۔ مختار محاصرے کی طوالت اور اپنے ساتھیوں کی بزدلی سے جب پریشان ہو گیا تو اس نے ایک دن اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ جس قدر محاصرہ طویل ہوگا تمہاری طاقت گھٹتی جائے گی اس لیے بہتر یہ ہے کہ میرے ساتھ کھلے میدان میں آکر دشمنوں سے ایک فیصلہ کن لڑائی لڑ لو تا کہ عزت سے ہم اپنی جانیں بچا دیں۔ اگر تم لوگ بہادری سے لڑے تو مجھے اب بھی اپنی فتح کی اُمید ہے، مختار کے ساتھیوں نے اس کی بات کو قبول نہیں کیا۔ وہ سخت خوفزدہ تھے اور فرار کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں پر بزدلی کے یہ آثار دیکھ کر اپنا آخری فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم میں نہ تو کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کروں گا اور نہ خود کو دشمنوں کے سپرد کروں گا۔ میں قلعہ سے باہر نکل کر دشمن سے آخری جنگ کروں گا۔

پتے کی بات

مختار نے اپنے ساتھیوں کو اپنا یہ فیصلہ سنانے کے بعد اپنی بیوی کے

پاس ایک قاصد بھیجا، اس نے بہت سی خوشبو بھیج دی۔ مختار نے ایک دن صبح کے وقت غسل کیا، اپنے سر اور وارٹھی میں خوشبو لگائی اور کل انیس جاں نثاروں کے ساتھ جن میں سائب بن مالک الاشعری بھی تھا قلعہ سے نکلا۔

جب مختار قلعے سے نکلا تو سائب کی طرف متوجہ ہو کر بڑے ہی پتے کی بات کہی اور حقیقت میں اس کے یہی آخری چند جملے اس زمانے کی تاریخ کا نچوڑ ہیں۔۔۔۔۔ ان چند قیمتی جملوں کے آئینے میں اس وقت کی تمام برسرِ پیکار طاقتوں، شخصیتوں اور صاحبِ عزم و حوصلہ لوگوں کی تصویریں دیکھی جاسکتی ہیں اور خود مختار کو اہل بیت کے ساتھ جو اخلاص تھا اس کو سمجھا جاسکتا ہے۔

مختار نے سائب کو مخاطب کر کے کہا:

”سنو! اس جنگ میں اللہ کے ارادے کو شامل نہ کرو، ہر شخص اپنے حوصلے اور عزم کے مطابق کام کرتا ہے، نتائج کبھی موافق نکلتے ہیں کبھی ناموافق۔ میں نے بھی اپنے عزم اور حوصلے کے مطابق کام کیے بہت سے نتائج جدوجہد کے موافق کھلے اور کچھ ناموافق بھی نکل سکتے ہیں۔۔۔۔۔ سائب تم بالکل بے وقوف ہو۔۔۔۔۔ میں نے سارے کھیل عزم و حوصلہ کے کھیل کھیلے ہیں۔ کیونکہ میں بھی عرب ہوں۔۔۔۔۔ جب میں نے دیکھا کہ ابنِ زبیر نے حجاز پر قبضہ جمار کھا ہے۔ نجدہ نے یامہ کو زیرِ نگیں کر لیا ہے اور مروان نے شام پر اپنا تسلط جما لیا ہے تو میں بھی

بحیثیت عرب ہونے کے ان سے کسی طرح کم نہ تھا اس لیے جن علاقوں پر ہمارا قابو چلا ان پر ہم نے اپنی فتح و کامرانی کا جھنڈا لہرایا۔ یہ کوئی قابلِ گرفت بات نہیں ہے، کیونکہ میں بھی انہی کے مثل تھا، بلکہ میری حیثیت ان سے کچھ ممتاز ہی رہی ہے۔ کیونکہ جب اہل بیت رسول کے خون کا بدلہ لینے کی طرف سے عربوں نے خوابِ سرگوش کی سی بے پرواہی برتی تو میں نے اس فرض کو بھی انجام دیا، اور جو لوگ اہل بیت کے قتل میں شریک تھے انھیں ان کے کیفر و کردار کو پہنچایا۔

یہ کہہ کر مختار آگے بڑھا اور دشمنوں سے کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس چلا آؤں تو کیا تم مجھے امان دو گے؟ مصعب کے ساتھیوں نے کہا کہ صرف اس شرط پر کہ تمہارا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔

مختار نے کہا کہ میں اپنی قسمت کی باگ کبھی بھی تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گا یہ کہا اور شمشیر زنی کرتا ہوا مارا گیا۔

تاریخ ساز کی شخصیت

تاریخ ہمیشہ اپنا فیصلہ آپ کرتی ہے۔۔۔ وہ جب اپنا فیصلہ دے دیتی ہے، تب لوگ نتائج کی تاویلات کرنے لگ جاتے ہیں اور عمل اور پاداش عمل کے اسباب و عوامل کو ڈھونڈنے کی کوششیں کرتے اور مضمرات تلاش کرتے رہتے ہیں۔ تنقیص کے پہلو نکالتے اور تائید کے انبار لگاتے ہیں۔

_____ محمد بن الحنفیہ نے تاریخ میں ایک باب کا اضافہ کیا ہے۔

ان کی تاریخ حیات کو بعض لوگ امن پسندی کی تاریخ اور صلح کا پیغام سمجھتے ہیں، بعض لوگ اسے کم ہمتی اور حالات سے مایوسی کی تاریخ کہتے ہیں۔ لیکن تاریخی حقائق جس بات کی نشان دہی کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ تاریخ نہیں بلکہ تاریخ ساز شخصیت تھی۔۔۔ وہ طالع آزما نہیں بلکہ صبر آزما جوہر انسانیت تھے۔۔۔ وہ دورانِ دلش بھی تھے اور معاملہ فہم بھی۔

وہ اسلام کے مطالبات کو بھی جانتے تھے اور قومی مزاج کا اندر جو بگاڑ پیدا ہو چکا تھا اس پر بھی ان کی نگاہ تھی۔۔۔ وہ اپنے حق کو اگر پہچانتے تھے تو حق تلفیوں پر کمر بستہ لوگوں کے ذہنی افنا و سے

بھی واقف تھے۔۔۔۔۔ وہ اسباب برنگاہ کم مسبب الاسباب پر نگاہ زیادہ رکھتے تھے، ان کی توقعات لوگوں سے قائم نہیں تھیں بلکہ تمام لوگوں کے رب حقیقی کے ساتھ تھیں۔۔۔۔۔ شہادت حسین کے بعد خاندان نبوت سے قریب تر ہونے کی وجہ سے وہ خلافت کا اصلی حق دار اپنے کو سمجھتے تھے۔ تاہم وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے نہ تو خون کی ندیاں پار کرنا پسند کرتے تھے اور نہ فساد بین المسلمین کی بڑھتی ہوئی آگ کو مزید دھکانا ان کو گوارا تھا۔۔۔۔۔

وہ یہ تو چاہتے تھے کہ ان کے خاندان کی بربادی کے ذمہ دار پکڑے اور کیفر کردار کو پہنچائے جائیں۔ لیکن ان کی یہ خواہش خدا ترسی کے محاصرے سے نکلنے کی جرأت اپنے اندر نہیں رکھتی تھی۔۔۔۔۔ مختار ان کے نام پر جو کچھ کر رہا تھا ان کو یقیناً پسند نہیں تھا۔ لیکن مختار سے اعلان برأت کر کے داؤ پر لگی ہوئی بازی کو بساط سیاست پر شہادت دینے کے بھی وہ قائل نہ تھے کیونکہ دو قوتوں کی کشاکش میں اگر تیسری قوت کو وہ اپنی ڈھال نہ بناتے تو دو چکیوں کے پاٹ میں پڑے ہوئے دانے کی طرح پس جاتے، کسی شخص کے سخت موقف کی پشت پر اگر قوت نہ ہو تو پھر اس کے لیے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔ عزت کی موت یا ذلت و رسوائی کی زندگی۔۔۔۔۔ موت کو زندگی پر ہر حال میں ترجیح دینا غلط ہے۔

مظلومیت کی بے غیرتی ظالم کے ظلم سے بھی زیادہ بُری شے ہوتی ہے

ابن الحنفیہ کی دوراندیشی

حضرت امیر معاویہؓ انتقال فرما گئے۔۔۔۔۔ اور عنان حکومت یزید کے ہاتھ میں آگئی۔۔۔۔۔ یزید اپنے باپ کا نام و خلیفہ تھا۔ باپ کے بعد بیٹے میں خلافت کی منتقلی مسلمانوں کے لیے ایک انوکھی چیز اور ایک نیا تجربہ تھا۔ اس لیے اتفاق اور یک جہتی کی وہ روح بھی مفقود تھی جو ایک دینی سربراہ مملکت کے انتخاب کے وقت ہونی چاہیے تھی۔۔۔۔۔

اور ملک کے اندر کئی ہستیاں ایسی موجود تھیں جو اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس سے بہتر، اپنے علم و تقویٰ کے اعتبار سے بھی اس سے اعلیٰ و ارفع اور اپنے قسم و تدبیر کے لحاظ سے بھی ممتاز و ممتاز تھیں۔ نیز اپنی ذاتی شخصیت اور مقبولیت کے لحاظ سے بھی اہمیت کی حامل اور اپنے کردار اور خصائل کے اعتبار سے بھی ان کو اچھی شہرت حاصل تھی۔۔۔۔۔ ان میں سرفہرست حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابن زبیرؓ کے نام ہیں۔ جو لوگ مدینہ میں مقیم تھے، اور یہاں کے گورنر ولیدؓ عتبہ ابن ابی سفیانؓ تھے۔۔۔۔۔ یزید کو ان کی طرف سے پورا خدشہ تھا اس لیے اس نے فوری طور پر اسی مسئلہ کی طرف توجہ دی اور مدینہ کے گورنر ولید کو سب سے پہلے ایک خط لکھا جس میں حضرت امیر معاویہؓ کے رحلت فرما جانے کی اطلاع دی اور اس سے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا خط لکھا جس میں یہ ہدایت تھی کہ حسینؓ بن علیؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور ابن زبیرؓ کو جکڑ لو۔ اور

آتے ہیں۔۔۔۔۔ اور خود وہ دونوں نئی صورتِ حال پر مشورہ کرتے

لگے، اُن کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور یزید کی بیعت کا مسئلہ درپیش ہے اس لیے محتاط قدم اٹھانا چاہیے، ابن زبیر تو اس بات ہی کے مخالف تھے کہ ولید کے پاس جایا جائے۔ چنانچہ وہ تو مسجد سے اُٹھ کر اپنے گھر چلے اور اپنے حامیوں کو اکٹھا کر کے گھر میں بیٹھ رہے۔ ————— البتہ امام حسینؓ پوری طرح تیار ہو کر گئے اور اپنے ساتھ اپنے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد لے کر گئے اور ان کو ہدایت کر دی کہ تم سب باہر ہی رہنا۔ اگر میں بلاؤں تو فوراً چلے آنا یا یہ کہ میں زور سے بولوں تب داخل ہو جانا۔ ————— اس ہدایت کے بعد وہ ولید کے پاس پہنچے۔ ولید نے معمولی سی رسمی گفتگو کے بعد ان کو یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی۔ ————— انتقال کی خبر پر انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور یزید کی بیعت سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھ جیسے آدمی اس طرح خفیہ طور پر بیعت نہیں کیا کرتے۔ ————— اور نہ چھپ چھپا کر مجھ جیسے آدمی کو سزا دی جاسکتی ہے۔ ————— آپ سبک میں آئیں۔ لوگوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دیں تب یہ بات ٹھیک ہوگی۔ —————

ولید جو صلح پسند مزاج رکھتا تھا۔ یہ سن کر کہا کہ اچھا آپ جائیں۔ ————— لیکن مروان جو اس وقت وہیں بیٹھا تھا کہنے لگا کہ اگر بیعت کیے بغیر اس وقت یہ یہاں سے چلے گئے تو آپ پھر ان پر قابو نہ پاسکیں گے، آپ کو پھر ایسا وقت اس وقت تک نہ ملے گا جب تک بڑی خونریزی نہ ہو جائے۔ میری رائے ہے کہ آپ ان کو ابھی قید کر لیجئے۔ حالتِ قید میں وہ بیعت کر لیں تو رہا کر دیجئے

ورنہ قتل کر دیجیے۔

حضرت امام حسینؑ مروان کی یہ بات سُن کر ہنسنے لگے اور اس کو برا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلے آئے۔

حالات روز بروز سنگین تر ہوتے جا رہے تھے۔ ولید کی طرف سے برابر دھاؤں بڑھ رہا تھا۔ تنگ آ کر حضرت امام حسینؑ نے ایک شب مدینہ کو خالی کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ایک شب کو اپنے بیٹوں، بھتیجیوں، اور تمام اہل بیت کو ہمراہ لے کر چل کھڑے ہوئے۔ صرف یہی محمد بن الحنفیہ ان کے ساتھ نہ گئے اور بوقت رخصت ان سے جو باتیں کہیں، اس سے اُن کی فہم و بصیرت اور تدبیر و دور اندیشی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

بھائی! آپ سے زیادہ مجھے نہ کوئی پیارا ہے اور نہ عزیز۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کا میں آپ سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ آپ کو میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ یزید کی بیعت نہ کریں۔ اور تمام مملکت اسلامیہ میں گشت لگاتے رہے ہیں اور لوگوں کو اپنے لیے دعوت دیں تاکہ نہ ایک جگہ آپ رہیں اور نہ ہی یزید کا ہاتھ آپ پر پڑے۔ آپ اپنے آدمیوں کو بلاؤ و انصار ہیں روانہ کر دیں۔ اگر عام مسلمان آپ کی بیعت کر لیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی کی بات ہوگی۔ آپ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں گے۔ اور اگر لوگ آپ سے اختلاف کریں گے تو آپ کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ نقصان ان کا ہوگا۔ وہ آپ کے سوا جس کا بھی انتخاب کریں۔ وہ خونریز

بھی ہوگا اور بد کردار بھی ہوگا۔ تاہم میرا خیال ہے کہ لوگ آپ سے
 اختلاف کریں گے اور خونریز معرکہ ہوگا۔ میری رائے یہ ہے کہ فی الحال
 آپ مکہ جایئے اور وہاں رہ کر لوگوں کا رنگ و روپ، چال ڈھال اور انداز
 فکر و عمل دیکھئے۔ اگر حالات اطمینان بخش نظر آئیں تو وہاں مستقل قیام کر
 لیجئے اور حالات اگر سازگار نظر آئیں تو پھر بیت کے میدانوں اور پہاڑوں
 کی چوٹیوں اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک علاقے سے دوسرے
 علاقے میں منتقل ہوتے رہیں۔ تاآنکہ آپ کے بارے میں لوگوں کی
 رائیں واضح ہو کر سامنے آجائیں۔ رائے عامہ ہموار کرنے کی
 بہترین صورت یہی ہے کہ آپ کے اندر عزم، عمل اور ہر قسم کی صورت
 حال کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہو۔ ماضی کی تاریخ پر صرف نگاہ
 رکھنا صحیح نہیں ہے۔ مستقبل کے حوصلے پر حالات میں تبدیلیاں آجایا کرتی
 ہیں۔ امام حسینؑ نے ان کی رائے کو پسند کرتے ہوئے مکہ
 کا عزم کیا اور شہر میں داخل ہوئے تو حالات تیزی سے پلٹا کھانے لگے
 اور جنگ و قتال کا وہ خطرہ جس کی طرف محمد بن الحنفیہ نے اشارہ
 کیا تھا پیش آ ہی گیا۔

بے خوف زندگی

محمد بن الحنفیہ جس قدر صلح جو اور امن پسند تھے اسی قدر بے خوف اور نڈر
 بھی تھے۔ زندگی میں پیش آنے والے ہر کٹھن مرحلہ کو صبر و تحمل و توکل

اور بے خوفی کے ساتھ طے کر جاتے ہیں۔ سر پر ناپتھی ہوئی سنگی تلوار ہو یا
 لطف و عنایات کی بارشیں ہوں۔۔۔ ہر ایک کا مقابلہ وہ اپنے انھیں
 جو ہر ذاتی سے کیا کرتے تھے۔۔۔

حجاج سے ان کا براہ راست واسطہ ہے وہ فاتح ابن زبیر ہے۔ عبد الملک
 بن مروان نے اس بے بہا خدمات کے صلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سمیت
 وسیع تر علاقے کے سپاہ و سفید کا اس کو مالک بنا دیا ہے۔ اور یہ وہ حجاج ہے
 جس کو خلق خدا کا ناحق خون بہانے کا چسکا لگا ہوا ہے اور ظلم و زیادتی اس کی
 عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ جس کے ہاتھوں صحابہ کی عرمتیں بھی مجروح ہیں جو مکہ اور
 مدینہ فتح کرنے کے بعد، دو ماہ تک مدینہ میں صرف اس لیے قیام پذیر رہا تا کہ
 وہاں کے لوگوں کو ایذا میں پہنچائے۔ جس نے یہاں اصحاب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت جابر بن عبد اللہ، انس بن مالک اور اہل
 بن سعد جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبہ صحابہ کرام کو محض ذلیل کرنے کے لیے
 ان ہاتھوں پر اسی طرح سیسے کی مہریں لگوائیں جس طرح ذبیہوں کے لگائی
 جاتی تھیں۔۔۔ اور جس نے مدینہ سے واپسی کے وقت یہ کہا تھا کہ
 خدا کا شکر ہے جس نے مجھے ایک بدبودار جگہ سے نکالا۔ جس کے
 باشندے بدتر اور امیر المومنین کو دھوکہ دینے والے اور خدا کی نعمت کی
 وجہ سے ان سے حسد کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ان
 کے متعلق امیر المومنین کے خط نہ آتے تو میں اس شہر کو جو ف حمار کی
 طرح تباہ کر دیا۔۔۔ اور اسی طرح کی دوسری بیہودہ باتیں کہی تھیں

_____ اسی حجاج نے محمد الحنفیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ عبد الملک کی بیعت کر لیں۔ _____ انھوں نے اس کو صاف صاف جواب دے دیا کہ میں تمہارے ہاتھ پر عبد الملک کے لیے ہرگز بیعت نہیں کروں گا۔ میں نے عبد الملک کو اس بارے میں خط لکھا ہے جواب آنے پر اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ دریں اثنا حجاج کے پاس عبد الملک کا پروانہ آیا کہ تم ابن الحنفیہ کے معاملے میں دخل نہ دو۔ تم کو ان پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ حجاج نے اس خط کے بعد پھر ابن الحنفیہ کو طلب کیا اور دھمکی دی کہ گریہ آج مجھے تم پر اختیار حاصل نہیں ہے، اہم اللہ تعالیٰ سے مجھے اُمید ہے کہ ایک دن مجھے تم پر قابو حاصل ہو جائے گا، اور تم میرے اختیار میں ہو گے۔ _____ پھر دیکھنا کہ میں تمہاری کیسی خبر لیتا ہوں اور تمہارا کس طرح بھر کس نکالتا ہوں۔ _____

ابن الحنفیہ اس دھمکی کے جواب میں جوابات بڑے اطمینان اور پوری بیخوشی کے ساتھ کہی وہ یہ کہتی کہ اے اپنی جان کے دشمن، تو جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ تجھے کبھی وہ موقع فراہم ہی نہیں کریں گے۔ _____ اللہ تعالیٰ کے لیے روزانہ تین سو ساٹھ لکھتے ہیں۔ _____ مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنے بعض لمحے مجھے عطا کر دے گا اور تجھے مجھ پر قابو اور اختیار ہرگز نہ دے گا۔ _____

اور خدا کی شان کہ حجاج کو ابن الحنفیہ پر کبھی کوئی اختیار حاصل نہ ہو سکا بلکہ انھوں نے جب عبد الملک کی بیعت کر لی تو عبد الملک نے ان کو نہ صرف یہ کہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس کیا بلکہ بہت سے تحفے تالیف بھی دیئے۔ _____ اور ساتھ ہی حجاج کو جو مدینہ کا گورنر تھا ہدایت بھی کہ

تم محمد بن الحنفیہ سے جا کر ملو، اور ان کو تم سے جو شکایتیں ہیں اس کو رفع کرو۔
 حجاج ان کے حضور شرماتا ہوا حاضر ہوا اور اپنے سابقہ سلوک پر معذرت خواہ
 ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ اسے کامیابی نہ ہو جو آپ سے بُرائی کرے۔

محمد بن الحنفیہ — اے حجاج تم پر افسوس ہے — خدا کا
 خوف کرو اور رب حقیقی سے ڈرو — کوئی صبح ایسی نہیں جو اللہ کے بندے
 کرتے ہوں اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ اس کی گرفت میں نہ رہے۔
 اگر وہ اس کے کسی عمل کی پاداش میں اس کو پکڑنا چاہے تو اس کی پوری قدرت
 رکھتا ہے، اور اگر معاف کرے تو اس کا بھی اس کو اختیار حاصل ہے۔ وہ اپنے
 علم اور قدرت کی وجہ سے ایسا کرے گا۔ لہذا اے حجاج تم اللہ سے ڈرو۔
 دنیا ناگ کی طرح ڈس لینے والی ہے — بھلائی اسی میں ہے
 کہ تم اس سے قطع تعلق کرو۔

اسی حجاج نے ایک مرتبہ ابن الحنفیہ کی موجودگی میں حرم بیت اللہ میں
 مقام ابراہیم پر پاؤں رکھنا چاہا تو انھوں نے اس کو سخت ڈانٹ پلائی اور
 مقام پر پاؤں رکھنے سے روک دیا۔

عبدالملک سے دوستانہ مراسم

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد اسلامی ریاست
 کو صحیح بنیادوں پر چلانے والی تین اہم شخصیتیں ملک میں موجود تھیں جن میں ایک
 حضرت امام حسینؓ، دوسرے عبداللہ بن زبیرؓ اور تیسرے عبداللہ بن عمرؓ اور

چوتھے نمبر پر محمد بن حنفیہ —

حضرت امام حسین تو شہید کر دیئے، حضرت عبداللہ ابن زبیر نے ملک میں ایک متوازی حکومت قائم کی اور کسی اہم علاقوں پر ایک عرصہ تک قابض رہے لیکن بالآخر شکست سے دوچار ہوئے اور موت کے آغوش میں ابدی راحت حاصل کی۔ اور عبداللہ بن عمر حالات سے بے تعلق رہ کر اپنے ہاتھ کو اختلاف بیعت کی مصیبت سے بچائے اور آزمائشوں میں پڑنے سے بھی محفوظ رہے، محمد بن حنفیہ نے بھی کسی کی بیعت تو نہیں کی البتہ گوشہ عافیت سے باہر رہنے کی وجہ سے ہر دو طاقتوں کے ہاتھ ستائے گئے۔ لیکن جب عبدالملک بن مروان تمام مسلمانوں کے بالاتفاق امیر المومنین منتخب ہو گئے تو محمد بن حنفیہ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح ملک میں امن و سلامتی کی ایک اور راہ کھل گئی۔ اور پھر بنو امیہ کا تقریباً پورا دور اندرونی خلفشار سے پاک ہو گیا اور مسلمانوں کی شاندار فتوحات کی رفتار میں تیز رفتاری پیدا ہو گیا۔

سیدین مکیب

سعید ابن المسیب

کپرے کے تاجرتھے
مگر چالیس سال میں ایک وقت کی بھی
نماز باجماعت ان کی نہ چھوٹی

سعید بن المسیب

علم و فضل، فقہ و تدبیر، حق گوئی و بے باکی
 حلم و عفو، صبر و ثبات، معاملہ فہمی اور کفایت شعاری اور زندگی
 کی بے پناہ خوبیوں کے مالک، دورِ ثانی کے انمول ہیروں میں
 ایک ہیرہ حق پرستوں میں سے ایک حق پرست، جن کی سیرت و
 کردار کو اپنا کر آج بھی عظمت و جلال اور عزت و اقبال کی بلندیوں
 پر ہم پہنچ سکتے ہیں۔

ایک جابر حکمران کے جبر و ستم کا کوڑا ہے اور تنگی پیچھے ہے

سٹراپ ایک، سٹراپ دو، سٹراپ تین، سٹراپ چار اور اسی طرح ساٹھ
کوڑے پڑ گئے، مگر وقار اور متانت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جو بات کہی
تھی اُس سے ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوئے، اور جس چیز کا انکار کیا اس پر
بدستور قائم رہے۔ یہ دیکھ کر جبین اقتدار پر کئی بیک وقت شکنیں پڑ گئیں۔
حکم ہوا ان کے کپڑے اُتار کر ٹاٹ کی جانگھیا پہنا دو اور مدینہ
کی اس پہاڑی پر لے جاؤ جو قتل گاہِ عام ہے۔ یہ محض
دھمکی نہ تھی بلکہ اقتدار کی ضرورت تھی۔

”اقرار می مجرم“ کو بھی یقین ہو گیا کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے اس نے
کمبل کے کپڑے یا ٹاٹ کی بوری بے چون و چرا پہن لی۔
اور منزلِ حیات کی طرف قافلے کی صورت میں رواں دواں ہو گیا۔
یہی مدینے کا وہ پہاڑی درہ آ گیا۔ اب یہاں اس مجرم کو تلوار

سے قتل کیا جائے گا۔ یا سولی چڑھائی جائے گی۔
 ذہن تیار، دل آمادہ، زبان تروتازہ۔۔۔۔۔ آنکھیں پر سکون
 ایسے میں آواز گونجی بول و بیعت کرتے ہو یا نہیں۔۔۔
 اقرار ی مجرم۔۔۔۔۔ میں اپنی بات پر پہلے کی طرح قائم ہوں۔
 حاکم کی آواز۔۔۔۔۔ جاؤ ان کو مدینہ کی گلیوں میں پھراؤ اور
 قید کرو۔

ظلم کے یہ تازیانے، ذلت کی تشہیر اور قید خانہ کی یہ سزا مشہور تابعی سعید
 بن المسیب کے لیے ہے۔۔۔۔۔ ان کا جرم یہ ہے کہ عبدالملک بن
 مروان نے جب اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کو اپنا ولی عہد بنایا اور ان
 دونوں کی بیعت کے لیے تمام شہروں کے عاملوں کو لکھا تو مدینہ کے عامل
 ہشام بن اسماعیل المخزومی نے دوسرے لوگوں کی طرح سعید بن المسیب
 سے بھی ولی عہدوں کے لیے بیعت کا مطالبہ کیا۔۔۔۔۔ یہ آنکھوں سے
 بھرا مسئلہ تھا اور جو جتنا بڑا تھا اس کے لیے اتنا ہی پیچیدہ مسئلہ تھا۔ اور
 ذہنی اذیتوں سے بھرا مسئلہ تھا۔۔۔۔۔ عبدالملک بن مروان کی بیعت کا
 بار ابھی گلے کا ہار بنا ہوا ہے کہ ایک نہیں یکے بعد دیگرے دو بیٹوں
 کی ولی عہدی کا مسئلہ سامنے کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔ خلافت اولاد در اولاد
 میں منتقل ہونے کا غیر اسلامی طریقہ روز بروز چٹ پکڑتا جا رہا تھا۔
 تازیانوں کی سزاؤں، تلوار کی نوکوں اور جیل کی صخریوں کا سہارا لے لے
 کر یہ خاردار جھاڑیاں بڑھ رہی ہیں اور وقت کے فرشتہ داماں ہستیوں

سے اُلجھ رہی ہیں۔۔۔ قربان جانیے ان اور العزم شخصیتوں کے حوصلے اور
پرکہ وہ سزا میں بھگت رہے ہیں پھر بھی بدعتوں کی راہ میں مزاحمت ترک
نہیں کرتے۔۔۔

جیل میں ایک سزا اُن کو یہ بھی دی گئی ہے کہ ایک بکری ذبح کر کے
اس کی کھال اُتار کر ان کی پشت پر لپیٹ دی گئی ہے۔۔۔

ہشام بن اسماعیل نے جب اپنے اس خوشامدازہ کارنامہ خیالت کی اطلاع
عبدالملک بن مروان کو اس توقع کے ساتھ دی کہ وہ اس کی ان بد اعمالیوں
سے خوش ہو جائے گا۔۔۔ تو خلاف اُمید اس کو جواب ملا۔۔۔

”تم نے بُرا کیا۔۔۔ اپنے لیے بدبختی مول لی،۔۔۔ تمہارا کیا بگڑ
جاتا اگر تم ان کو چھوڑ دیتے۔۔۔ اور جو کچھ انھوں نے کہا تھا ان
تم دبا دیتے۔ وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جو فتنوں کو ہوا دیتے ہیں۔ ام
بلاؤں کو آواز دے کر بلایا کرتے ہیں۔۔۔ مجھے معلوم ہے ان کا
ارادہ کبھی نفاق اور شفاق نہیں ہوا۔۔۔ چنانچہ انھوں نے عبداللہ
زبیرؓ کی بیعت سے بھی انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک تمام لوگ متفق
نہ ہو جائیں میں بیعت نہیں کروں گا۔“

عبدالعزیز بن عبداللہ کا تبصرہ

سیرت ابن عبدالعزیز الخلیفۃ الزاہد میں اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے
عبدالعزیز بن عبداللہ لکھتے ہیں کہ ابو محمد سعید بن مسیب بن حزن مخزومی مدظلہ

س واقعہ کے وقت دنیا کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتا تھا، وہ تابعین کے
 دار تھے اور علمائے مفتکدان میں سمجھے جاتے تھے۔ آپ حدیث، تفسیر،
 زہد و تقویٰ اور عبادت میں جامع عمل تھے۔ آپ نے چالیس سال حج
 کیے۔ لیکن یہ سارا زہد و تقویٰ اور علم و عمل کوئی ایسی چیز نہ تھے جو
 عبدالملک کے غصہ اور ہشام کی ناراضگی سے ان کو محفوظ رکھنے کے مطابق
 رہتی۔

سعد نے ولی عہدوں کی بیعت سے انکار کر کے اقتدار کے شیش محل پر
 ریاضت باری کر دی تھی۔ وہ اس عظیم جرم کی سزا سے کیسے بچ
 سکتے تھے۔ اس زمانے میں خصوصاً عبدالملک بن مروان کے
 عہد میں برا بھلا کہنا، طعن و تشنیع کرنا، کوڑوں کی سزائیں دینا،
 تشہیر کرانا اور قتل کرادینا، علماء اور حق گو لوگوں کی مقرر سزائیں تھیں۔
 خواہ وہ حق گو، علم و شہرت۔ اور زہد و عبادت کے کتنے ہی
 بلند مقام پر پہنچا ہوا ہو۔ خلیفہ ناراض ہو، یا امیر ناخوش ہو۔
 پھر یہ ساری چیزیں کس کام کی؟ یہ خوبیاں قصور معاف کرانے
 کے لیے کسی طرح کام نہ آسکتی تھیں۔ سعد بن جبیر کا سارا علم و تقویٰ
 عبادت و ریاضت کچھ کام نہ آئی۔ جب حجاج ان سے ناراض ہوا۔
 اور سرور باران کو قتل کر دیا۔

حق پرستی کا جوہر

کوڑوں کی سزائیں، اور جیل کی صعوبتیں حق پرستوں کے ساتھ اس طرح
 رہتی ہیں جس طرح زمین کے ساتھ کشش — پہلوں کی تاریخ ہر
 کا زمانہ فانی کی واردات حیات ہوں یا حال کے واقعات اس بارے میں
 ہیں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے — مشہور تابعی سعید
 اس سے پہلے بھی شخص اس لیے تازیانے کھا چکے تھے کہ انھوں نے
 بن الزبیر کی بیعت سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ جب سب لوگ ان
 کر لیں گے تو وہ بھی بیعت کر لیں گے — اور انھوں نے یہ انکار
 شخص کے منہ پر کیا تھا جو مدینہ میں عبداللہ بن الزبیر کا عامل تھا اور
 کا نام جابر الاسود بن عوف الزہری تھا — اس عامل کو پہلے
 ان پر غصہ تھا کیونکہ اس نے چوتھی بیوی کی عدت گزرنے سے پہلے
 سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت سعید بن المسیب نے اس کا
 تنبیہ کی تھی اور بر ملا ٹوکا تھا — بیعت سے انکار پر اس
 مل گیا اور اس نے ساٹھ تازیانے لگانے کا حکم دے دیا —
 کوڑے آزمائے جانے لگے — ہر کوڑے پر وہ یہی کہتے کہ
 کتاب اللہ پر کوئی توجہ نہیں کی گئی — اللہ تعالیٰ توفیرانا
 فَإِنِ كُفِرُوا مَاطَلَابُ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّنِّي وَثَلَاثَ
 وَرَبَاعَ ترجمہ: جو عورتیں تمہیں پسند آئیں دو دو، تین تین

رچا رہا تک سے تم نکاح کرو۔

اور تو نے چوتھی کی عدت گزرنے سے پہلے پانچویں سے لیا ہے۔ اور وہ بھی چند شب کی ہے۔ جو تجھے معلوم کرے پھر تو تجھے عنقریب وہ بات پیش آئے گی جسے تو بے گناہ۔

منزل میں بے مثال

یہاں کی سزائیں بھگتنے والے یہ سعید وہ سعید ہیں جو اپنے علم، اپنے اپنی تفسیر، اپنی روایات و احادیث، اپنے تقویٰ اور سنت ی، اور خدا ترسی میں بے حد مشہور ہیں۔ ان کے علم اور میرت کا یہ حال تھا کہ وہ بعض بڑے صحابہ کرام کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے۔ اور وہ فتوے ان کی نگاہوں میں غلط نہیں ٹھہرتے تھے۔ تبیر حبیبہ جلیل القدر عالم حضرت سعید المسیب سے فتویٰ پوچھنے آتے۔ خود حضرت سعید کا قول ہے کہ:

یہ وہ فیصلہ جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ہر وہ فیصلہ جو ابراہیم صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ اور ہر وہ فیصلہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اس کا مجھ سے زیادہ جاننے والا اب اس دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ وہ ایک ایک حدیث کی تلاش،

اور اس کی تحقیق اور جستجو میں اپنی عمر کھپا دینے کو بھی کم سمجھتے تھے۔
 وہ کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے عمر بھر رات دن ایک حدیث
 کی طلب میں چلنا پڑے تو میں اس کے لیے ساری زندگی چلتا رہوں
 گا۔

حضرت سعید بن المسیبؓ نے ایک موقع پر یہ بھی کہا کہ :
 میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکلا ہوا
 ایک ایسا کلمہ سنا ہے جس کا سننے والا اب اس دنیا میں میرے سوا
 اور کوئی دوسرا نہیں ہے اور وہ کلمہ یہ ہے :

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ
 اے اللہ تو ہی تمام عیوب سے پاک ہے ، تو ہی باقی اور
 تجھ ہی سے بقاء و ہستی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کعبہ کو دیکھا کرتے
 تھے تو یہ حکم ادا کیا کرتے تھے — ان کو لوگ راوی
 عمل بھی کہا کرتے تھے کیونکہ یہ حضرت عمر کے احکام اور فیصلوں
 کے سب سے زیادہ حافظ تھے — یہی نہیں بلکہ ان کے
 علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے جن
 لوگوں سے علمی فیض حاصل تھا، ان میں حضرت زید بن ثابتؓ ،
 سعید بن ابی وقاصؓ ، ابن عباسؓ ، ابن عمرؓ ، ازواج النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت مسیب اور محمد بن مسلمہ جیسی مقتدر اور برگزیدہ ہستیوں
تحتیں۔۔۔۔۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کے داماد تھے اس لیے اکثر حدیثیں انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں۔۔۔۔۔ وہ اپنے وقت کے بڑے فقیہ بھی تھے، کہا جاتا ہے کہ مدینہ میں جو لوگ مسائل بتایا کرتے تھے اور فتوے دیا کرتے تھے، ان میں سب پر فوقیت سعید رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل تھی۔ ان کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے علی بن حسین رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں کرتے تھے کہ:

سعید بن المسیب گزشتہ آثار و احادیث کے سب سے زیادہ عالم اپنی رائے کے سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔

مدینہ میں جب کوئی طالب علم اور طالب دین آتا اور جس کسی سے بھی کسی عالم یا فقیہ کا پتہ دریافت کرتا وہ سب سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ ہی کا پتہ بتا دیتے۔ اس بارے میں شہاب بن عباد العصری اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ:

”میں امام حج میں مکہ معظمہ گیا اور وہاں حج کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ رہا۔۔۔۔۔ اور یہاں پہنچ کر جس کسی سے بھی پوچھا کہ یہاں سب سے بڑا عالم کون ہے تو ہر ایک نے

سید بن امیب کا نام بتایا۔

ان کے علم اور فضیلت اور تقویٰ کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز دربار خلافت سے اپنا کوئی فیصلہ اس وقت تک صادر نہیں فرماتے جب تک سعید بن المسیبؓ اس فیصلہ کے صحیح ہونے کی تصدیق نہ کر دیتے تھے۔۔۔۔۔ خود حضرت عمر بن عبد العزیز ان کا کس قدر احترام کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے ایک شخص حضرت سعیدؓ کے پاس بھیجا۔۔۔۔۔ اس شخص نے مسئلہ دریافت کرنے کی بجائے انھیں یہ کہہ دیا کہ دربار خلافت میں آپ کو بلایا جا رہا ہے آپ جب حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے پاس تشریف لائے اور طلبی کی وجہ پوچھی تو عمر بن عبد العزیزؓ سخت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ قاصد سے غلطی ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ سے آپ کی مجلس ہی میں مسئلہ پوچھ لے، لیکن غلطی سے اُس نے آپ ہی کو زحمت دے دی۔۔۔۔۔ اور خود حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کتنے بڑے عالم تھے اس کو سمجھنے کے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ مدینہ کا ہر عالم، طلب علم میں آپ کے پاس ضرور آتا تھا۔۔۔۔۔ سوائے سعید بن المسیب کے۔۔۔۔۔ آپ کے پاس البتہ وہ خود چل کر آتے تھے۔۔۔۔۔

کہا جاتا ہے کہ:

سید بن المسیبؓ کا حلقہ بھی بے حد قوی تھا۔ جو بات بھی آپ کا

کان ایک مرتبہ سن لیتا تھا، قلب ہمیشہ کے لیے اس کو محفوظ کر لیتا اور دماغ میں وہ بات برابر حاضر رہتی تھی۔

کردار کی عظمت

سعید بن المسیب کیسے عظیم انسان تھے ان کی عظمت و کردار کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ :

ہشام بن اسماعیل نے اپنی اقبال مندی کے دور میں ان کو طرح طرح کی افیتیں دیں، کوڑے لگوائے، شہر میں تشہیر کرائی، موٹے کپڑے کا جانگہ پہنایا، قید خانہ میں بند کیا اور وہاں صعوبتیں دیں، اور جب اسی ہشام کے سر سے اقبال مندی کا سایہ ہٹا — اور شخصی حکومتوں میں اقبال و زوال کے سلسلے ہمیشہ گھلتے بڑھتے رہتے ہی ہیں — کسی خلیفہ کے دور حکومت میں اگر آج ایک شخص اقبال مندی کی چوٹیوں پر نظر آ رہا ہے تو کل جب بخت و اتفاق سے کوئی دوسرا اقتدار پر قابض ہوا تو یہ پستی کے غار میں پایا گیا اور کوئی دوسرا ہی اس چوٹی پر نظر آنے لگا — چنانچہ عبدالملک بن مروان کے بعد جب ولید خلیفۃ المؤمنین ہوئے — اور چونکہ ہشام کے متعلق ولید کی رائے پہلے ہی سے بہت خراب تھی اس لیے انھوں نے اس کو نہ صرف یہ کہ معزول کر دیا بلکہ عمر بن عبدالعزیز کو بھی لکھا کہ ہشام کی

رعزت و آبرو کا ذریعہ ہے، اس سے آدمی نیکیاں بھی کما سکتا، اور اس کے
 ہمارے اپنے آپ کو بہت سی برائیوں سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے۔
 ابن مسیب اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اسی لیے حق پرستی کے مقابلے
 میں اگر ایک طرف وہ دنیا کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے تو دوسری طرف اپنے کو
 دولت سے اتنا فارع بھی نہ رکھنا چاہتے تھے کہ حاجت مندی ان کی
 دوری بن جائے اور ضرورتیں دوسروں کے آگے ان کو پھکنے پر مجبور کر دیں،
 وہ حق کو حق نہ کہہ سکیں اور باطل کے مقابلے میں ڈر نہ سکیں۔ ابن المسیب
 اس خاص صفت کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ
 ہشام بن اسماعیل نے ان کو اس جرم میں کہ انھوں نے ولید بن عبدالملک
 سلیمان بن عبدالملک کی ولی عہدی کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا،
 بل میں ڈلوادیا تھا تو ان کی بیٹی نے مختلف انواع و اقسام کے بہت سے
 مانے پکوا کر ان کو قید خانے میں بھجوائے۔ اور یہ سلسلہ جب کئی
 دن تک جاری رہا تو انھوں نے ایک دن اسلم ابو امیہ مولائے بنی مخزوم
 بلو کر کہا کہ میرے گھر جا کر میری بیٹی سے یہ کہنا کہ وہ آئندہ اس طرح
 مانا نہ بھیجا کرے۔ ہشام بن اسماعیل کا تو مقصد ہی یہی ہے
 سیر اتمام مال صرف ہو جائے اور میں اس کا محتاج اور حاجت مند
 نہ جاؤں پھر وہ میری حاجت مندی سے فائدہ اٹھا کر اپنا مقصد پورا
 کرے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کب تک قید خانہ کی صعوبتوں میں مبتلا رہوں
 ، لہذا آئندہ سے مجھے وہی کھانا بھیجا جائے جو عموماً میں اپنے گھر میں

کھایا کرتا ہوں۔۔۔۔۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اس طرح کے کھانے بھینے لگیں۔ ان کو گرچہ اس کھانے کی بھی زیادہ ضرورت نہیں رہتی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ روزہ ہی رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ابن المہدیٰ پر اللہ نے بڑا فضل کیا کہ وہ چند دن ہی جیل میں رہ پائے۔ عبد الملک کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ہشام کو سخت ملامت کی اور فوراً رہا کرنے کا نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ ان سے معافی مانگنے کی بھی ہدایت کی۔۔۔۔۔ ابن المہدیٰ خود کہتے ہیں کہ ہشام کے حکم سے جب مجھے تازیانے لگوائے گئے اور کھیل کی لنگوٹی پہنائی گئی تو میں نے یہ لنگوٹی صرف اس لیے خود سے نہیں لی تھی کہ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور لنگوٹی میں موت کے وقت ستر کے نہ کھلنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے ورنہ اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ لوگ قتل نہ کریں گے تو میں خود سے تو لنگوٹی ہرگز نہیں پہنتا۔

حق گوئی و بیباکی

حق گوئی و بے باکی تو مردان حق کا شیوہ رہا ہے، سعید بن مسیب کے ان یہ خوبیاں بھی بہت نمایاں تھیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ان سے کہا کہ اے ابو محمد میں جب اچھا کام کرتا ہوں تو کوئی خوشی نہیں ہوتی اور جب بُرا کام کرتا ہوں تو کوئی رنج بھی نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ سعید نے بلا خوف و ہراس کہا کہ اب تمہارا دل بالکل مردہ ہو گیا ہے اس کے احساس کی قوت جاتی رہی ہے۔۔۔۔۔

اُس وقت کسی اہل مدینہ سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ اُنھوں نے مجھے
 لانا کہ مسجد میں جا کر دیکھو اور جو اہل مدینہ ملے اس کو بلا کر لے آؤ، میں باتیں
 دلوں گا۔ آپ امیر المومنین کا حکم مانتے۔

سعید۔ کیا امیر المومنین نے تمہیں خاص کر میرے پاس بھیجا

ہے۔؟

دربان۔ نہیں خاص کر آپ کے پاس تو نہیں بھیجا ہے، لیکن
 سب میں چونکہ آپ سے زیادہ خوش شکل اور خوش وضع نہیں ہے اس لیے
 آپ سمجھتے کہ آپ ہی کو بلا یا جا رہا ہے۔

سعید۔ جاؤ اور کہہ دو کہ میں ان سے بات کرنے والوں
 میں نہیں ہوں۔

دربان یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ یہ بڑھا کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔
 پھر درببان نے عبدالملک بن مروان سے جا کر یہ بات
 سن تو وہ فوراً سمجھ گیا کہ وہ ضرور سعید بن مسیب ہوں گے۔ اس لیے
 لانا کہ چھوڑ دو وہ سعید بن مسیب ہیں۔

باب اور واقعہ

خلیفہ عبدالملک کا بیٹا ولید جب خلیفہ ہوا تو اس نے سارا
 اپنی قیادت میں حج کرایا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ

ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان مدینہ آیا۔۔۔۔۔ اور ایک دوپہر کو
 نیند سے بیدار ہوا تو دربان کو بلا کر کہا کہ مسجد جاؤ اور مسجد میں اہل مدینہ کا اگر کوئی
 شخص موجود ہو تو اس کو بلا کر لے آؤ کیونکہ میری طبیعت اس وقت کسی
 بات کرنے کو چاہتی ہے۔۔۔۔۔ اتفاق کی بات کہ جس وقت دربان
 مسجد میں داخل ہوا اُس وقت مسجد میں سعید بن مسیب اپنی کمر اور پاؤں کو
 ایک چادر سے باندھے یا دِ الہی میں مشغول تھے۔۔۔۔۔ دربان اس طرف
 جا کر کھڑا ہو گیا جدھر آپ کا رخ تھا اور دُور ہی سے اپنی آنکھوں اور اُنکے
 سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور پلٹ پڑا۔۔۔۔۔ اس کو توقع تھی
 کہ وہ اس کے اشارے کو دیکھ چکے ہیں اس لیے اس کے پیچھے ضرور
 آئیں گے، لیکن اس کو یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ وہ جس طرح بیٹھے
 ہوئے تھے بیٹھے رہے کسی قسم کی حرکت نہیں کی۔۔۔۔۔ وہ پھر واپس
 ہوا اور اُن کے قریب آ کر کہا کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ میں
 آپ کو اشارے سے بلا رہا ہوں؟

سعید بن مسیب۔۔۔۔۔ تم کو مجھ سے کیا کام ہے اور مجھے کیوں بلا رہے
 ہیں؟

دربان۔۔۔۔۔ مجھے آپ سے کام نہیں ہے بلکہ امیر المومنین آپ کو طلب
 کر رہے ہیں۔

سعید۔۔۔۔۔ امیر المومنین مجھے کیوں طلب کرنے لگے؟
 دربان۔۔۔۔۔ بات یہ ہے کہ امیر المومنین ابھی نیند سے بیدار ہوئے ہیں

ادھر حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ حال ہے کہ وہ ولید کو مسجد
ادھر ادھر پھیرا رہے ہیں اور اس کو شش میں ہیں کہ اس کی نظر سعید بن مسیب پر
پڑنے پائے، لیکن تاکہ آج کل کی طرح اس وقت مسجد نبوی اتنی بڑی تو نہیں تھی
اس کی نظر نہ پڑتی۔۔۔۔۔ اچانک ولید کی نظر قبلہ کی طرف اٹھی اور اس نے
سعید کو وہاں بیٹھے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ سعید بن مسیب
تو نہیں ہیں؟ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا۔ جی ہاں۔ سعید بن مسیب ہی ہیں
ان کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ اس وقت مسجد میں آپ تشریف فرما ہیں تو وہ خود ضرور اٹھ کر
آپ کے سلام کے لیے آتے۔ چونکہ ان کی نظر کمزور بھی ہے اس لیے وہ آپ کو
پہچان بھی نہیں سکے۔ ولید۔۔۔۔۔ اچھا ہوا جو ان کا حال مجھے معلوم ہو گیا
چلو ہم خود ان کے پاس چلتے ہیں اور سلام کر آتے ہیں۔۔۔۔۔ پھر ولید
پوری مسجد کا چکر لگانے کے بعد ان کے پاس آیا اور ان کی مزاج پر سی کی
لیکن سعید بن مسیب اس کے بعد بھی نہ تو اپنی جگہ سے حرکت
کی اور نہ ہی کھڑے ہوئے۔۔۔۔۔ البتہ مزاج پر سی کے جواب میں
انہوں نے بھی اس کی مزاج پر سی کی اور کہا کہ امیر المؤمنین کا مزاج کیسا
ہے؟ اور کیا حال ہے؟۔۔۔۔۔ ولید نے جواب میں کہا کہ الحمد للہ
میں بھی خیریت سے ہوں۔۔۔۔۔ اس قدر گفتگو کے بعد ولید وہاں سے
پلیٹ آیا اور عمر بن عبد العزیز سے کہنے لگا۔۔۔۔۔ اب یہی سلف صالحین
کا ایک نمونہ باقی رہ گئے ہیں۔۔۔۔۔

خدا کی حفاظت کا یقین

سعد بن مسیب کے مزاج میں یہ بات داخل تھی کہ حق بات مُنہ پر کہہ دی جائے خواہ کوئی ہو اور اس کا نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ حق کے مقابلہ میں وہ خاموش نہیں رہتے تھے اس لیے وہ اس سلسلے میں سختیاں بھی جھیلتے تھے۔ بنو امیہ کے مقابلے میں تران کی تیغ زیاں ہمیشہ بے نیام رہتی تھی۔ وہ کسی مرقعہ پر بھی ان کی عیب چینی سے باز نہ رہتے تھے۔ مطلب بن سائب اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دن آپ سعد بن مسیبؓ کے ساتھ بازار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بنی مروان کا ایک ہرکارہ ادھر سے گزرا۔ سعد نے اُس سے پوچھا تم بنی مروان کے ہرکارے ہو۔ اُس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کہ اُنھوں نے تمہیں کس حال میں چھوڑا۔ اُس نے کہا اچھے حال میں۔ ابن مسیبؓ نے یہ سن کر کہا، وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ یہ سن کر ہرکارہ غصہ سے پھیر گیا۔ میں نے سمجھا بجھا کر کسی طرح اسے واپس کیا اور سعد سے کہا خدا تمہاری مغفرت کرے تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔ اُنھوں نے کہا احمق چپ رہ۔ خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا رہوں گا اس وقت تک وہ مجھے ان کے قبضہ میں نہ دے گا۔

حکومت کی نازک مزاجی

سعید بن مسیب کی جرأت اور حق گوئی کو اگر اُس وقت کے حالات کے پس منظر میں دیکھا جائے اور خلافت کے معاملے میں حکومت کی نازک مزاجی کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو اس قسم کی جسارتیں کوئی آسان کام نہ تھیں۔ بلکہ یہ باتیں تو اُس زمانے میں موت و حیات کے درمیان فیصلہ کن ہوا کرتی تھیں۔

نیا دور حکومت تھا۔ اس دور میں حکمرانوں کے سوچنے کا وہ انداز ہی رہتا جو انداز خلفائے راشدین کا تھا۔ خلافت کی جگہ ملوکیت قائم ہو چکی تھی، لیکن مسلمانوں کے مزاج سے چونکہ یہ بیگناہ باتیں تھیں اس لیے اس کی جرطیں گہری ہونے نہیں پا رہی تھیں۔ ملوکیت فکر مند تھی اور مسلم معاشرے میں اپنی جرطیں مضبوط کرنے کے درپے۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ایک پتہ بھی کھڑکتا تو ملوکیت کا دل دھڑک اٹھتا اور مخالفت میں اگر کوئی زبان ہلتی تو تراش لی جاتی تھی۔۔۔۔۔ یہ کیسا زمانہ تھا اس کو سمجھنے کے لیے ایک دو واقعات کا ذکر کر دینا ضروری ہو گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی معزولی

عمر بن عبد العزیز مکہ اور مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیئے گئے تو ان کی جگہ پر ولید نے حجاج کے مشورے سے خالد بن عبد اللہ القسری کو مکہ کا اور عثمان بن بنیان کو مدینہ کا گورنر بنا دیا۔

اور اس معزولی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے ولید کے پاس یہ شکایت بھیجی کہ یہ شخص بلا وجہ اور بلا قصور اپنے ماتحت عہدہ داروں پر طرح طرح کا ظلم اور زیادتیاں کرتا ہے۔۔۔۔۔ حجاج کو اس کی اطلاع مل گئی کہ عمر بن عبد العزیزؓ نے اس کی شکایت ولید کو لکھ بھیجی ہے۔۔۔۔۔ حجاج نے فوراً ہی جوابی کارروائی کے طور پر ولید کو ایک خط لکھا، جس میں بتایا کہ اہل عراق میں سے جو لوگ ہمارے مخالف تھے اور آپس میں پھوٹ اور نفاق ڈلوانا چاہتے تھے وہ سب کے سب عراق سے جلا وطن کر دیئے گئے ہیں اور اب ان تمام لوگوں نے مکہ اور مدینہ میں جا کر پناہ لی ہے۔۔۔۔۔ جس کے نتائج خلافت کے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

ملوکیت کا مزاج دان حجاج خوب جانتا تھا کہ یہ دکھتی رگ ہے اس پر ہلکی ضرب بھی خلیفہ کو تڑپا دے گی۔۔۔۔۔ چنانچہ اس کی توقع کے عین مطابق خلیفہ ولید بن عبد الملکؓ عمر بن عبد العزیزؓ کی شکایات پر تڑکی تو جہ نہ دی۔ البتہ حجاج کے خط کو سیاسی اہمیت کا حامل قرار دیا اور اس کو لکھا کہ ”عمرؓ کی جگہ کسی دو آدمیوں کا نام بھیجو جن کو عمرؓ کی جگہ پر مکہ اور مدینہ کی صوبیداری دے دی جائے“ حجاج نے عثمان بن جیان اور خالد بن عبد اللہ کے نام بھیج دیئے۔ اور ان دونوں کو مکہ اور مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

عثمان نے مدینہ کی صوبیداری کا چارج لینے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ یہاں موجود تمام عراقیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور قید خانے میں ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔

پھر ان سب کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلو کر حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے اس بارے میں کسی قسم کی تخصیص کی اور نہ کوئی فرق دانتیاز برتا بلکہ مدینہ کے ارد گرد جہاں کہیں بھی کوئی بھولا بھٹکا عراقی ملا اس کو گرفتار کیا۔ پھر قید خانے میں خوب خوب سزائیں دینے کا کے بعد حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ دوسرا کام اُس نے یہ کیا کہ عام دہشت زدگی پیدا کرادی، اور سلطنت کا رعب قائم کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر مظالم ڈھانے اور عوام و خواص پر خوب خوب سختیاں کیں۔

ایک دفعہ اُس نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس میں اُس نے پہلے مدینہ کے رہنے والوں کو برا بھلا کہا اور عمومی الزام لگایا کہ وہ ہمیشہ ہی سے امیر المومنین کی مخالفت پر آمادہ رہے ہیں اور اب اس پر مستزاد یہ کہ اُنھوں نے عراق کو جن کی منافقت اور بے وفائی مشہور ہے اپنی صفوں میں شامل کر لیا ہے۔ یہ لوگ پہلے فساد کی جڑ تو تھے ہی اب فتنہ گر اور ستم گر ہو جائیں گے۔ یاد رکھئے کہ میں اس قسم کے فساد یوں کے ساتھ اور فساد ی ذہن رکھنے والوں کے ساتھ جو معاملہ بھی کروں

گا مجھے اس سے تقرب الہی حاصل ہوگی ————— آخر میں
اُس نے کہا:

اے لوگو! اطاعت سے زیادہ کسی شے میں عزت نہیں،
اور بغاوت سے بڑھ کر کوئی شے ذلیل نہیں —————

اے مدینہ والو! مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہاں مخالفت کی آگ سلاگ
رہی ہے لیکن تم لوگ آمادہ پیکار ہونے کی جرأت نہیں رکھتے ہو۔

اس لیے اپنے گھروں میں بیٹھے دانت پیستے رہو گے —————

میرے مخبروں نے خبر دی ہے کہ تم لوگ لغو اور فضول قسم کی گپیں
اُڑاتے رہتے ہو، اب میں تم سے کہتا ہوں کہ اس قسم کی گفتگو
چھوڑ دو، اور کسی حاکم کی عیب گوئی اور عیب جوئی نہ کرو کیونکہ
ان طریقوں سے حکومت کا اقتدار رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہے، جو ایک
عام بغاوت پر نتیجہ ہوتا ہے۔ اور پھر بغاوت سببوں کے لیے
ایک مصیبت عظیم ثابت ہوتی ہے۔

ادھر مکہ کے گورنر خالد بن عبداللہ القسری کا مزاج بھی مدینہ کے گورنر
کے مزاج سے مختلف نہ تھا اور اس کا بھی طریق کار اس جیسا تھا۔ ذرا اسر
کے کارناموں پر ایک نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ حکومت کو مستحکم کرنے کے
لیے کس طرح کے کارنامے انجام دیئے جا رہے ہیں اور ان کارناموں کی
موجودگی میں سعید بن المسیب کی یہ جراتیں کس قدر بلبا کاہ اور رضائے الہی
کے حصول کی متلاشی نظر آتی ہیں۔ اس طرح کی باتوں اور رویوں سے

صاحب اقتدار بغاوت کی بوسہ لگھنے لگتے اور فساد کی جڑوں کو دیکھنے لگتے ہیں۔
 خالد نے مکہ کی گورنری کا عہدہ سنبھالنے کے بعد تمام اہل مکہ کو اپنے
 یہاں طلب کیا اور ان کے سامنے ایک تقریر کی جس میں انھوں نے اہل مکہ
 کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ جو شخص بھی اپنے حاکم اعلیٰ پر نکتہ چینی کرے گا اور میرے
 سامنے اس جرم میں پیش کیا جائے گا تو میں اسے اسی وقت پھانسی پر لٹکا
 دوں گا۔

اُس نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو مناسب سمجھا۔ آپ کا خلیفہ بنا دیا۔
 اس لیے آپ کو ان کے احکام اور معاملات میں کسی قسم کے چون و چرا کی
 کوئی گنجائش نہیں، جو وہ حکم دیں اس پر تسلیم خم کر دینا پڑے گا۔
 پھر اُس نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض مخالفین حکومت آپ کے
 یہاں آتے اور ٹھہرتے ہیں۔ آپ کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ آئندہ
 سے ایسا کوئی بھی شخص جس پر خلافت حاضرہ کی مخالفت کا ذرہ بھر بھی شبہ
 ہو تو وہ آپ کے یہاں ٹھہرنے نہ پائے۔ یاد رکھیے جس کے مکان میں کوئی
 مشتبہ شخص مقیم پایا جائے گا وہ مکان زمین دوز کر دیا جائے گا۔ اس
 لیے جو لوگ آپ کے یہاں ٹھہریں ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کر لیا کیجیے
 اور یہ صرف زبانی دھمکی نہیں تھی بلکہ اس پر عملی مظاہرے
 ہوئے تھے۔ ابو حلیبہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں عمرہ کرنے مکہ گیا اور
 بنی اسد جو خاندان عبداللہ ابن زبیر کے طرف داروں میں تھے ان کے
 مکان میں جا کر ٹھہرا۔ میں حالات سے بے خبر تھا اور

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ خالد کا آدمی مجھے بلانے کے لیے آگیا۔
 میں اٹھ کر اس کے پاس پہنچا۔ خالد نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ
 میں کہاں کا رہنے والا ہوں، جب میں نے بتایا کہ مدینہ کا رہنے والا ہوں تو
 اُس نے کہا کہ پھر تم ایسے لوگوں کے یہاں کیوں ٹھہرے جو ہمارے مخالف
 ہیں۔ میں نے یہ سُن کر حالات کی سنگینی کا اندازہ لگایا۔
 اور کہا کہ میں تو یہاں صرف ایک دن، یا دو دن ٹھہر کر وطن واپس چلا جاؤں
 گا۔ اور یہ کہ میں خلیفہ وقت کا مخالف ہوں اور نہ کبھی مخالفت
 کی ہے بلکہ میں تو ان لوگوں میں ہوں جو حکومت کی تعظیم کرتے ہیں، میرا
 تو یہ عقیدہ ہے کہ جو خلافت کا منکر ہو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ یہ سُن
 کر ذرا نرم ہو گیا۔ پھر بھی اس نے وہاں قیام سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔
 واضح رہے کہ عبداللہ بن زبیر اس واقعہ سے چند سال پہلے
 عبدالملک کے زمانہ ہی میں شہید کئے جا چکے تھے۔

خلافت کے معاملہ میں خالد کی خیر خواہی اور نازک مزاجی
 اس بات سے بھی معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ حرم میں بسیرا کی ہوئی کبوتریوں
 اور دوسرے جانوروں کے بارے میں بھی کہا کرتا تھا کہ اگر یہ بول سکتے اور
 ہماری اطاعت کا اقرار کرتے تو میں انہیں بھی یہاں سے نکال دیتا کیونکہ
 میں چاہتا ہوں کہ بیت اللہ میں صرف وہی لوگ رہیں اور وہی اس کی
 حرمت سے متمتع ہوں جو ہمارے مطیع ہوں اور خاندان خلافت اور اُس
 کے عہدیداروں کے مخالف نہ ہوں۔

_____ خالد القسری ہی وہ شخص ہے، جس نے سعید بن جبیر کو جو مکہ میں ایک عرصہ سے چھپے ہوئے تھے گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا تھا۔ _____ اور جب سعید بن جبیر حجاج کے سامنے لائے گئے تو حجاج نے کہا کہ خدا انصرا فی عورت کے بیٹے پر لعنت کرے اس نے ان کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیا۔ وہ کیا مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں مقیم ہیں۔ _____ بخدا مجھے معلوم تھا کہ وہ مکہ میں مقیم ہیں بلکہ جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ بھی معلوم تھا مگر میں جان بوجھ کر طرح دے رہا تھا۔ _____

سعید بن مسیب سلمیٰ بلباکانہ مزاج سے عبد الملک بھی واقف تھا اور ولید بھی یہی وجہ ہے کہ اپنے گورنروں اور عہدیداروں کے مقابلے میں وہ خود ان کے معاملات میں درگزر کا رویہ رکھتے تھے۔

ملنے سے انکار کر دیا

_____ ایک مرتبہ خلیفہ عبد الملک فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ آیا۔ اور اس یقین کے ساتھ کہ سعید بن مسیب اس وقت مسجد ہی میں ہوں گے۔ ان کی ملاقات کے لیے مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور ایک شخص کو مسجد کے اندر بھیجا کہ جا کر سعید بن مسیب کو بلا کر لے آؤ۔ _____ البتہ زبردستی ان کے ساتھ نہ کرنا اور خواہ مخواہ ان کو پکڑ کر نہ لانا۔ _____ چنانچہ وہ شخص آپ کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ امیر المومنین مسجد کے دروازے پر کھڑے ہیں وہ آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ _____ آپ نے فرمایا امیر المومنین

کو نہ میری کوئی حاجت ہے اور نہ ہی ان سے میری کوئی غرض وابستہ ہے۔ ان کو میری جو ضرورت ہے وہ مجھ سے پوری ہونے والی نہیں ہے۔

قاصد نے یہ جواب جا کر سُنا دیا۔ عبد الملک نے قاصد کو دوبارہ بھیجا کہ جا کر کہو کہ میں صرف آپ سے بات ہی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ کو زبردستی بلانا۔ قاصد نے پیغام سُنا یا، اس کا جواب بھی آپ نے وہی دیا جو پہلے دے چکے تھے۔ قاصد نے کہا کہ اگر امیر المومنین نے مجھے

منع نہ کیا ہوتا تو اس وقت میں آپ کا سر لیے بغیر نہ جاتا۔ امیر المومنین آپ کے پاس یہ کہہ بھیجتے ہیں کہ آپ سے صرف باتیں کرنی ہیں اور آپ اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ سعید بن مسیب نے کہا کہ اگر وہ میرے لیے بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو تم اُس سے فائدہ اٹھاؤ مجھے کوئی حاجت نہیں ہے اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور کرنا چاہتے ہیں تو کر ڈالیں میں تو اپنی گرہ نہ کھولوں گا۔

دفعہ تھا کہ کمر اور زانو کے درمیان بڑا رومال لپیٹ کر باندھ لیا کرتے تھے۔ تاکہ بیٹھنے میں سہارا ملے اس کو گرہ لگانا اور کھولنا کہتے ہیں۔ قاصد واپس آیا اور جو کچھ اُنھوں نے کہا تھا امیر المومنین کو کہہ سنایا۔ خلیفہ نے کہا ابو محمد پر اللہ کی رحمت ہو اُنھوں نے محض سختی کی وجہ سے انکار کر دیا۔

اس سے زیادہ سنگین مسئلہ ایک بار یہ پیدا ہوا کہ عبد الملک کا بیٹا ولید اپنے دورِ خلافت میں ایک بار مدینہ آیا اور مسجد میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک شیخ مسجد میں بیٹھے ہیں اور لوگ ان کے گرد جمع ہیں۔ ولید نے اپنے لوگوں سے پوچھا یہ بزرگ کون ہیں، لوگوں نے بتایا کہ یہ سعید ہیں۔ یہ سن کر وہ

مختصی حکومت میں تبدیل ہو چکی تھی تاہم خلفائے راشدین کی قائم کردہ بہت سی روایات، اسلام کے عطا کردہ بہت سے اصول، اور عدل و انصاف پر مبنی گئی معاشرے کی بہت سی خصوصیات حکومت اور عوام الناس میں موجود تھیں اور ان کا رواج تھا۔ ان ہی میں سے بیت المال اور سرکاری خزانہ سے عام مسلمانوں کو وظیفہ دینے کا رواج بھی تھا۔ — سعید بن مسیب بھی یہ وظیفہ ملتا تھا لیکن اس کے لینے میں وہ عام طور پر بے نیازی ہی کا ہمار کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ان کے انتالیس ہزار روپے بیت المال میں جمع ہو گئے۔ — مگر انھوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ بار بار ان کو یہ رقم لینے کے لیے بلایا جاتا مگر وہ یہ کہہ کر یہ رقم لینے سے انکار دیتے کہ ان کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ — اور کبھی یہ بھی کہتے جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور بنی مروان کے درمیان فیصلہ نہ کر دے میں رقم نہیں لوں گا۔

دارکِ دنیا نہ تھے

دولت کے بارے میں ان کی تمام تر بے نیازیوں، زہد و تقویٰ اور عبادت نڈاری، نیز دنیا سے کنارہ کشی کی تمام بہتر صفات کے باوجود کسی صورت سے ان کو رکِ دنیا نہیں کہا جاسکتا ہے، وہ دنیا سے محبت تو نہیں کرتے تھے، اور نہ اپنی عبادت و طاعت کی راہ میں کسی طرح اس کو حائل ہونے نہ دیتے تھے، تاہم وہ دنیا سے اتنے غافل بھی نہ رہتے تھے کہ دنیا ان کو ہر طپ کر جائے۔ — اور مفلس و

قلاش ہونے کی وجہ سے اپنی عزت بھی قائم نہ رکھ سکے۔ بلکہ وہ عزت و زندگی گزارنے، اپنے لوگوں کی کفالت کرنے اور دوسروں کے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کے لیے دنیا سے گہرا واسطہ بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے کسب معاش کے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا اور روغن زیتون اور دیگر اشیاء کی تجارت کیا کرتے تھے۔

بے ضرر عملی آدمی

سعید بن مسیب کی زندگی کے حالات سے یہ بات تو ظاہر ہوتی ہے کہ وہ بنی مروان کے رویوں کو ناپسند کرتے تھے اور بنی امیہ نے سلطنت حصول اور اس کے استحکام کے لیے جو طریقے اختیار کیے تھے اس سے ان کو نفرت تھی۔ لیکن انھوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار مخالف لوگوں جماعتوں کا ساتھ دے کر نہیں کیا اور نہ کسی خفیہ سازش ہی میں کبھی شریک ہوئے۔ انھوں نے عبد الملک کی موجودگی میں ولیعہد ولیمندی کی بیعت سے انکار کیا اور کوڑے کھائے قید کی سزا بھی کھائی اور سوائیاں مول لیں۔ لیکن عبد الملک کی موجودگی میں اس کے بیٹوں ولیعہد پر بیعت نہیں کی۔ پھر جب ولید خلیفہ منتخب ہو گیا تو ان کی بیعت کر لی۔

چنانچہ بنی امیہ سے ان کا اختلاف کوئی بڑھکی چھپی بات نہیں تھی۔ عبد اللہ بن زبیر بھی ان کے بارے میں اپنے عہدے داروں کو یہ کہتا تھا

تھے کہ ان سے نہ اُلجھو، یہ بے ضرر آدمی ہیں۔ بیعت نہ کریں جب بھی
 نفرت اور لڑائی نہیں کریں گے اور عید الملک کی بھی یہی رائے تھی کہ اگر وہ
 بیعت نہیں کرتے ہیں تو نہ کریں۔ نہ امارت کے دعویدار ہو کر کھڑے ہوں گے
 نہ کسی دعویدار کے ساتھ مل کر جنگ و قتال کریں گے۔ وہ بے ضرر
 می و فقی آدمی ہیں۔ اور بات بھی یہی ہے، کیونکہ جب کبھی
 سے بنی امیہ کے بارے میں کہا جاتا کہ آپ اپنی رائے بتائیے تو یہ کہتے تھے
 میں ان کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو میرے رب نے مجھ سے کہلایا ہے
 وہ یہ ہے ربنا اغفر لنا ولاخواننا۔ اے ہمارے پروردگار ہم ساری
 رہمارے بھائیوں کی مغفرت فرما۔

ہنگاموں سے بے تعلقی

سید بن متیب کی زندگی کے مطالعہ سے ایک عام طالب علم
 بھی اس نتیجہ پر آسانی پہنچ سکتا ہے کہ اس وقت کا مسلم
 معاشرہ اخلاقی، آئینی اور مذہبی بندھنوں میں پوری طرح
 بندھا ہوا ہے۔ لوگ خدا ترس، علم دوست اور اسلام سے گہرا
 جذباتی اور عملی لگاؤ رکھتے تھے، خلفاء بھی خدا ترس، انصاف
 پسند اور مستعمل مزاج تھے۔ ان کے اندر اگر کوئی بڑا عیب
 پیدا ہو گیا تھا تو وہ صرف یہ تھا کہ وہ اقتدار کو اپنے اور صرفہ اپنی
 اولاد کے لیے مخصوص کر دینے کی عجمی بیماری میں مبتلا ہو گئے تھے

جو اُن کے ارادے اور خواہش میں بقوت مزاحم نہ ہوتا تھا اس کے
ساتھ ان کا رویہ بہت اچھا ہوتا تھا۔ البتہ جو مزاحمت کرتا تھا اس کے
لیے وہ سخت ظالم اور بے رحم تھے اور وہ سیاسی طور پر بڑے
ہوشیار تھے۔ ظلم کا کام خود سے نہیں بلکہ خوشامدی اور ناعاقبت
اندیش اعمال کے ذریعہ کراتے تھے۔ یہ اُن کی بڑی خوش قسمتی
تھی کہ ان کو ایسے لوگ میسر تھے جو اُن کی دنیا بنانے کے لیے اپنی
آخرت بگاڑ لیتے تھے۔

سعيد بن مسيب ابن امیہ کے اس طرزِ حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے
انھوں نے خلافت کو ملکیت میں تبدیل کرنے کے لیے کیا تھا۔ اس پر بنی امیہ
اور بنی مردان سے وہ سخت بیزار بھی تھے۔ تاہم نامزد خلفاء
کی ملکیت پسندی پر ملک میں جو ہنگامے کھڑے ہو رہے تھے اس سے
انگ تھلک رہتے تھے۔ یزید کے انتخاب کو وہ صحیح نہیں سمجھتے لیکن جب
کی بیعت اور شہادتِ حسین کے بعد مدینہ میں ہنگامہ کھڑا ہوا۔ اور لوگ
نے یزید کی بیعت کو توڑ کر عبد اللہ بن حنظلہ (عیسٰی ملائکہ) سے بیعت
کر کے مدینہ میں موجود تمام بنو امیہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔
جب وہ اس کا رروائی میں ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔
پھر جب یزید نے مسلم کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف فوج روانہ کر دی

تھے۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے کہا کہ آپ بنو امیہ کے حق میں بددعا کیجئے۔۔۔۔۔ اس پر انھوں نے یہ دعا کی

”اے اللہ اپنے دین کو عزت دے، اپنے اولیاء کو غالب کر اور

امت محمدیہ کی عافیت کے ساتھ اپنے دشمنوں کو رسوا کر۔“

حجاج بھی جو حکومت بنی امیہ کا اہم ترین ستون اور قابل اعتماد دست و

بازو تھا وہ بھی ان سے تعارض نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات

ہے کہ حجاج آپ کے ساتھ نہ تو کوئی بد معاملگی اور بدتمیزی کرتا ہے، نہ چھڑتا ہے

اور نہ ہی اذیت دیتا ہے۔۔۔۔۔ انھوں نے کہا اس کی کوئی اور

وجہ تو نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک روز اپنے والد کے ساتھ مسجد آیا

اور نماز پڑھی۔ مگر اُس نے یہ نماز ایسی پڑھی جس میں وہ نہ تو پوری طرح

رکوع کر رہا تھا اور نہ اچھی طرح سجدے اور قیام کر رہا تھا۔۔۔۔۔ یہ دیکھ

کر میں نے مسٹھی بھر سنگریزے لیے اور اسے مارا۔۔۔۔۔ ممکن ہے یہی بات

اس کے اصلاح نماز کا سبب بن گئی ہو۔۔۔۔۔ کیونکہ حجاج نے بھی کئی موقع

پر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ ہمیشہ اچھی نماز پڑھنے لگا۔

وہ اس گرفتہ کا دور سمجھتے تھے اس لیے بکثرت یہ کہا کرتے تھے :

اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ

اے اللہ محفوظ رکھ محفوظ رکھ

عبادت گزارِی

سعید بن مسیب بڑے عبادت گزارِ زاہد تھے۔ نماز سے ان کو بڑا ہی گہرا شغف تھا۔ زیادہ تر وقت مسجد میں ہی گزارتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی موقع پر آپ نے یہ فرمایا:

”تیس سال سے اپنے گھر میں اپنے متعلقین میں رہ کر بھی میں نے اذان نہیں سنی۔“

یعنی اذان سے پہلے ہی وہ اپنے گھر سے اٹھ کر مسجد میں چلے آتے تھے، اور آپ کے مسجد میں پہنچنے کے بعد ہی مسجد سے اذان ہوتی تھی۔

● چالیس سال سے نماز باجماعت آپ کی کبھی فوت نہیں ہوئی۔

● نماز کے بعد بھی آپ مسجد میں اتنی دیر تک رُکے رہتے تھے کہ تمام لوگ مسجد سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ اس طرح چالیس سال سے نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کے اندر ان سے کسی کی ملاقات نہیں ہوئی۔ یعنی اُس وقت تک مسجد کوئی ہوتا ہی نہیں تھا جب آپ ہوتے تھے۔

● چالیس سال سے صفِ اول کے کبھی دوسری صف میں نہ ہوئے۔ نماز کے اس اہتمام کے باوجود آپ بازار میں زیادہ تر چلتے پھرتے تھے کیونکہ آپ کپڑے کے بیوپاری تھے۔

• بادشاہ ہو یا کوئی عام آدمی اس کی جب آپ سے کوئی حاجت ہوتی تھی تو وہ مسجد ہی کا رخ کرتا تھا اور وہیں آپ سے اس کی ملاقات ہوتی تھی۔

• آپ کی مسجد سے اس قدر دل چسپی تھی اور نماز سے آپ کو اس قدر عشق تھا کہ لوگوں نے ایک مرتبہ آپ کے عشق عبادت میں دیکھا اور کہا کہ اگر آپ جنگل میں ہوتے تو اس سے بھی بہتر ہوتا۔ کیونکہ صحرا میں تنہائی ہوتی ہے، جنگلی زندگی بے نیاز، بے غم، ہنگاموں سے خالی اور تمدنی ضروریات سے بے فکری کی ہوتی ہے، وہاں سورج بھی نہیں پہنچتا ہے، تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔

سعید نے کہا کہ نہیں یہاں بھی تنہائی اور تاریکی میں گزرے گی۔

• مسجد آتے جاتے آپ کبھی کبھی اپنی بیٹی کے گھر چلے جایا کرتے تھے ورنہ آپ مسجد سے آتے جاتے وقت کبھی کسی کے گھر نہیں جاتے تھے۔

• ایک مرتبہ آپ کے غلام سے کسی نے پوچھا کہ سعید بن مسیب گھر میں کس طرح اور کتنی نماز پڑھتے تھے۔ اس نے کہا کہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ اتنا ہے کہ واللہ آپ بہت نماز پڑھتے تھے۔ مسجد میں آپ کے نماز کے بارے میں تو ہم سب جانتے ہیں کہ نمازیں بہت پڑھتے تھے۔ گھر میں

بھی نمازیں زیادہ پڑھتے تھے اور نماز سے اگر فارغ ہوتے تو قرآن کی سورہ ص والقرآن ذی الذکر پڑھتے تھے۔

● عطار بیان کرتے ہیں کہ سعید بن مسیب جمعہ کے روز جب مسجد میں داخل ہوتے تھے، تو اس کے بعد اس وقت تک جب وہ خود نماز سے فارغ نہ ہو لیں اور امام مسجد سے چلا نہ جائے، وہ کسی سے باتیں نہیں کرتے تھے۔ نماز جمعہ کے بعد وہ چند رکعتیں مزید نماز پڑھا کرتے تھے اس کے بعد بیٹھنے والوں کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اس وقت جس شخص کو جو مسئلے مسائل پوچھتا ہوتا تھا ان سے پوچھتا تھا۔

● نماز سے آپ کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ حالت سفر میں اونٹ کے کچا دے پر ہی نماز نفل پڑھتے تھے۔ نہیں تو قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے کہ لوگ رات کے وقت حالت سفر میں اونٹ پر قرآن پڑھنے سے کچھ جاتے تھے کہ سعید بن مسیب کس طرف ہیں۔

● ایک مرتبہ بشر بن عاصم نے ان سے کہا کہ میرے چچا آپ مسجد سے نکل کر اور لوگوں سے مل کر لطف معاشرت تو اٹھائیے، دیکھئے کیسے کھانے پکتے ہیں۔

یہ سن کر انھوں نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میری پچیس یا پانچ نمازیں بھی کسی وجہ سے بھوٹ جائیں۔

● کثرت نماز کے باوجود حضرت سعید اس بات کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے کہ صرف نماز اور روزے ہی کو عبادت سمجھا جائے اور دوسرے عمل و فکر کو عبادت نہ سمجھا جائے۔ ایک مرتبہ آپ کے غلام یرد نے آپ سے کہا کہ یہ لوگ جو کرتے ہیں کیا اس سے بہتر بھی کوئی طریقہ عبادت ہے؟ وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ سعید نے اپنے غلام یرد سے پوچھا۔ یرد نے کہا کہ ان میں سے ایک آدمی ظہر کی نماز پڑھتا ہے پھر عصر تک برابر اپنے دونوں پاؤں سیدھے کیے نماز پڑھتا رہتا ہے۔

سعید نے کہا اے بردافسوس ہے کہ تم اتنی سی بات بھی نہیں جانتے تھے کہ عبادت صرف یہ ہی نہیں ہے کہ آدمی بس نماز ہی پڑھتا چلا جائے اور اللہ تعالیٰ اور اُس کی قدرت اُس کے احکام کے بارے میں کچھ غور نہ کرے بلکہ عبادت یہ بھی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کے اوامر و نواہی پر غور کرے اور جن باتوں کو اُس نے حرام قرار دیا ہے اُس سے اجتناب کرے۔

● آپ اپنی مجالس میں زیادہ تر جس بات پر زور دیتے تھے وہ اللہ کی یاد اور خوف تھا۔ آپ اپنے پاس آنے والے آپ کے لیے آپ ہی کے گھر سے شربت لایا جاتا تھا جس کو پی کر آپ روزہ افطار کرتے تھے اور اگر کبھی شربت نہ آتا تو پانی ہی سے افطار کر لیتے پھر گھر جا کر کھانا وغیرہ کھاتے۔

● رمضان شریف میں بھی آپ مسجد ہی میں روزہ افطار

کرتے تھے۔ جب آپ مسجد نبویؐ میں ہوتے تو اس وقت تمام لوگوں کو اس بات کی لازماً تلقین کیا کرتے تھے۔

● آپ کی عام بہتر عادتوں میں چند عادتیں یہ بھی تھیں

کہ آپ استعار سننا تو پسند کرتے تھے لیکن شعر کہنا اور پڑھنا انھیں

پسند نہ تھا۔ اپنے ناخن بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ وہ اپنی

موچکیں مونڈواتے تو نہ تھے لیکن اس قدر باریک کترواتے تھے

کہ معلوم ہوتا تھا کہ مونڈوالی گئی ہے۔

● ملنے والوں کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے۔

بہت زیادہ ہنسنا اور بلاوجہ ہنسنا پسند کرتے تھے۔

جب پیشاب کرتے تو وضو کرتے اور جب وضو کرتے تو انگلیوں

کا خلال کرتے۔ کبھی کبھی نماز میں **بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** زور سے پڑھا

کرتے تھے۔ اونٹ پر سواری کی حالت میں نفل نماز

اور تلاوت قرآن کیا کرتے تھے۔ ازار کے اندر جا نگھینہ قسم کی چیز

غرقی پہنا کرتے تھے۔ گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے۔ عورتوں

سے ڈر کرتے تھے۔ آپ کا اپنا قول ہے :

”میں اسی سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں۔ پھر بھی میرے

نزدیک عورت سے زیادہ کوئی چیز خوفناک نہیں ہے۔“

سعید بن مسیب کے علم و فضل میں خواب اور اس کی تعبیروں کا علم بھی

شامل ہے۔ خوابوں کی جو آپ تعبیر بتایا کرتے تھے واقعات کی

کی دنیا میں وہی ظاہر ہوا کرتا تھا۔ ان کو اس کا بھی علم تھا کہ کون آدمی کس طرح کا خواب دیکھ سکتا ہے۔
خواب اور تعبیریں

تعبیرات خواب کے سلسلے میں عمر بن حبیب بن قلیع اپنے ساتھ گزرا ہوا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

ایک روز میں سعید بن مسیب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اے ابو محمد میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔

سعید: تم نے کیا خواب دیکھا ہے؟

نوراد: میں نے دیکھا کہ میں نے عبد الملک بن مروان کو پکڑ لیا ہے پھر اس کو زمین پر گر کر منہ کے بل لٹا دیا ہے، اس کے بعد اس کی پیٹھ میں چار سیخیں ٹھونک دی ہیں

سعید: یہ خواب تم نے نہیں دیکھا ہے۔

نوراد: نہیں میں نے ہی دیکھا ہے۔

سعید: میں تم کو اس خواب کی تعبیر اُس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک تم یہ نہ بتا دو گے کہ یہ خواب کس نے دیکھا ہے؟

نوراد: یہ خواب عبد اللہ بن زبیر نے دیکھا ہے اور اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے اُنھوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔

سعید : ہاں اب تم نے ٹھیک بتایا۔۔۔۔۔ تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ عبد الملک بن مروان ان کو قتل کر دے گا اور عبد الملک کی پشت سے چار بیٹے ہوں گے اور وہ سب کے سب خلیفہ پیدا ہوں گے۔۔۔۔۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یہ تعبیر حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔۔۔۔۔

اور عمر بن حبیب کو اس مجلس میں بیٹھنے اور اس خواب اور اس کی تعبیر سننے کا یہ فائدہ ہوا کہ ان کی غربت دور ہو گی۔ فرض ادا ہو گیا اور پڑا خیر حاصل ہو گیا۔۔۔۔۔ اس کی تفصیلات وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ کی یہ بات ہے میں سخت بد حالی میں مبتلا تھا۔ قبرضوں میں جکڑا گیا تھا اور حالات کی الجھنوں میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میں سعید بن مسیب کی اس مجلس سے اُٹھ کر کہا جاؤں گا۔ اور کیا کروں گا۔۔۔۔۔ چنانچہ یہ خواب اور اس کی تعبیر سن کر فوراً ہی میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔۔۔۔۔

اور میں یہاں سے اُٹھ کر عبد الملک سے ملنے کا پروگرام بنا کر شام دار الخلافہ روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچتے ہی عبد الملک بن مروان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو کامیابی کی مبارک دی۔ پھر خواب اور اس کی تعبیر کا واقعہ اس کو سنایا۔ سعید بن مسیب کے اس علم اور صلاحیت کا وہ پہلے ہی معترف

تھا اس نے جو یہ تعبیریں سنی تو بہت ہی خوش ہوا۔ پھر سعید کی خیریت دریافت کرنے لگا۔ میں نے تمام حالات بیان کیے اور اُن کے بخیر و عافیت ہونے کی اطلاع دی۔
 ————— عبد الملک بن مروان نے اس کے بعد مجھے بھی بہت کچھ عنایت کیا۔ — میرا قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور اُس سے مجھے بڑا خیر و فلاح حاصل ہوا۔

اسی طرح ایک شخص نے سعید بن مسیب کے سامنے اپنا یہ خواب بتایا کہ:

میں نے عبد الملک بن مروان کو مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قبلے میں چار مرتبہ پیشاب کرتے ہوئے خواب میں دیکھا ہے۔ سعید بن مسیب نے اُس شخص سے کہا کہ:

تم نے جو کچھ میرے سامنے بیان کیا ہے بالکل ٹھیک اور سچ ہے یعنی غلط بیانی نہیں کی ہے بلکہ یہی خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ:

عبد الملک کے چار بیٹے ہوں گے اور چاروں خلیفہ ہوں گے اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلے میں کھڑے ہوں گے۔

شریک بن ابی نمر نے اپنا ایک خواب سعید سے بیان کیا اور اس کی تعبیر مانگی۔ خواب یہ تھا کہ:

”میرے سارے دانت ٹوٹ کر ہاتھ میں آگئے ہیں۔ جن کو انھوں نے زمین میں دفن کر دیا ہے“

سعید نے اس خواب کو سننے کے بعد یہ کہا کہ :

”اگر تم نے خواب صحیح بیان کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم اپنے خاندان کے ہم سن لوگوں کو دفن کرو گے۔ یعنی تمہاری عمر اتنی دراز ہوگی کہ تمہارے سامنے تمہارے خاندان والے مرجائیں گے۔“

ایک شخص نے سعید بن مسیب کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ :

”وہ اپنے ہاتھ پر پیشاب کر رہا ہے“

سعید بن مسیب نے یہ سن کر کہا :

”خدا سے ڈرو کیونکہ تمہارے نکاح میں کوئی محرم ہے“

سخت پریشان ہوا اور اس کی تلاش و جستجو کی تو معلوم ہوا کہ اس کے اس کی بیوی کے درمیان رضاعت کا تعلق ہے۔ یعنی جس عورت نے اس کو دودھ پلایا تھا اسی نے اس کی بیوی کو بھی دودھ پلایا تھا۔

اسی صورت سے ایک شخص نے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ :

”میں زیتون کی درخت کی جڑ میں پیشاب کر رہا ہوں۔“

سعید بن مسیب نے کہا :

”غور کرو کہ تمہارے نکاح میں کون ہے۔ معلوم ہوتا

ہے کہ تمہارے نکاح میں کوئی محرم ہے۔“
 اُس نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ اُس کی بیوی وہ ہے جس سے اُس کا نکاح
 حلال نہ تھا۔

ایک شخص نے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ :
 ”میں نے دیکھا کہ ایک کبوتری مسجد کے مینار سے گر پڑی۔“
 اس کی تعبیر بتائی گئی کہ :

”حجاج بن یوسف عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کی رط کی
 سے شادی کرے گا۔“

ایک شخص عبد اللہ بن مسیب کے پاس آیا اور اپنا یہ خواب بیان کیا کہ :
 ”میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بکرا تہیہ سے دوڑتا
 ہوا آیا اور اُس نے کہا کہ مجھے ذبح کرو، ذبح کرو۔“
 اُس نے کہا کہ بکرے کے کہنے پر میں نے اس کو ذبح کر دیا۔
 سعید نے اس کی یہ تعبیر بتائی کہ :
 ”ابن ام صلاء مر گیا۔“

ابھی خواب دیکھنے والا ان کے پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ اطلاع ملی کہ
 ابن ام صلاء مر گیا ہے۔ ابن ام صلاء اہل مدینہ کے موالی میں سے تھا اور اس
 کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ چغل خور ہے۔ لوگوں کی چغلیاں کھایا کرتا تھا۔
 قبیلہ نهم کا ایک شخص ایک دن آپ کے پاس آیا اور اپنا یہ خواب
 بیان کیا کہ :

”وہ آگ میں گھسا ہے۔“

سعید بن مسیب نے یہ خواب سن کر کہا :
اگر تم نے اپنا خواب صحیح بیان کیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم کو اس
وقت تک موت نہ آئے گی جب تک تم بحری سفر نہ کرو اور تم کو موت قتل
کے ذریعہ آئے گی۔ یعنی تم قتل کیے جاؤ گے۔“

یہ تعبیر بھی صحیح ثابت ہوئی۔ موت سے پہلے اس کو بحری سفر کرنا پڑا۔
اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد جنگ قدید میں تلوار سے قتل کیا گیا۔

حصین بن نوفل بھی عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ :
”میرے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اس لیے مجھے اولاد کی طلب تھی۔ میں
بے اولادی کی حالت ہی میں تھا کہ ایک دن میں نے خواب
دیکھا کہ میری گود میں انڈا ڈال دیا گیا ہے۔ اور یہ جس مرغی کا
انڈا ہے وہ مرغی غیر عربی یعنی عجمی ہے۔ وہ بیان کرتے
ہیں کہ میں نے یہ اپنا خواب جب سعید بن مسیب سے بیان کیا تو
آپ نے تعبیر یہ بتائی کہ :

”تمہارے ہاں اولاد نہ ہوگی، لیکن یہ اولاد تم کو کسی عجمی عورت
سے ہوگی کیونکہ مرغی عجمی ہے لہذا تم عجم میں رشتہ تلاش
کرو۔“

وہ کہتے ہیں کہ اس تعبیر اور مشورے کے بعد میں نے ایک باندی خریدی
جس سے میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ :

”میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں پھر اُٹھ کر دھوپ میں چلا گیا۔“

ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمہارا خواب سچا ہے تو :
”تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤ گے۔“
یہ سن کر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی کہ :

”مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا۔ لیکن پھر میں موقعہ پا کر نکل آیا۔“

اس وقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترسیم کر دی کہ :
”تم کفر پر مجبور کیے جاؤ گے۔“
یہ تعبیر بھی بالکل صحیح نکلی کہ :

”یہ شخص خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہو کر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا۔ لیکن پھر چھوٹ کر مدینہ واپس آیا۔“

اسی طرح کے بہت سے خواب اور ان کی تعبیرات کے بہت سے واقعات منقول ہیں جن کی تفصیلات میں اس وقت جانا مشکل ہے۔ تاہم خواب اور ان کی تعبیرات کے بارے میں جو چند اصول اُنھوں نے بتائے ہیں ان کا ذکر در بنا بر محل ہوگا۔

چند خاص باتیں

• سعید بن مسیب کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص خواب دیکھتا تھا اور آپ سے بیان کرتا تھا تو آپ تعبیر بتانے سے پہلے کہتے تھے کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔

• آپ کہا کرتے تھے کہ خواب میں خشک کھجور دیکھنے سے ہر حال میں رزق مراد ہے اور تر کھجور دیکھنے سے اس کے موسم ہی میں رزق مراد ہے۔

• چالیس سال اور اس کے بعد کی عمر میں دیکھا جانے والا خواب اور اس کی تعبیر اکثر درست ہوتی ہے۔

• خواب میں بیری دیکھنا ثبات دین کی علامت ہے۔
 • کہا جاتا ہے کہ سعید بن مسیب سے بڑھ کر خواب کی تعبیر جاننے والا کوئی نہ تھا۔ آپ نے یہ علم اسماء بنت ابوبکر سے حاصل کیا تھا اور حضرت اسماء نے یہ علم اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کیا تھا۔

• آپ کہا کرتے تھے کہ خواب کی تعبیر کبھی تاخیر سے بھی ملتی ہے اور اس کی مدت چالیس سال تک ہے۔

بددعا سے مُنہ کالا ہو گیا

ایک مرتبہ سعید بن مسیب نے علی بن زید سے کہا کہ ذرا تم اس شخص کا چہرہ تو دیکھو جو تمہارے اُونٹ کی نکیل اُٹھائے تمہاری قیادت کر رہا ہے۔ چنانچہ علی بن زید ان سے یہ سُن کر اس شخص کے پاس گئے اور دیکھا کہ وہ شخص کالا حبشی جیسا ہے لیکن اس کا جسم سفید اور گورا ہے۔ اُنھوں نے حضرت سعید سے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا وہ شخص اپنے چہرے سے تو بالکل سیاہ حبشی معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے جسم کے باقی حصے تو سفید ہیں۔ سعید نے کہا کہ میری بددعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا کر دیا ہے۔ پھر اس کی تفصیلات بتائے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ اس شخص نے میرے منہ پر حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو گالیاں دیں۔ میں نے اس کو منع کیا کہ ان کو گالیاں نہ دیا کرو۔ لیکن وہ نہ مانا تو میں نے اس کے حق میں بددعا کی کہ اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تیرا منہ کالا کرے۔ خدا کا کرنا ہوتا کہ اس کے چہرے پر ایک پھوڑا نکلا جس سے اس کا چہرہ کالا ہو گیا۔

نمونے کی شادی

دولت سے بے نیازی، اقتدار کی قربت سے اجتناب کی ایسی مثال بہت کم سنی ہوگی، اور ایثار، ہمدردی، سادگی۔ ایسا واقعہ شاید ہی تاریخ میں جگہ پاسکا ہوگا جس کی تخلیق سعید بن مسیب نے کی۔

سعید بن مسیب کی ایک لڑکی نہایت حسین و جمیل اور تعلیم یافتہ تھی۔ خلیفہ عبد الملک بن مروان اس لڑکی کو اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اپنے ولی عہد کے لیے ابن مسیب کے پاس پیغام بھیجا، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ عبد الملک نے بہت دباؤ ڈالا، اور مختلف قسم کی ان کے ساتھ زیادتیاں بھی اسی جذبے کے تحت کیں پھر بھی وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی اور غریب آدمی ابو وداعہ کے ساتھ اس لڑکی کی شادی کر دی۔

ابو وداعہ نے اپنی اس شادی خاز آبادی کا، جو خود ان کے لیے باعث حیرت و شادمانی تھی، واقعہ بیان کیا کہ،

”میرے سعید بن مسیب کے پاس پابندی سے جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ چند دنوں کی غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا تو ابن مسیب نے پوچھا اتنے دن تک غائب رہے؟ خیریت تو تھی؟

میں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے حاضر نہ ہو سکا۔

فرمایا مجھے کیوں خبر نہ دی، میں بھی تجھ پر تکفین میں شریک ہوتا میں خاموش رہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جب میں اُسٹھنے لگا تو انھوں نے کہا تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کر لیا؟ میں نے جواب دیا۔ میں غریب و نادار دوچار پیسے کی حیثیت کا

آدمی ہوں میرے ساتھ کون شادی کرے گا؟
فرمایا۔ میں کروں گا۔ تم تیار ہو۔

میں نے کہا بہت اچھا۔۔۔ سعید بن مسیب نے
اسی وقت دو رباتین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔
میں وہاں سے اٹھا تو فرط سرت میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا
کروں؟ گھر پہنچ کر رخصتی کے لیے قرض کی فکر میں پڑ گیا۔

ادھر شام ہوئی تو سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ
چلنے کا حکم دیا۔ پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی اور دو رکعت لڑکی
سے پڑھوائی، اس کے بعد اس کو لیے ہوئے میرے گھر پہنچے۔
ابو رواحہ (وامار) کہتے ہیں کہ جس وقت سعید بن مسیب اپنی لڑکی کو لیے
ہوئے ان کے گھر پہنچے۔ مغرب ہو چکی تھی اور میں روزہ افطار کرنے جا رہا تھا
کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے۔ جواب ملا سعید۔
میں سوچنے لگا کہ سعید بن مسیب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے
جاتے ہی نہیں ہیں یہ سعید کون ہیں؟ بہر حال اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ واقعی
سعید بن مسیب ہیں۔ انھیں دیکھ کر میں نے کہا آپ نے کیوں زحمت گوارا کی
مجھے بلا بھیجا ہوتا۔۔۔

فرمایا نہیں مجھے تمہارے پاس آنا چاہیے تھا۔
میں نے کہا فرمائیے کیا ارشاد ہے

فرمایا تم مجرد آدمی تھے اور تمہاری بیوی موجود تھی۔ میں نے خیال کیا تمہارا

کیوں بسر کرو۔ اس لیے تمھاری بیوی کو لے کر آیا ہوں، لویہ تمھاری بیوی ہے۔
 وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے اس کو دروازے کے اندر کے
 باہر سے دروازہ بند کر لیا۔ میری بیوی شرم سے گر پڑی میں نے اندر
 سے دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں
 کو پکارا اور ان کے سامنے شادی کا اعلان کیا۔ کہ آج سعید بن مسیب نے
 اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا اور اسے میرے گھر پہنچا گئے ہیں۔ میری
 ماں کو خبر ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر بغیر سنوارے ہوئے تم اس کے
 پاس گئے تو تمھارے چہرے پر نظر ڈالوں گی۔ چنانچہ تین دن تک
 انھوں نے دستور کے مطابق بنایا سنوارا۔ بننے سنوارنے کے بعد میں نے اس
 کو دیکھا تو وہ نہایت حسین، کتاب اللہ کی حافظ، سنت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کی عالم اور حقوق شوہر کی واقف کار عورت نکلی۔

نام کا اثر زندگی پر

سعید بن مسیب بن عزن بن ابی وہب بڑے جلیل القدر تابعی تھے،
 اور ان نفوس قدسیہ میں تھے جو اپنے علم و عمل کے اعتبار سے ساری
 دنیا نے اسلام کے امام اور مقتدی مانے جاتے تھے، ان کی ایک بڑی خصوصیت
 یہ بھی تھی کہ ان کے والد مسیب اور ان کے دادا عزن دونوں صحابی تھے۔
 فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے۔ حضور سید عالم نور مجسم
 صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ناموں کو جن کے ناموں میں برائی کا پہلو نہ ملتا ہو پسند نہ

فراتے تھے، اس لیے ان کے دادا جن کا نام حزن تھا اور جس کے معنی غم کے ہیں بدل کر آپ نے سہیل رکھنا چاہا۔ لیکن حزن نے جن میں اس وقت تک قدامت پرستی کا جذبہ باقی تھا نام کی تبدیلی پر یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نام والدین کا رکھا ہوا ہے اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں اس لیے اس کو نہ بدلے، ان کے عذر پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی نام رہنے دیا۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ کاش میرے والد ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق اپنا نام تبدیل کر لیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس نام ہی کی تاثیر ہے کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غم اور حزن چھایا رہا۔

ذوقِ سخن

یہ حقیقت ہے کہ سعید بن مسیب اسلام کے چیدہ اور چوندہ بزرگوں میں سے ایک تھے۔ وہ قرآن خوب سمجھتے تھے لیکن اس کی تفسیر بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔ آیات قرآن کی تفسیر و تاویل میں کبھی لب کشائی نہ کرتے تھے، جب ان سے قرآن کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو یہی جواب دیتے کہ میں قرآن میں کچھ نہ کہوں گا۔ البتہ حدیث رسول کا انہیں خاص ذوق تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے وہ کئی کئی رات اور کئی کئی دن سفر کرتے رہتے تھے اور انہوں نے اجل اور اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے حدیث رسول کی تعلیم حاصل کی۔ اور فقہ توران کا خاص فن تھا۔ وہ مدینہ کے مشہور قضاۃ میں تھے۔

ان تمام تر ذوق علم و عمل اور خالص مذہبی بزرگ ہونے کے باوجود حضرت سید بن مسیب کو شعر و سخن کا خاصا ذوق تھا وہ مذاق شعر و شاعری کو خلاف تقویٰ نہیں سمجھتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شعر و شاعری کو برا سمجھتے ہیں۔ فرمایا ان لوگوں نے عجی تشقب اختیار کر لیا ہے۔ تاہم وہ خود شعر نہیں کہتے تھے لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے۔

بہترین کلمات

سید بن مسیب چونکہ بڑے عالم جلیل القدر تابعی اور باعمل انسان تھے اس لیے ان کی باتیں حکمت کے موتی اور اقوال حکیمانہ ہوتے تھے۔ ان کا ایک ایک جملہ انمول، پند و مواعظت سے بھرا ہوا اور حکمت و دانائی کا دفتر ہوتا تھا۔ آپ نے چند اقوال یہ ہیں فرماتے ہیں :

- جب شیطان کسی معاملہ میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کو پورا کرنے اور انسان کو شکست دینے کے لیے عورتوں کو استعمال کرتا ہے اور ان کے ذریعہ کام کراتا ہے۔
- خدا کی اطاعت کرنا بندوں کے لیے اپنے نفس کی سب سے بڑی عزت کرتا ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہے۔
- دنیا ایک فرد مایہ شے ہے اور ہر اس فرد مایہ کی طرف مائل

ہے جو بغیر حق کے اسے حاصل کرتا ہے، بے جا وسیلوں سے طلب کرتا ہے اور بے محل صرف کرتا ہے۔

● — اس دولت دنیا میں کوئی خیر نہیں جس کو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلہ رحمی کرے۔

● — ظلم کے اعوان و انصار کو جب بھی دیکھو تو دل سے ان کے مظالم سے نفرت کرو تا کہ تمہارے اچھے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔

● — تمام انسان خدا کی پناہ و نگرانی میں اعمال کرتے ہیں جب خدا انہیں رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنی پناہ و نگرانی سے نکال دیتا ہے، اس وقت لوگوں میں اس کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔

● — کوئی شریف کوئی عالم اور کوئی باکمال ایسا نہیں جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے عیوب بیان نہ کرنے چاہئیں، اور یہ وہ ہیں جن کی خوبیاں ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں۔

● — عبادت نام ہے امور الہی میں غور و فکر کرنے کا اور اس کے محارم سے بچنے کا۔

● — عورت مرد کی کمزوری ہے، ہر عمر میں اس سے

ڈرنا چاہیئے۔ میں اپنے نفس کے بارے میں سب سے زیادہ
عورتوں سے ڈرتا ہوں۔

سعيد بن مسيب نے بتایا کہ:

”جو شخص صبح و شام سلام علی نوح فی العالمین کہتا ہے
اسے سانپ، بچھو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا سکتے۔“

غیبی دعا

حضرت سید بن مسیب اسی دوران میں جبکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
روضہ انور کے قریب مقیم تھے اور سیاسی حالات اور فتنہ و فساد کی وجہ سے
سخت پریشان تھے، ایک آواز آئی جس میں کوئی شخص ان کو مخاطب کر کے کہہ
رہا ہے کہ اے سید تم اس طرح ان کلمات کے ذریعہ دعا کیا کرو۔
اللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَمَا تَشَاءُ
مِنْ اَمْرٍ یَّکُوْنُ۔

سید بن مسیب کا خود بیان ہے کہ واللہ میں نے جس مصیبت اور تکلیف
کے وقت ان کلموں کو کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں فراخی اور سہولت عنایت
فرمائی۔

عالمین شہزادہ

امام عصر

عامر بن شراحیل الشعبی

باکمال عالم اور قاضی

اور
بیخوف مجاہد

”فساد کر مٹانا، عدل قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ داری ہے۔ ظلم جہاں کہیں بھی ہو رہا ہو اور جن ہاتھوں سے بھی ہو رہا ہے، اس کو گوارا کر لینا مسلمانوں کو نہیں سکھایا گیا ہے۔ جاح بن یوسف نے ظلم کے تاریخ بنائی تو امام شعبی اور دیگر اکابر تابعین نے عزیمت کیے بلند پایہ مثالیں قائم کیں۔ علم و عمل کے لیے بے علم جہل ہے۔ امام شعبی امام عصر تھے۔ درس، فتویٰ، سفارت اور منصب قضا ہر کام میں امام وقت مانے گئے۔ لیکن علم کو جب عمل کے ترازو پر تولنے کا موقع آیا تو اس میں بھی اُن کے عمل کا ترازو بھاری ثابت ہوا۔ اُنھوں نے جابر اور سفاک حکمران کے منہ پر سچ کہہ دیا اور کامیاب ہو گئے۔“

جنگی تقریریں

”اے مسلمانو! دشمنوں سے لڑو، ان سے لڑنے میں آپ کو کسی قسم کا باک نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ تمام روٹے زمین پر کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو ان سے زیادہ ظالم اور جفا جو ہو، آپ لوگوں کو ان پر بڑھ کر حملہ کرنا چاہیئے“ (شعبی)

”آپ لوگ اپنے دین و دنیا کی حفاظت کے لیے جنگ کیجیے بخدا اگر دشمن نے آپ پر فتح پائی تو نہ صرف آپ کے مذہب میں فساد پھیلانے کا بلکہ آپ کے مال و اسباب اور جائیداد پر قبضہ کر لے گا“ (ابو النختری)

”آپ لوگ دشمنوں سے لڑیں اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ان کے خلاف لڑنے میں آپ کا شمار کسی طرح گنہگاروں میں نہ ہوگا، بلکہ آپ تو ان کے معاصی، ان کے مظالم، مذہب اسلام میں ان کی بے جا مداخلت اور بدعات کے خلاف لڑیں

گے۔ آپ جن کے خلاف اپنی تلواریں اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کمزوروں کو ذلیل اور ناز کو مردہ کر دیا ہے۔ (سید بن جبیر)

یہ تین اور دوسرے بہت سے علمائے حق جن میں ابوالنختری الطائی، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ اور دوسرے ۱۵ اکابرین قریش شامل ہیں۔ حجاج بن یوسف کے ظلم کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے تاریخ اسلام میں یہ نظیر قائم کر دی ہے کہ کسی بھی ظالم اور جفاکار حکومت کے خلاف کھلی بغاوت کی جاسکتی ہے۔ گرچہ حکمران اپنے کو مسلمان اور اسلام کے داعی اور حق کا علمبردار کہتا اور سمجھتا ہو۔ لیکن اس کے عمل و دخل سے اگر شرعی نظام پامال، عدل و انصاف، ملامت اور سکون و اطمینان غارت ہو کر رہ گیا ہو۔۔۔۔۔ اس نے دین میں بیجا مداخلت، خون مسلم کو ارزاں اور خدا کے باغیانہ روش کو اپنا طریقہ بنالیا ہو تو مسلح بغاوت کر کے ایسے حکمرانوں کو اقتدار سے ہٹایا جاسکتا ہے۔

اگرچہ یہ جنگ براہ راست حکومت کے خلاف نہ تھی بلکہ حکومت کے مقرر کردہ ایک ایسے اعلیٰ ترین حاکم کے خلاف تھی جو حکومت کا دست بازو تھا۔ اور پوری مملکت اسلامیہ پر اپنی بعض صلاحیتوں کی وجہ سے چھایا ہوا تھا۔۔۔۔۔ یہ تھا تاریخ اسلام کا نامور ایڈمنسٹریٹر حجاج بن یوسف۔

سیاسی پہلو

امام شعبی کی زندگی کا یہ سیاسی پہلو اس وقت کھل کر سامنے آیا جب حجاج کے ظلم و زیادتی نے لوگوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ ملک میں ایک عام بے چینی پائی جاتی تھی۔ اور حالات صاف بتا رہے تھے کہ کچھ ہو کر رہے گا۔ حالات کی اسی سنگینی کے زمانہ میں حجاج بن یوسف اور عبدالرحمن بن اشعث کا اختلاف ہو گیا اور اس اختلاف نے رفتہ رفتہ جنگ کی صورت اختیار کر لی اور یہ جنگ فوجی سطح سے نکل کر عوامی سطح میں پہنچ گئی اور کوفہ، بصرہ اور عراق کے لوگوں نے اس میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور نہ صرف یہ کہ اس جنگ میں عام لوگوں نے حصہ لیا اور فریق مخالف بن کر سامنے آئے بلکہ خواص، ممتاز تابعین علماء، قراء اور صاحب فہم و دانش بھی اس جنگ میں کود پڑے۔

پہلا معرکہ

عبدالرحمن بن اشعث اور حجاج کی فوجوں کے درمیان جب پہلا زبردست معرکہ تسمت کے مقام پر ہوا تو اس جنگ میں حجاج کی فوج کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں سے حجاج زادیہ پہنچا اور یہاں جنگ کی تیاریاں ہوئیں اور معمولی سی جھڑپ کے بعد عبدالرحمن اپنی فوج کے ساتھ بصرہ میں داخل ہو گئے۔ بصرہ کے لوگوں نے ابن اشعث

کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔۔۔۔۔ اور تمام لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ قاریوں کی جماعت نے بھی جن میں امام شعبی شامل ہیں اس کا ساتھ دیا اور تمام دوسرے لوگ بھی جو جنگ کے قابل تھے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔۔۔۔۔ کیونکہ حجاج کے ظلم سے تنگ آ کر یہ لوگ حجاج سے جنگ کرنے کیلئے پہلے ہی سے پر تول رہے تھے اور اس جلتی پراہک ایک اور واقعہ نے جو تیل ڈال دیا جس سے وہ بھڑک اُٹھے تھے اور جنگ میں ابن اشعث کا ساتھ دینے کے لیے فوراً تیار ہو گئے تھے۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ بصرہ کے عمال نے حجاج کو یہ اطلاع دی تھی کہ خراج کی آمدنی بند ہو گئی ہے بہت سے ذمی مسلمان ہو گئے ہیں اور شہروں میں آباد ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ اس اطلاع پر حجاج نے اسلام کے مطابق کوئی منصفانہ کارروائی کرنے کے بجائے یہ حکم جاری کر دیا کہ وہ تمام لوگ جن کے پاس گاؤں یا مضافات، اراضی یا باغات ہوں وہ فوراً گاؤں واپس چلے جائیں اور شہر خالی کر دیں۔۔۔۔۔ اس کے بعد اس نے سخت گیر قسم کے لوگوں کو خراج کی وصولی پر مامور کر دیا جو سختی سے خراج وصول کرنے لگے۔۔۔۔۔ اس صورت حال سے وہاں کے لوگ سخت پریشان ہو گئے آہ و زاری کرنے لگے اور یا محمد اے یا محمد اے پکارنے لگے اور ایسے پریشان ہوئے کہ داسین رحمت تلاش کرنے لگے تاکہ اس میں پناہ لے سکیں بصرہ کے اہل علم و دانش ان حالات کو دیکھ دیکھ کر روتے تھے۔۔۔۔۔ انہی حالات میں جب لوگوں کا غصہ بھڑکا ہوا تھا اور وہ کسی کے ساتھ مل کر اپنے جذبہ انتقام کو ٹھنڈا کرنا چاہتے تھے کہ عبدالرحمن بن اشعث

حجاج سے جنگ کرتا ہوا بصرہ میں داخل ہو گیا۔ ان کے لیے یہ بہترین موقعہ تھا۔ چنانچہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن لوگوں نے صورتِ حال سے پریشان تھے۔ فوراً اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اب عوام کا غصہ حجاج سے بڑھ کر عبد الملک بن مروان تک جا پہنچا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اصل مجرم وہی ہے جس نے جان بوجھ کر حجاج کو تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ہے۔ بصرہ کے قریب دیر جا جم میں دونوں طرف فوجیں جمع ہو گئیں اس موقعہ پر ابن اشعث کے ساتھ تقریباً دو لاکھ جنگجو تھے۔ دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے گرد خندقیں کھودیں اور خندقوں سے نکل نکل کر جنگ کرنے لگے۔ اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا سرکہ جنگ و قتال میں سختی آتی جاتی۔

دانش و دلوں کی کوشش

جب اس کی اطلاع اہل شام اور قریش کے سربراہ آئندہ لوگوں کو ہوئی تو وہ اور دوسرے لوگ عبد الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تجویز پیش کی کہ حجاج کے خلاف چونکہ لوگوں کے جذبات شدید ہیں اگر حجاج کو موقوف کر دیا جائے تو بہت زیادہ امکان ہے کہ یہ جنگ فرو ہو جائے۔ ہمارے خیال میں حجاج کا برطرف کر دینا ان سے لڑنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ اس لیے آپ حجاج کو عراق کی گورنری سے برطرف کر دیجئے، اہل عراق پہلے کی طرح آپ کے مطیع و فرمانبردار بن

بن جائیں گے اور ہماری اور اُن کی جانیں بھی سلامت رہیں گی۔

تجویز سے اتفاق

عبدالملک بن مروان نے اس تجویز سے اتفاق کیا، اور اس مقصد کے لیے اپنے بیٹے عبداللہ کو بلایا اور اپنے بھائی محمد بن مروان کو جو اس وقت موصل میں تھا بلا بھیجا۔ یہ دونوں جب آگئے تو اُس نے اُن سے کہا کہ تم ہمارے نمائندہ بن کر اہل عراق کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ہم حجاج کو برطرف کرتے ہیں اور تمہیں بھی اسی طرح باقاعدہ و طیفے ملا کریں گے جس طرح شامیوں کو ملتے ہیں۔ اور عبداللہ بن اشعث عراق کے جس شہر کو پسند کریں وہاں چلے جائیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اور خلیفہ ہوں، اُس وقت تک وہ اس شہر کے حاکم رہیں۔ اگر اہل عراق ان شرائط کو قبول کر لیں تو حجاج کو موقوف کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ محمد بن مروان عراق کے گورنر ہوں، اور اگر عراقی ان مراعات کو نامنظور کر دیں تو پھر حجاج ہی اہل شام کی جماعت کا سربراہ رہے گا اور تمام جنگی مہمات کا انتظام کرے گا۔ اور تم دونوں بھی اس کے ماتحت رہو گے اور اس کے احکام کی تعمیل کرو گے۔

دیر جماجم میں مقابله

جس وقت یہ دونوں عراق پہنچے اس وقت دیر جماجم میں دونوں فوجیں صف آرا تھیں اور ان کے گرد خندقیں کھودی ہوئی تھیں۔ پہلے

عبدالملک کا بیٹا میدان میں نکل کر اہل عراق کے سامنے آیا اور عراقیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں عبداللہ امیر المومنین کا بیٹا ہوں۔ امیر المومنین نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے وہ آپ کو یہ مراعات دینا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد محمد بن مروان ان کے سامنے آیا اور اس نے عراقیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں امیر المومنین کا قاصد ہوں۔ امیر المومنین نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اور یہ مراعات آپ کو دی ہیں۔ پھر ان مراعات کو بیان کر دیا ہے جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔

جذبات کی تیزی کا مہلکار گئی

امیر المومنین عبدالملک بن مروان کا یہ پیغام سن کر لوگوں نے کہا کہ آج شب ہم اس پر غور کریں گے۔ چنانچہ بلا استثناء تمام اہل عراق رات کے وقت ابن الاشعث کے پاس ان شرائط پر غور و خوض کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ ابن الاشعث کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں آج ایک ایسا موقع ملا ہے جس سے تم کو فوراً فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگر اس ذریعہ موقع کو آج ہاتھ سے جانے دیا گیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کل تم کو کف افسوس ملنا پڑے۔ دیکھو آج ہمارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان برابری پر فیصلہ ہو رہا ہے۔ کل اگر تم نے جنگ زاویر میں شکست کھائی تھی تو جنگ تتر میں تمہارے دشمنوں کو بھی تمہارے ہاتھوں سے

شکست کا سامنا کرنا پڑ تھا۔۔۔۔۔ اس لیے میری دانست میں بہتر یہی ہے کہ جو شرائط تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں اسے فوراً قبول کر لو۔۔۔۔۔ جہاں تک اخلاقی نقطہ نظر کا تعلق ہے تمہارا پلہ اس لحاظ سے بھاری ہے، اور سیاسی اعتبار سے بھی تم ہی لوگ اُس وقت وزن دار ہو، غالب اور فتح مند تم ہی سمجھتے جاتے ہو، تمہارے دشمن تم سے خوف زدہ ہیں کیونکہ تم ان کو بھاری نقصان پہنچا چکے ہو۔۔۔۔۔ اس لیے اگر آج ان شرائط پر صلح کر لی جاتی ہے تو پھر ہمیشہ تم ہی ان پر دیر ہو گے اور تمہاری ہی بات ان کے نزدیک وزن دار ہو گی۔۔۔۔۔

یہ تقریر تمام تر خوبیوں کے باوجود مجمع عام میں لوگوں کو اچھی نہیں لگی اور حجاج کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت کے شدید خدشات پائے جاتے تھے۔۔۔۔۔ اور ان کو اس سے اس قدر شدید عداوت اور بغض تھا کہ اُس نے صلح و خیر کا راستہ دیکھنے سے ان کو معذور کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس تقریر سے اختلاف کرتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا ہے۔ قحط، تنگی، افلاس، بھوک، قلت سامان اور خوراک نے ان کو ذلت و رسوائی کے قریب کر دیا ہے ان کے مقابلے میں ہم تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور ہماری مالی حالت بھی اچھی ہے۔ خوراک اور دیگر سامان بھی ہمارے پاس زیادہ ہے ہم کبھی ان شرائط کو قبول نہیں کریں گے، بلکہ اب تو ہم مروانی حکومت کا خاتمہ کیسے بغیر دم نہ لیں گے۔۔۔۔۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے عہد الملک سے

اپنی بغاوت اور مخالفت کا اعلان کر دیا۔

بغاوت کا انجام

ایک بڑی اور مضبوط حکومت کے مقابلے میں ایک یا چند علاقوں کے لوگوں کی بغاوت و سرکشی کا جو انجام ہوتا ہے وہ ہوا نہ شعبی کی تقریر اس شکست کو روک سکی، نہ سعید بن جبیر کی تلواریں لڑائی کا رخ موڑ سکیں اور نہ ہی ابوالخثری کا فتویٰ کچھ کام دے سکا اور نہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ الفقیہ کی یہ تقریر: اے قرآن! قرآن کے حافظ و عالم! کے گروہ میدان جنگ میں بھاگنا کسی شخص کے لیے اس قدر مذہوم نہیں ہے جتنا آپ لوگوں کے لیے ہے۔ میں حضرت عسلی کرم اللہ وجہہ سے جب ہمارا شامیوں سے مقابلہ ہوا یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص مجرمانہ فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے کسی شخص کو دیکھے، یا کسی بری اور ممنوع باتوں کی طرف لوگوں کو بلاتے ہوئے کسی کو پائے اور وہ اپنے دل میں اس کے فعل اور عمل و دعوت کو برا سمجھے اور اس سے قلبی نفرت کا اظہار کرے تو وہ خدا کے سامنے ذمہ داری سے بچ جائے گا۔ اور اگر کوئی اپنی زبان سے اس فعل پر نفرت کا اظہار کرے اور مخالفت کرے تو اسے اللہ کے یہاں اچھا اجر ملے گا۔ اور وہ

حق و صداقت کے سراسر خلاف ہوگا۔۔۔۔۔ اس لیے کسی قسم کی معذرت خواہی کے بغیر میں سچ یہ عرض کرتا ہوں کہ بخدا ہم نے آپ کے خلاف بغاوت کی اور آپ کے خلاف کارروائی میں جتنا کچھ بھی ممکن ہو سکا کیا۔ نہ کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، کوئی کوشش بھی ایسی نہ تھی جو کر سکتے تھے اور وہ نہ کی، لوگوں کو جوش بھی دلایا اور خود بھی پورے جوش و حرارت کا مظاہرہ کیا۔ اور آپ کے خلاف کارروائی میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دی۔۔۔۔۔ اس لیے ہم صاف اقرار کرتے ہیں کہ ہم بے گناہ نہیں ہیں۔۔۔۔۔ البتہ یہ خسارہ ضرور ہوا کہ اس جرم و بغاوت کا ارتکاب بھی کیا تو ہمیں اقتدار بھی حاصل نہ ہو سکا بلکہ اس کے برعکس شکست کا سامنا کرنا پڑا اور درماندگی حاصل ہوئی، اور آپ کے سامنے ایک گنہگار کی حیثیت سے پیش کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فتح دی ہے اس لیے اب اگر آپ ہمارے ساتھ سختی کا پرتاؤ کریں گے، تو خود ہمارے افعال و حرکات اس سختی کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر آپ ہمیں معاف کر دیں گے تو یہ آپ کے حلم و جذبہ خیر و فلاح اور مروت کی بنا پر ہوگا۔۔۔۔۔ اور ہم سمجھتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ ارتکاب بغاوت کے ثبوت کے بعد آپ کو ہم پر پورا پورا اختیار حاصل ہے۔

اس تقریر کو سن کر حجاج نے کہا۔۔۔۔۔ بخدا اقرار جرم کی وجہ۔

سے لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کرایا وہاں یہ بھی اعلان کرایا تھا کہ جو شخص ”رے“ میں قتیبہ بن مسلم کے پاس چلا جائے گا تو اُسے امان دے دی جائے گی۔ اس لیے بہت سے آدمی رے میں قتیبہ کے پاس چلے گئے۔ ان لوگوں میں ایک یہی ”عامر الشیبی“ بھی تھے۔

امام شعبی پہچان لیے گئے

امام شعبی ایک عرصہ تک رے میں قتیبہ بن مسلم کے ہماں رہے وہ ان کا بہترین دوست اور قدردان تھا۔ ان کو بہت عزت و احترام سے رکھتا تھا۔ اور سرکاری امور میں ان سے مدد لیتا تھا اور اکثر سرکاری خطوط کے جوابات انہی سے ڈرافٹ کراتا تھا۔ ایک موقع پر حجاج کو بھیجا جانے والا خط انہوں نے مرتب کیا جو بھیج دیا گیا۔ الشیبی ایک خاص طرزِ تحریر کے مالک تھے۔ خط پڑھ کر حجاج کی تحریر یاد آگئی۔ اور ان کا خیال مٹا اس کے دل میں پیدا ہو گیا۔ اور اُس نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ آج کل شعبی کہاں ہیں۔ اور بغاوت میں ان کا کیا رول رہا ہے۔

یزید بن ابی مسلم نے جواب دیا جناب والا مجھے اطلاع ملی ہے کہ شعبی رے میں قتیبہ کے پاس چلے آئے ہیں۔

شعبی اور حجاج

حجاج نے یہ سُن کر کہا، اچھا تو وہ وہاں ہیں، خوب، اب میں کسی

کو بھیج کر ان کو یہاں بلواتا ہوں۔۔۔۔۔ پھر ایک خط قیبہ کو لکھا کہ اس خط کو پڑھتے ہی تم شعبی کو میرے پاس بھیج دو۔ اور یہ خط دے کر اپنا مقاصد قیبہ کے پاس روانہ کر دیا۔

شعبی خود اس واقعہ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ قیبہ بن ابی مسلم میرے مخلص دوست تھے۔۔۔۔۔ ان سے میں نے پوچھا کہ میں حجاج کے پاس تو جاتا ہوں لیکن آپ مشورہ دیجیے کہ میں کیا کروں۔۔۔۔۔

شعبی حجاج کے حضور میں

ابن ابی مسلم نے کہا کہ اس بارے میں میرا مشورہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہاں تک تم سے ہو سکے حجاج کے سامنے عذر و معذرت ہی کرنا۔۔۔۔۔ یہی مشورہ میرے عزیزوں اور بعض دوسرے مخلص دوستوں نے بھی دیا۔ چنانچہ اس مشورے کے ساتھ میں حجاج کے سامنے آیا۔۔۔۔۔ اور تمام لوگوں کے مشورے کے برعکس میں نے صریح اور سچی سچی باتیں کہہ دیں اور کسی قسم کی عذر خواہی نہیں کی۔

جب میں حجاج کے سامنے آیا تو اول میں نے اس کو امیر کے لفظ سے خطاب کر کے سلام کیا۔ پھر کہا

اے امیر لوگوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی برأت کا اظہار کروں۔۔۔۔۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں آکر اپنی برأت کے بارے میں کچھ کہوں تو میرا یہ کہنا

شعبی اور سعید بن جبیر

اس موقع پر یہ واضح کر دینا غیر ضروری نہیں ہو گا کہ عامر بن شراحیل شعبی اور سعید بن جبیر ایک ہی معرکہ، دیر جہاچم میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ یعنی حجاج کے خلاف جب ابن اشعث نے علم بغاوت بلند کیا تو سعید بن جبیر، شعبی اور دوسرے بہت سے صاحب علم و فضل و کمال لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور یہ جنگ مینوں جباری رہی۔۔۔۔۔ ابتداء میں تو ابن اشعث کی فوج اور اس کے ساتھیوں کو بڑی اہمیت حاصل رہی کیونکہ اس کی قوت نہایت مضبوط تھی، اور اُس نے عراق کا بڑا حصہ بھی فتح کر لیا تھا۔ لیکن حجاج کی مخالفت سے بڑھ کر اُس نے چونکہ حکومت کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اس لیے جب حجاج کی مدد میں مرکزی حکومت کی امداد اور سرکاری کمک پہنچ گئی تو پھر اس کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا اور آخر کار دیر جہاچم کے معرکہ میں اس کو نہایت فاش شکست ہوئی اور اس کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی۔

●۔۔۔۔۔ شکست کے بعد سعید بن جبیر مکہ چلے آئے اور شعبی قتیبہ کے پاس چلے گئے۔۔۔۔۔ ابن جبیر کو مکہ کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ جہاں اُنھوں نے اپنے طرز فکر و عمل کا بڑا اظہار کیا۔ اور شہید کر دیئے گئے۔ امام شعبی نے ”سچی سچی بات“ معذرت

خواہانہ انداز" میں کی اور معاف کر دیئے گئے۔

● ظلم و نا انصافی کے خلاف تلوار اٹھانا مسلمانوں کی تاریخ ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس بارے میں حق گوئی اور بے باکی کا مظاہرہ جتنا مسلمانوں نے کیا ہے دنیا کی تمام قوموں نے مل کر بھی نہ کیا ہو گا۔

● اسلام میں حق گوئی اور بیباکی کی اس قدر مثالیں ملنے کی وجہ جہاں اسلام کی تعلیمات ہیں وہاں مسلمان اُمراء اور خلفاء کا وہ حق پرستانہ رویہ بھی ہے جس کا اُنھوں نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر اظہار کیا ہے اور ان کی اسی حق پرستی اور خدا ترسی کی وجہ سے لوگوں کے اندر بھی حق گوئی کی جراثیم پیدا ہوئیں۔

● جہاں زبانی جراتوں کا موقعہ ہوا وہاں زبانی جراثیم کہیں اور جہاں ہاتھ کی قوت اور تلوار کے ذریعہ جسارت کرنے کی ضرورت محسوس کی وہاں تلواریں اٹھا لیں۔

● بے حسّی کی کینیت، ناسازگار حالات سے سمجھوتہ کر لینے کی عادت، ظلم کی چکیوں میں پستے رہنے اور آف تک نہ کرنے والا مزاج مسلمانوں کا کبھی نہیں رہا ہے۔

● عام آدمی نہ ہی خاص لوگ تو ہر دور میں ایسے ضرور موجود رہے ہیں جنھوں نے بڑھ کر آہنی پنجوں کو توڑنے کی کوششیں کیں اور بڑی سے بڑی جابر طاقتوں کے سامنے آنکھوں سے آنکھیں ہلا کر کھڑے ہو گئے۔

اس کے لیے وہ دارورس پر بھی چڑھے، جیل کی کال کو کھڑکیوں میں بھی بند ہوئے۔ کوڑے بھی کھائے، رسوائیاں بھی سہیں اور انتہیں بھی برداشت کیں۔ لیکن کلمہ حق کہنے سے باز نہ آئے۔

دور اول میں چونکہ عام لوگ بھی حساس تھے، حق و باطل کی تمیز رکھتے تھے، اس لیے معمولی سے معمولی واقعہ پر اظہار حق کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ یا اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کر دیتے تھے اس لیے کبھی یہی اظہار حق ان کی جانوں کا لاگو ہو جاتا تھا اور کبھی اس کی وجہ سے جنگ کی صورتیں پیدا ہو جاتی تھیں اور تیغ آزمائی کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو جاتا تھا۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ عام لوگوں کی ناپسندیدگی کا کوئی واقعہ ہوا ہو اور اسلامی معاشرہ سناپ سوٹکھنے کی طرح کم سم ہو گیا ہو۔ ہاں یہ تو ضرور ہوا ہے کہ اس پر کچھ لوگ تلواریں ہونت کر کھڑے ہو گئے ہیں اور کچھ لوگ خاموش نظر آئے ہیں۔ لیکن اس خاموشی کی وجہ ان کی بزدلی تھی اس کا ثبوت نہیں ملتا تھا، بلکہ اس خاموشی اور بے تعلقی میں ان کے طرز فکر کی مخلصانہ تاویلات نمایاں نظر آتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس طرح اٹھ کھڑے ہونے کو یا تو فساد فی الارض سمجھتے تھے، یا نقص امن کا ذریعہ یا چند جبرأت مند لوگوں کی لا حاصل کوششیں، اور یہ کہ ہلاکت کے گھڑے میں کود جانے اور جانتے بوجھتے تباہی مول لے لینے کو وہ جبرأت و جبارت نہیں سمجھتے تھے۔

اس بارے میں بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن دو مثالیں ہی کافی ہوں گی اور خود امام شعبی کے بیان کردہ ایک واقعہ کا ذکر ہی غالباً مفید اور کافی ہو گا۔

مشہور تابعی مسروق بن اجدع کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ امام شعبی نے کہا کہ:

حضرت مسروقؓ نے کسی جنگ میں بھی حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دیا

اور نہ ہی کبھی کسی کی طرف سے ان کے مقابلے میں آئے۔

حالانکہ یہ بہت بڑے مجاہد، انتہائی دلیر، اور ماہر جنگ تھے۔

ان کا شمار مین کے مشہور شہسواروں میں ہوتا تھا، قادیسیہ کے

مشہور معرکے میں شریک ہوئے اور لڑتے لڑتے ان کا ہاتھ شل

ہو گیا اور سر میں گہرا زخم آیا تھا۔ اس جنگِ قادسیہ میں ان

کے تیلینوں بجائی عبداللہ، ابوبکر اور منتشر شہید ہوئے تھے

————— اتنے بڑے ماہر جنگ اور شجاع سے جب پوچھا

جانا کہ آپ نے حضرت علیؓ کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔

تو کہتے کہ تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔

کہ فرض کرو کہ جب ہم لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں

صف آرا ہوں اور فریقینِ اسلحہ نکال کر ایک دوسرے کو قتل

کر رہے ہوں تو اُس وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے آسمان

میں کوئی دروازہ کھل جائے اور اُس سے فرشتے اُتر کر دونوں

صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم ایک دوسرے
کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہاری
باہمی رضامندی سے تجارت کے طریقے سے حاصل
ہو، اور اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو، اللہ تعالیٰ
تمہارے حال پر رحیم ہے۔

تو اب یہ بتاؤ کہ ان فرشتوں کا یہ کہنا فریقین کے لیے مانع جنگ
ہو گیا یا نہیں۔۔۔۔۔ یعنی تم یہ آیت سن کر جنگ سے
رک جاؤ گے یا نہیں، کہنے لگے کہ ہاں ضرور رک جائیں گے
یہ جواب سن کر مسروقؓ نے کہا،

”خدا کی قسم تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ
آسمان کا دروازہ کھول چکا ہے اور اس دروازے
سے نکل کر ایک فرشتہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم پر اتر چکا ہے اور اس نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی زبان مبارک سے تمہیں یہ حکم سنا چکا ہے“

جو قرآن عظیم میں موجود ہے۔۔۔ اور اس حکم کو
 کسی چیز نے منسوخ بھی نہیں کیا ہے۔۔۔ تو اب
 بتاؤ کہ خدا کا ایک فرشتہ جب نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم کے پاس آچکا ہے اور آپ کے ذریعے خدا
 کا یہ پیغام تم کو دے چکا ہے۔۔۔ تو پھر تم
 آپس کی جنگ سے کیوں باز نہیں آجاتے۔۔
 حالانکہ ایمان بالغیب عینی مشاہدے کے ایمان سے
 بہت زیادہ بہتر ہے۔“

ان ہی مسروق بن اجدعؓ کے بارے میں عاصمؓ اپنا عینی مشاہدہ بیان
 کرتے ہیں کہ:

جنگ صفین ہو رہی تھی۔ مسروق ابن اجدع اس جنگ سے
 مسلمانوں کو روکنے کے لیے میدان میں گئے اور دونوں صفوں
 کے درمیان کھڑے ہو کر یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں
 باہمی جنگ و جدال سے روکتا ہے۔ آخر تم جنگ سے کیوں
 باز نہیں آجاتے۔ اور پھر مندرجہ بالا آیت پڑھ کر سنائی۔

مسروق بن اجدعؓ کی ساری شجاعت و شہادت اسلام کی خدمت
 کے لیے اور غیروں کے مقابلے میں تھی۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی میں وہ کہیں
 بھی شریک نہیں ملتے ہیں، مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیشہ ان کی تلوار
 نیام میں رہی۔ عثمانی عہد کے ہنگامے ہوں، یا جنگ جمل ہو یا جنگ

صفین آن میں سے کسی میں اُنھوں نے حصہ نہیں لیا۔ اور ایک خانہ جنگی میں
میں ملوث ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو کوفہ چھوڑ کر قرین چلے گئے۔

۲۔ حسن بصری

اس کی دوسری نمایاں مثال حضرت حسن بصریؒ کی ذات میں ملتی ہے۔ وہ ظالم
حکومتوں اور جاہل امراء کے مقابلے میں سکوت افضل سمجھتے تھے۔ ایک وہ شور و فتنہ
اور انقلاب اور انقلابی جدوجہد سے علیحدہ رہنا پسند کرتے تھے۔ ہم دیکھتے
ہیں کہ اُموی دورِ خلافت میں ان کے عہد میں جتنے انقلابات آئے، جو جو فتنے
اُٹھے، اور جو انقلابی کوششیں ہوئیں، اور جیسا جیسا بھی ظلم آیا اور لوگوں
کے سرے گزر گیا، وہ اپنی جگہ پر رہے کبھی کسی کارروائی میں شریک نہیں ہوئے
بلکہ دوسروں کو بھی اس میں پڑتے سے روکتے رہے۔

● عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں جب ابن اشعث

نے یزید بن عبد الملک کے زمانہ میں ابن مہیب نے علم بغاوت

بلند کیا تو کچھ آدمیوں نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ ان

فتنوں میں شرکت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا

فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دو۔

● ایک مرتبہ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ اُمراء ظالم

ہو چکے ہیں اور حق کے خلاف کام کرنے لگے ہیں آپ اُمراء کے

پاس جا کر امرا بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں فرماتے۔

تلوار سے عقوبت خداوندی کا مقابلہ نہ کرو بلکہ صبر و سکون اور خاموشی سے کام لو اور بارگاہ خداوندی میں صبر و ثبات اور تضرع و زاری پیش کرو۔ تم نے شامیوں کے بارے میں میری رائے پوچھی ہے، تو ان کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ حجاج انھیں دنیا کا لقمہ تر دے کر ان سے ہر کام کرا سکتا ہے۔

زندگی کے دونوں پہلو

● ————— زندگی کے دونوں پہلو سامنے آگئے ہیں۔ وقت اور حالات اور پخت و اتفاقات، کرشمہ حیات دکھاتے رہتے ہیں وقت آنے پر یہ مثالیں ہمارے کام آ سکتی ہیں ————— اور ہم اپنی زندگی میں پیش آنے والے مسائل ان کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں جو کشت و خون نظر آتا ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں مسلمان بے غیرت اور دین کے معاملے میں کبھی بے حس نہیں رہے ہیں۔ جب کبھی اور جہاں سے جو خرابی اُبھری کسی طرف سے ایک حق پرست اُٹھا اور اُس سے آدمی کا ساتھ دینے والے ہزاروں اور لاکھوں آدمی ہر طرف سے نکل آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ویسا ہی اسلام آج بھی ہمارے یہاں موجود ہے جیسا اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ نکھرا نکھرا اور صاف، صاف۔

پیدائش

عامر بن شراحیل شعبی جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کے ہوش سنبھالنے کے وقت صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت موجود تھی اور ان کی بود و باش بھی ایسے مرکزی مقام پر تھی جہاں بہت سے صحابہ اقامت پذیر تھے اور ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اس لیے انہیں پانچ سو صحابہ کرام کو دیکھنے کا شرف حاصل تھا۔ ۴۸ صحابہ کرام سے تو باضابطہ انہوں نے فیض اٹھایا تھا۔ خیر الامت حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں آٹھ، دس ماہ تک مستقل قیام کر کے ان کے کمالات سے فیض یاب ہوئے تھے۔ عامر شعبی کی پیدائش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ جنگ جلولاء کے سال پیدا ہوئے تھے۔ اور یہ جنگ جلولاء کے مقام پر مسلمانوں اور ساسانی بادشاہ کے درمیان ۱۶ھ میں ہوئی تھی جس میں مسلمانوں نے ساسانیوں کو شکست فاش دی تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۹ھ میں ہوئی تھی۔ کیونکہ ان کی ماں جلولاء کے قیدیوں میں تھیں جو ان کے والد شراحیل کے حصہ میں پڑی تھیں، اس لحاظ سے ان کی پیدائش کا سال ۱۹ھ ہی قرار دیا جاتا ہے۔

فضل و کمال

یہ واقعہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام کی محنت اور فیض نے ان کو

امام عصر بنا دیا تھا۔ تمام لوگ ان کو اپنے عہد کا امام بھی سمجھتے تھے۔ حافظ ذہبی ان کو امام، حافظ اور فقیہ کہتے تھے۔ ابن عماد حنبلی ان کو امام البحر العلم کہتے تھے۔ ابواسحاق الحیال کا بیان ہے کہ شعبی حبلہ علوم میں یگانہ عصر تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ، معازی، ریاضی اور ادب و شاعری سب میں انھیں یکساں دست گاہ حاصل تھی۔ قرآن کے نہایت ممتاز قاری تھے، اس کمال کی وجہ سے وہ زعیم القراء کہلاتے تھے۔ گرجہ قرآن پاک کی تفسیر میں بھی ان کو پورا درک تھا تاہم اپنی محتاط مزاجی کی وجہ سے تفسیر بیان نہیں کرتے تھے۔ اس لیے مفسر قرآن کی حیثیت سے ان کو شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ البتہ حدیث کے جلیل القدر حافظ بلکہ علم حدیث میں امام العصر تسلیم کیے گئے ہیں۔ انھوں نے صحابہ کرامؓ اور تابعین کی بڑی جماعت سے حدیثیں سنی تھیں، جن میں حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری، ابو سعید انصاری، ابو ہریرہ، مغیرہ بن شعبہ، نعمان بن بشیر، حسین بن علی، زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں۔ صحابہ کرام کے علاوہ ۱۲ تبعین کی بہت بڑی تعداد سے بھی انھوں نے استفادہ کیا ہے۔

حدیث کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص ذوق بخشا تھا اس لیے اس کے حصول کے لیے دن رات محنت کرتے تھے اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ ان کی جائز گاہ مشقتوں کا اندازہ ان کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ

آپ نے اتنا علم کہاں سے اور کس طرح حاصل کیا تو انھوں نے جواب دیا۔
 — غم و اندوہ کو بھلا کر ملکوں کی سیاست کر کے گدھوں جیسی طاقت برداشت
 اپنے اندر پیدا کر کے اور کوڑوں کی طرح سحر خیزی کی عادتیں ڈال کر حاصل کیا۔

علم احادیث

احادیث شریفہ کے لینے میں وہ بہت محتاط تھے اور اس کے لیے بہت
 زیادہ مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ وہ صرف ان لوگوں سے حدیثیں
 لیتے تھے جو علم کے ساتھ عقل کے بھی مالک تھے اور تقویٰ کے زیور سے بھی
 آراستہ ہوتے تھے۔ اس بارے میں ان کا اپنا اصول یہ تھا کہ علم صرف اُس
 شخص سے حاصل کرنا چاہیے جس میں زہد و عبادت اور عقل و دانش دونوں
 جمع ہوں۔ تنہا عقل یا تنہا تقویٰ رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔
 احادیث کے سماع میں اس قدر محتاط ہونے کے باوجود اس بارے میں ان
 کا علم انتہائی وسیع اور ہمہ گیر تھا۔ احادیث کے ذخیرے ان کے پاس تھے
 اور آپ سب کے حافظ تھے۔ احادیث کے بارے میں ان کا ذخیرہ
 علم اور وسعت و ہمہ گیری کا حال یہ تھا کہ بیس سال تک ان کو کوئی نئی
 حدیث معلوم نہ ہو سکی۔ ان کا خود بیان ہے کہ بیس سال کا عرصہ ہوا میں
 نے کسی سے کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جسے بیان کرنے والے سے
 زیادہ واقف میں خود نہ رہا ہوں۔ — حجاز، بصرہ اور کوفہ یہ
 تینوں علاقے علمی مراکز تھے، ان تینوں مرکزوں کے محدثین کی حدیثوں کا

ان کا بڑا دوسرا کوئی شخص حافظ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو زیر دست قوت حافظہ بخشا تھا اس قدر احادیث انہوں نے سنیں مگر کبھی کسی ایک حدیث کے لیے بھی قلم دوات اور کاغذ کے وہ مرہون منت نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ جو حدیث سن لی وہ ہمیشہ کے لیے اُس کے سینے میں محفوظ ہو گئی۔ حافظہ قوی اور علم وسیع کے باوجود وہ روایت حدیث میں احتیاط برتاتے تھے اور فرماتے تھے کہ گزشتہ صدی کے امت زیادہ حدیثیں بیان کرتا برا سمجھتے تھے اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔۔۔ جو بعد میں معلوم ہوا۔۔۔ تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثیں بیان کرتا ہے تاہم اس احتیاط کے باوجود وہ احادیث بالمعنی بیان کرتے تھے، اور روایت بالمعنی کہ خلاف احتیاط نہیں سمجھتے تھے۔۔۔ روایت بالمعنی۔۔۔ اس طریق اظہار و بیان کا نام ہے، جس میں حدیث روایت کرنے والا راوی الفاظ کی پابندی نہیں کرتا ہے، بلکہ کم یا بیش اپنے الفاظ میں حدیث کا مفہوم بیان کرتا ہے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی حدیثیں بالمعنی روایت کرتے تھے۔

علم فقہ

یہ قرآن اور حدیث کے بعد تیسرا ذریعہ علم دین اور ماخذ شریعت و قانون ہے۔۔۔۔۔ امام شعبی کو اس میں بھی بہت درک حاصل تھا اور اس بارے میں ان کے ذوق کی بلندی اور شوق کی ولایت کی اس حد تک پہنچ گئی

تھی کہ وہ اس کے ہو کر رہ گئے تھے۔ فقہ ان کا خاص اور امتیازی فن بن گیا تھا۔ فقہ میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ ابراہیم بن کبار کرتے تھے کہ میں نے شعبی سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا۔ اکابرین علماء میں سے اکثر اس عہد کے تمام بڑے بڑے ائمہ پر ان کو ترجیح دیتے تھے۔ ابو کہتے تھے کہ میں سعید بن مسیب، طاؤس، عطاء، حسن بصری اور ابن سیرین کسی کو بھی شعبی سے زیادہ بلند مرتبہ فقیہ نہیں پایا۔

ابراہیم نخعی جو خود بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کے تفقہ کے اتنے قائل تھے کہ جو مسئلہ ان کو نہ معلوم ہوتا اس کے سائل کو شعبی کے پاس بھیج دیتے تھے۔ وہ اس درجہ کمال فقیہ سمجھے جاتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی موجودگی میں، جو علوم نبوی کے حقیقی وارث تھے، مسند افتاء پر بیٹھ گئے تھے۔ ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ ابن سیرین نے مجھے ہدایت کی تھی کہ شعبی کے دامن سے وابستہ رہو۔

لا ادری

پہلے لوگوں کا یہ علمی کمال ہے جو لا ادری کے پردے میں چھپا ہوا ملتا ہے۔ قرآن کا علم ہو یا حدیث کا، فقہ کا سوال ہو یا قیاس و اجتہاد کا لوگ لا ادری کہہ کر جان بچانے کی کوششیں کرتے تھے اپنی علمی قابلیت کی دھاک بیٹھانے کا ان کے پاس کوئی تصور ہی نہ تھا۔ وہ سنتے تھے، چپ ہو جاتے تھے، اور

اگر بالکل صاف جواب ہو تو جواب دیتے تھے ورنہ لاادری کہہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم نخعی سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اسی دوران امام شعبی گزرتے ہوئے دکھائی دیئے ابراہیم نخعی نے سوال کرنے والے سے کہا کہ دیکھو یہ شیخ جارہے ہیں ان سے جا کر یہ مسئلہ پوچھ لو اور وہ جو جواب دیں اسے مجھے جواب دو، چنانچہ سائل ان کے قریب پہنچ کر مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی حضرت ابراہیم نخعی کو یہ جواب معلوم ہوا تو انھوں نے کہا واللہ یہ ان کا تفقہ تفسیر اور حدیث کی طرح وہ فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے، اور انتہائی احتیاط کی بناء پر عموماً مسائل کے جواب میں بھی بڑے محتاط تھے اور انتہائی احتیاط کی بناء پر عموماً مسائل کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے تھے۔ صلیب بن ہرام کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایک ایسے شخص کو جو علم میں شعبی کا ہم پایہ ہو ان سے زیادہ لاادری (مجھے نہیں معلوم) کہنے والا نہیں دیکھا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے مفسر ہونے کے باوجود مفسر کی حیثیت سے انھوں نے کوئی شہرت حاصل نہیں کی۔

ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی کے پاس جب کوئی سائل آتا تھا تو وہ حتی الامکان جواب سے بچتے اور ابراہیم برابر جواب دیتے چلے جاتے تھے شعبی فطرتاً خذہ جہیں اور ابراہیم نخعی خشک مزاج تھے لیکن دونوں کے سامنے کوئی فتویٰ پیش ہوتا تھا تو دونوں کے مزاج بدل جاتے تھے شعبی میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا اور ابراہیم نخعی میں انبساط

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ مجتنب اور ہر سوال کا

لا اوری ہی جواب دیتے تھے۔ بلکہ ایک مفتی کی حیثیت سے ان کو فتوے دینے ہی پڑتے تھے اور ایک قاضی کی حیثیت سے ان مسئلہ کا حل ان کو پیش کرنا ہی پڑتا تھا۔۔۔۔۔ وہ کوفہ کے مفتی اور قاضی تھے۔ ان کی ذات مزاح خلّاق تھی۔ اس لیے مسائل کے جوابات تو دینے ہی پڑتے تھے۔ تاہم احتیاط کے ساتھ۔ جواب میں اپنی رائے یا قیاس کو دخل نہ دیتے تھے بلکہ ان کے جوابات کی بنیاد تمام تراحدیث اور سنن پر ہوا کرتی تھی۔

قیاس

اپنی رائے اور قیاس سے کس طرح بچتے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ امام شعبی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ لیکن اس مسئلہ کے جواب میں ان کے پاس کوئی سند نہ تھی۔ کسی نے کہا کہ اگر سند نہیں ملتی ہے تو اپنی رائے ہی بتا دیجیے۔ انھوں نے کہا۔ میری رائے کیا کرو گے۔ اس پر پیشاب کرو۔

امام شعبی مذہبی امور میں قیاس اور رائے کو صرف اصولاً ہی نہیں بلکہ مذہباً اور عقیدتاً بھی برا سمجھتے تھے، اور عقلی طور پر اس کو غلط سمجھتے تھے۔۔۔۔۔ امور دینی میں رائے اور قیاس کو استعمال کرنے کی ایک بڑی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ ظاہری حالات اور کیفیات دیکھ کر ایک شخص کسی مسئلہ میں اپنی رائے رکھ سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کے فیصلے کے مطابق اس رائے کی کوئی گنجائش نہیں ملتی ہے۔۔۔۔۔ مثال کے طور پر اپنی اس بات کو وہ اس طرح سمجھاتے تھے

کہ احنف بن قیس (بڑے ممتاز تابعی، فاضل، فقیہ، دین دار متقی وغیرہ تھے) کو اگر قتل کر دیا جائے۔۔۔۔۔ اور ایک چھوٹا نادان بچہ بھی قتل کر دیا جائے۔۔۔۔۔ تو عقل کا یہی مطالبہ، اپنی رائے کا یہی رجحان، اور قیاس کا علم یہی کہے گا کہ احنف بن قیس کی دیت، اس بچے کے مقابلے میں زیادہ ہونی چاہیے کیونکہ وہ بڑے قابل اور فاضل اور تابعی تھے اور بچہ محض بچہ ہے۔۔۔۔۔ حالانکہ شریعت کے حکم کے مطابق دونوں کی ایک ہی یعنی برابر ہوگی۔۔۔۔۔

علوم مروجہ

امام شعبی اپنے زمانہ کے مروجہ تمام علوم کے ماہر مانے گئے ہیں، قرآن، حدیث، فقہ کے علاوہ مغازی، ریاضی، فرائض، خطوط نویسی، سفارتی آداب اور فنائت سب میں وہ یکتائے روزگار قرار دیئے گئے تھے۔ ہم ان سب علوم میں ان کی صلاحیتوں کے بارے میں لوگوں کی آراء پیش کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔

علم مغازی

مغازی یعنی غزوات کے نہایت ممتاز عالم تھے۔ سن اور تاریخ کے علاوہ اس کے اسباب و علل، نتائج اور حالات اور صورت و کیفیات پر وسیع نگاہ رکھتے تھے۔۔۔۔۔ خود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جو ان

غزوات میں بنفس نفیس شریک رہے ہیں۔ کبھی منغازی کے سلسلے میں ان کی علمی واقفیت کے مترف تھے۔ ————— عبدالملک بن عمر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی منغازی بیان کر رہے تھے کہ ابن عمر ادھر سے گزرے اُنھوں نے ان کی تقریر سن کر کہا کہ گرچہ میں بذات خود غزوات میں شریک ہوا ہوں لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے یہ مجھ سے زیادہ منغازی سے واقف ہیں۔

علم ریاضی

ریاضی جیسی خشک چیز جس سے عام طور پر علماء ذہنی لگاؤ کم رکھتے ہیں۔ امام شعبی اس میں بھی ماہر ریاضی دان شمار ہوتے تھے۔ ————— اور چونکہ ریاضی میں ان کو نہایت حاصل تھی۔

علم فرائض

آپ علم فرائض کے ماہر تھے (علم فرائض ترکے اور وراثت کی تقسیم کا علم ہے)

شاعری

آپ فن شاعری میں بھی شہتہ مزاج رکھتے تھے۔ قدام کے ہزاروں اشعار حفظ تھے۔ ————— اشعار کے متعلق خود ان کا اپنا بیان ہے کہ میں اشعار اگرچہ بہت کم استعمال کرتا ہوں لیکن اشعار مجھے اس قدر یاد ہیں کہ اگر

بہت کم استعمال کرتا ہوں لیکن اشعار مجھے اس قدر یاد ہیں کہ اگر چاہوں تو
 سا مل ایک مہینہ تک اشعار سنا سکتا ہوں اور کوئی شعر مکرر نہ ہونے پاتے۔
 — خود بھی شعر کہتے تھے۔

خطوط نولسی یا انداز تحریر

یہ اپنی تحریر اور انداز بیان اپنا رکھتے تھے۔ ہزاروں میں ان کے خطوط پہچانے
 جاتے اور ان کا طرزِ تحریر معلوم کر لیا جاتا۔ یہ ان کا اندازِ تحریر ہی تھا جس کو دیکھ
 کر حجاج نے قتیبہ کو لکھا تھا کہ امام شعبی تمہارے پاس ہیں ان کو ہمارے پاس
 بھیج دو۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ قتیبہ بن مسلم نے خراسان پر فوج کشی
 کا ارادہ کیا اور لوگوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دینے کے لیے اعلان کر دیا
 کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہو جائے گا اس کی گزشتہ خطائیں معاف کر دی
 جائیں گی۔ اس اعلان کو سن کر شعبی جو بھاگ کر آگئے تھے فوج میں
 شامل ہو کر فرغانہ پہنچے۔ قتیبہ انہیں پہچانتا، ایک دن یہاں جب وہ
 مجلس عام میں بیٹھا ہوا تھا تو شعبی نے اس کے سامنے اپنی علمی خدمات
 پیش کیں اور کہا کہ عام دفن کے کام میں کر سکتا ہوں۔ قتیبہ نے پرچھا
 تم کون ہو۔ قتیبہ گرجہ ان کو پہچانتا تھا تاہم ان سے واقف
 ضرور تھا، اس لیے شعبی نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے آپ کام سے
 کام رکھیے اور میرے لائق کام سپرد کیجیے۔ اتفاق کی بات قتیبہ
 نے بھی اس پر کچھ اصرار نہیں کیا۔

قتیبہ کو فتوحات کی اطلاع حجاج کو کرنی تھی اس کے لیے اس نے شعبی سے کہا کہ وہ خط کا مسودہ تیار کر دیں شعبی نے کہا مسودہ تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں ابھی زبانی بولتا ہوں کاتب لکھ لے گا۔ چنانچہ انھوں نے خط لکھوایا جس کو دیکھ کر قتیبہ بہت خوش ہو گیا۔ فوراً ہی ایک خچر اور خلعت سے نوازا اس کے بعد وہ قتیبہ کے یہاں بڑے عزت و احترام سے رہنے لگے۔ اور قتیبہ کے ساتھ ہی دسترخوان پر کھانا کھانے لگے۔

اور جب حجاج کے پاس قتیبہ کا یہ خط پہنچا تو اس نے انداز تحریر دیکھ کر پہچان لیا کہ لازماً یہ تحریر شعبی کی ہے اور اس نے ان کو بلوایا جس کی تفصیلات پہلے آچکی ہیں۔

محکمہ قضا

قوت فیصلہ اسلامی عدالت کے لیے ایک قاضی کے انداز میں جو خصوصیت ہونی چاہیے وہ سب ان کے اندر موجود تھی۔ قرآن کا علم، حدیث کا علم فقہ اور دانائی کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کی سمجھ۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک عرصہ تک قاضی کے عہدہ پر فائز رہے، اور حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے خلیفہ راشد نے اپنے دور حکومت میں ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔

ظرافت پسندی

خوش مزاجی اور ظرافت طبعی امام شعبی کی زندگی میں داخل تھی، وہ اتنا بلند علمی مرتبہ رکھنے کے باوجود بڑے ظریف طبع واقع ہوئے تھے بات بات میں لطائف پیدا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو ”مزاح“ بھی کہا کرتے تھے۔ ان کے بہت سارے لطائف کتابوں میں محفوظ ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کچھ غیر محل نہیں ہوگا۔

مذہبی خوش مزاج ہوتے ہیں؟

مسلمانوں میں خدا جانے یہ خیال کس طرح جگہ پا گیا ہے کہ مذہبی لوگوں کو خوش مزاج اور خوش پوشاک نہیں ہونا چاہیئے۔۔۔ وہ بذلہ سخی کو علمی مرتبہ کے خلاف سمجھتے ہیں۔۔۔ انھوں نے جس طرح اسلام کو ایک جامد مذہب سمجھ رکھا ہے اس طرح مذہبی آدمی کے بارے میں بھی ان کا یہ تصور ہے کہ اس کو خشک مزاج، انتہائی سنجیدہ اور لگا بندھا ہونا چاہیئے۔۔۔ اگر وہ کسی آدمی کو جس کے بارے میں ان کا یہ تصور ہوگا کہ وہ مذہبی آدمی ہے، یا عالم فاضل، دیوبندی، بریلوی، ٹوٹکی اور ڈابھیلی، شمسی ایزوی ہے اور پھر اس کی رگ ظرافت کو کھپڑ کتا ہوا دیکھ لیں تو اس کے بارے میں ان کی رائے خراب ہو جائے گی اور ایسے عالم کو وہ عالم سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔۔۔ حالانکہ اول تو اسلام ایک مسلمان

کو باقاعدہ رکھا، عطر سے شوق فرمایا اور آنکھوں میں سرمہ لگانے کی پابندی کی۔۔۔۔۔ اسی صورت سے صحابہ کرام اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنی زندگیوں کو بے قرینہ ہونے نہیں دیا۔۔۔۔۔ جنگ و جہاد کی مصروفیتوں، دور دراز کے سفر کے باوجود اپنی ہستی اور وجود کو نظر انداز نہیں کیا۔ ایلنہ، کنگھی، تیل، سرمہ اور ضرورت کی دوسری تمام چیزیں ان کے ساتھ ہوتی تھیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کو جہاں نصیحتیں کرتے تھے وہاں مذاح بھی کیا کرتے تھے، شعر و شاعری کی محفلیں بھی جلاتے تھے، دعوتیں بھی کیا کرتے تھے اور حسبِ توفیق زندگی کی جائز لذتوں میں ایک دوسرے کو شریک کیا کرتے تھے، وہ زندگی کو بوجھ نہیں بلکہ ایک کارآمد شے سمجھ کر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔

ظرافت کی چند باتیں

ایک مرتبہ ایک شخص نے امام شعبی سے پوچھا کہ ابلیس کی بیوی کا کیا نام ہے۔۔۔۔۔ وہ اس سوال پر نہ بگڑے اور نہ ہی اسے مردود کہہ کر ڈانٹا، بلکہ نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ میں اس کی شادی میں چونکہ شریک نہ تھا اس لیے اس کی بیوی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

●۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک حرامی لڑکے کے بارے میں یہ سوال کیا کہ حرامی لڑکے کا باپ شر ہے یا ماں شر، کہلائے گی، یا پیدا ہونے والا لڑکا سب سے زیادہ شر، سمجھا جائے گا۔۔۔۔۔

انھوں نے اس عجیب سوال پر بھی کسی قسم کے رنج و غضب کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی پرچھنے والے کو ذلیل کر کے اپنی محفل سے نکال دیا بلکہ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔۔۔۔۔ اگر سب میں زیادہ شر اور غلط وہ لڑکا ہی ہوتا تو اس کے پیٹ ہی میں ہونے کی حالت میں اس کی مان سنگسار کر دی جاتی۔

•۔۔۔۔۔ شعبی چونکہ جڑواں پیدا ہوئے تھے اس لیے نحیف الجثہ اور پیدائشی طور پر کمزور اور پست قامت تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھر ان سے ملنے گیا۔ گھر میں میاں بیوی دونوں تھے، اس لیے آنے والے نے ازراہ مذاخ پوچھا، آپ دونوں میں شعبی کون ہے۔۔۔۔۔ شعبی نے بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ شعبی ہیں۔

•۔۔۔۔۔ ایک دن شعبی ایک راستہ سے گزر رہے تھے راستے میں ایک درزی کی دکان آئی اس کو دیکھ کر ان کی رگِ ظرافت پھڑکی۔ کھڑے ہو گئے اور درزی سے کہنے لگے کہ میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا دانہ ہے کیا تم اس کو سی سکتے ہو، درزی ان کو پہچانتا تھا اور بڑا حاضر جواب بھی تھا۔۔۔۔۔ فوراً ہی جواب دیا۔ ہاں سی تو سکتا ہوں مگر افسوس میرے پاس 'ہوا' کا دھاگا نہیں ہے اگر آپ کے پاس ہو تو دے دیجیے میں سی دوں گا۔

•۔۔۔۔۔ ایک مرتبہ ایک نصرانی کو اسلامی سلام۔ اسلام علیکم

و رحمتہ اللہ کہا۔ ایک شخص نے جو ان کے ساتھ تھا اعتراض کیا کہ
 آپ نے ایک نصرانی کو السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہا۔
 انھوں نے جواب دیا کہ بھائی اگر اس پر اللہ کی رحمت نہ ہوئی تو وہ
 ہلاک ہو گیا ہوتا اس لیے میں نے رحمتہ اللہ کہنے میں غلطی کی۔
 •۔۔۔۔۔ یہی نے بلکہ اپنے معاصر دوستوں کو اپنی بذلہ سنجی سے
 اس قدر وق کیا کرتے تھے کہ وہ پریشان ہو جاتے تھے اور ان کے
 یہاں جانے سے کتراتے تھے۔

فہم و تدبیر

الشعبی بڑے ہی معاملہ فہم اور صاحب عقل و تدبیر تھے۔ اموی
 خلفاء ان کے فہم و تدبیر کے ہمیشہ قائل رہے، خود عبدالملک بن مروان بڑی
 اہم ملکی خدمات ان کے حوالہ کیا کرتا تھا اور بڑی بڑی سفارتوں میں ان کو
 بھیجتا تھا جن کو وہ بڑی خوبی سے انجام دیتے تھے، ان میں سے اپنے ایک
 سفارتی کام کا وہ خود اس طرح ذکر کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عبدالملک بن
 مروان نے مجھ کو ایک سفارت میں قیصر روم کے پاس بھیجا، وہاں پہنچنے
 کے بعد قیصر نے مجھ سے جس قدر سوالات کیے میں نے سب کے
 نہایت ہی تسلی بخش جوابات دیے۔۔۔۔۔ عموماً وہاں سفراء کے
 زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا دستور نہ تھا۔ لیکن اس نے مجھے بہت دنوں تک
 روکے رکھا، یہاں تک کہ میں گھبرا کر لوٹنے کے لیے آمادہ ہو گیا،

روانہ ہوتے کے وقت اُس نے مجھ سے پوچھا کیا تم شاہی گھرانے سے ہو، میں نے کہا نہیں بلکہ عام عربوں میں سے ہوں۔ یہ سن کر اس نے زیر لب کچھ کہا، اور ایک رقعہ مجھے دیا کہ اپنے بادشاہ کو میرے پیغامات پہنچانے کے بعد یہ رقعہ دے دینا، میں نے واپس ہو کر پیغامات تو پہنچا دیئے مگر وہ رقعہ دینا بھول گیا۔۔۔۔۔ دارالخلافہ سے نکلتے وقت وہ رقعہ مجھے یاد آگیا اس وقت میں نے واپس ہو کر اس رقعہ کو عبد الملک کے حوالہ کیا۔ اس نے رقعہ پڑھ کر مجھ سے پوچھا، قیصر نے رقعہ دینے سے پہلے تم سے کچھ کہا بھی تھا۔

میں نے کہا ہاں اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہی خاندان سے ہو؟ میں نے جواب دیا نہیں میں عام عربوں میں سے ہوں۔ یہ کہہ کر میں واپس ہو گیا۔ دروازہ تک پہنچا ہی تھا کہ عبد الملک نے پھر بلایا اور پوچھا۔

تم کو رقعہ کا مضمون معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ میں نے کہا اس نے رقعہ میری طرف بڑھا دیا اور کہا کہ لو پڑھ لو۔ میں نے پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ ”مجھے اس قوم پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس نے ایک دوسرے شخص کو بادشاہ کیسے بنایا۔“

یہ تحریر پڑھ کر میں بڑا سٹپٹایا پھر فوراً ہی کہا خلیفۃ المسالین خدا کی قسم اگر مجھے پہلے خط کے اس مضمون کا علم ہوتا تو میں کبھی اسے نہ لاتا۔۔۔۔۔ لیکن اس نے یہ بات صرف اس وجہ سے لکھی کہ اس نے اپنی آنکھوں سے آپ کو نہیں دیکھا۔ عبد الملک نے میری طرف دیکھا اور پھر پوچھا کہ اچھا

بتاؤ۔ اس رقبہ کو میرے پاس بھیجنے سے اس کا مقصد کیا ہے۔
میں نے جواب دیا مجھے تو معلوم نہیں۔

عبدالملک نے کہا کہ مجھے تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہارے قتل پر آمادہ
کرنا چاہا ہے۔

بعد میں قیصر نے بھی خود اس کی تصدیق کر دی کہ ہاں اس کا یہی مقصد تھا۔

وفات

امام شعبی نے بڑی عمر پائی تھی۔ ۷۷ سال سے بھی زیادہ عمر پائی، اور
بہت سے اُموی خلفاء کا زمانہ پایا۔

حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ وہ بزرگ تابعی ہیں جن کی کوششوں سے مسلمانوں نے اپنے اندر اور باہر کے دشمنوں کو پہچانا اور ان کا استیصال کیا۔ وہ وقت کے تمام فتنوں سے علیحدہ رہے۔ وہ حکمرانوں سے بھی الگ ہے اور حکمرانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے والوں سے بھی جدا ہے۔ ان کا قول ہے ظالم حکمران دراصل اللہ کا عذاب ہے، اللہ کے اس عذاب کا مقابلہ تلوار نہیں بلکہ توبہ اور دعاؤں سے کرنا چاہیے۔ تلوار کی دھاریں فتنے کو ابھارتی ہیں اور فتنے بے امنی پیدا کرتے ہیں۔

مومن اللہ کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا ہے۔ وہ رزق پر قانع آزمائش میں صابر، راحت و آرام میں ہستاکر اور غافلوں میں ذاکر ہوتا ہے۔ لوگوں کو نمازیں درست کر لو سب کچھ پا لو گے۔

ایک وعظ، ایک کسوٹی

افسوس سے مدہزار افسوس! انسان آرزوؤں کے چکر میں مارا گیا۔ تمناؤں اور خیالی منصوبوں نے اس کو غارت کر ڈالا۔ وہ عمل سے بے بہرہ صرف قول کا بندہ بن کر رہ گیا۔ وہ جانتا سب کچھ ہے، مگر علم کے مطابق کرنا کچھ بھی نہیں ہے۔ صبر کی دولت سے وہ محروم ہے، ایمان تو اس کے پاس ہے مگر یقین سے خالی۔ وہ جس چیز کو حرام جانتا ہے اس کو اس نے اپنے اوپر حلال کر لیا ہے۔

مسلمانو! تم نے اپنے دین کو زبان کا محض چٹخارہ بنا کر رکھ دیا ہے تم سے جب کوئی کہتا ہے قیامت پر یقین رکھتے ہو؟ تم جھٹ بول پڑتے ہو ہاں ہاں خدا کی قسم میں روز جزا پر یقین رکھتا ہوں

میں سچ کہتا ہوں تم جھوٹ بولتے ہو اور جھوٹی قسمیں کھا کر اور مالک یوم الجزا کو گواہ ٹھہرا کر جھوٹ بولتے ہو۔ حالانکہ

مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ اپنے دین میں قوی، اپنے ایمان
 میں مضبوط اور یقین میں کامل ہوتا ہے۔ اس کے علم میں حلم و
 ہوا اور اس کے حلم میں علم و چاہ ہوتا ہے اور وہ صاحب
 عقل و فکر ہو۔ اس کا مزاج نرم اور صبر و ضبط والا ہو۔ وہ خوش پوش
 ہو لیکن ایسا خوش پوش جس سے اس کے فقر و افلاس کی پردہ پوشی
 ہوتی ہو۔۔۔۔۔ وہ دولت مند ہو تو اس کے عادات میں میانہ روی
 ہو۔۔۔۔۔ خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حال لوگوں کے
 حق میں رحیم و فیاض ہو۔۔۔۔۔ ادائیگی حق میں کشادہ اور
 فراخ دل ہو۔ حق و انصاف کا ایسا ساتھی ہو کہ نفرت کی
 صورت میں بھی حد اعتدال سے تجاوز کرنے والا اور محبت
 کے کیف و سرور میں شریعت کی حدود سے آگے بڑھنے والا
 نہ ہو۔۔۔۔۔ اس کے اندر عیب چینی کی عادت نہ ہو اور
 طعنہ زنی کی خصلت۔۔۔۔۔ لایعنی باتوں سے پرہیز کرنے
 والا، لہو و لعب سے بچنے والا اور پھیل خوری کی عادت بد
 سے محفوظ ہو۔۔۔۔۔ جو اس کا حق نہیں اس کے لینے کے
 ورپے نہ ہو اور جو اس کا حق ہے اس کے لینے سے انکار نہ کرتا
 ہو۔۔۔۔۔ نہ دوسروں کی مصیبت سے مسرت محسوس کرتا ہو
 اور نہ کسی کی مصیبت دیکھ کر اس سے خوش ہوتا ہو۔
 مومن کی نماز خشوع والی ہوتی ہے اور اس کا ذوق ہی

نمازی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اس کا کام شفا کا پیام، اس کا صبر
 تقویٰ، اس کا سکوت سراسر غور و فکر، اس کی نظر سراسر اپا
 درس عبرت ہوتی ہے۔۔۔۔۔ مومن جہل سے گریزاں اور
 علم کا حریص ہوتا ہے۔۔۔۔۔ وہ نیکی کر کے خوش ہوتا ہے
 اور اگر بدی ہو جائے تو فوراً مغفرت کا طلب گار بن جاتا ہے۔
 اس کا دامن عفو و کرم وسیع ہوتا ہے، کوئی اس کو
 دکھ پہنچاتا ہے تو وہ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اگر کوئی اس کے
 مقابلے میں جا ہلانہ رویہ اختیار کرتا تو وہ اس سے دامن بچا کر
 نکل جاتا ہے۔ کوئی ظلم کرتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے۔

مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا
 محفل و مجلس میں باوقار، تنہائی میں شکر گزار، رزق پر قانع،
 آزمائش و رنج میں صابر، اور عیش و آرام میں شاکر۔
 اور غافلوں میں ناکر ہوتا ہے۔

یہ ہے بے شمار تقاریر اور مواعظِ حسنہ میں ایک کھلی نصیحت، اس
 لیل القدر تابعی، عظیم المرتبت عالم، صاحبِ کمال، صاحبِ دل اور
 صاحبِ حال حسن بصریؒ کی حق کی مجاہدانہ سرگرمیوں، عالمانہ بصیرت اور
 ذہنی ذہانت نے مسلمانوں کو ایک بار پھر ذوقِ خود آگاہی بخش دیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات کے بعد حکومت کا دھارا جب دوبارہ
 سیڑخ پر مٹنے لگا جس رُخ پر خلافت راشدہ کے بعد بہہ رہا تھا اور

مسلمانوں میں وہی بُرائیاں پیدا ہونے لگیں جو ایک عیش پرست اور آخرت فراموش قوم میں ہوتی ہیں۔ تو اس وقت مسلمانوں کی اصلاح کے لیے جو لوگ اُٹھے تھے ان میں سرفہرست حضرت بصری کا نام آتا ہے۔

تاریخ اسلام کا پہلا آدمی

حضرت حسن بصریؒ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام صلاحیتیں جمع فرمادی تھیں جو اس دور کے مخصوص حالات میں دین کا وقار بڑھانے اور دعوت دین کو موثر بنانے کے لیے درکار تھیں۔ ان کی شخصیت میں بڑی جامعیت دل آویز کشش تھی۔ وہ محدث بھی تھے، مفسر قرآن بھی تھے۔ اعلیٰ درجہ کے فقیہ، بہترین واعظ اور زمانہ شناس تھے۔ وہ اس حقیقت کو جانتے والے غالباً پہلے آدمی تھے کہ مسلم معاشرے میں منافقین نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ ایک موثر قوت رکھتے ہیں اور یہ کہ امور سلطنت تک میں دخل ہیں۔ عیش و نشاط کی دنیا انہی سے قائم ہے، نفس پرستی اور عیش کوشی کی تساری بہاریں انہی کے دم سے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والی بداخلاقیوں کا سبب بھی یہی ہیں۔ اور آخرت فراموشی جو مصیبت بن کر مسلم معاشرے

پر چھاتی جا رہی ہے۔ اس کے لانے والے بھی یہی ہیں۔

نفاق، منافقین اور منافقت کیا گل کھلا رہی ہے جس کی طرف

سے مسلمان تقریباً بے فکرا اور بے خبر ہو چکے تھے، پہلی مرتبہ اس مجدد زمانہ کی سمجھ میں آئی، اور وہ اسے بے نقاب کرنے کے لیے مستعد ہو گئے۔ وہ اُسٹے اور اُنھوں نے اپنے قول و عمل، درس و تدریس اور تحریر و تقریر سے پورے معاشرے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایک بجلی تھی جو کوئندی۔ ایک آواز تھی جو چاروں طرف گونجی۔ نشر کا ایک چاکو تھا جس نے معاشرے کے بدگوشت کو جسم سے نکال کر پھینک دیا۔ یہ درد مند دل تھا اور پُرسوز زبان تھی جس نے دلوں کو بکھلا دیا اور آنکھوں سے پردے ہٹا دیئے۔

حسن بصریؒ کو گوشہ عافیت میسر تھی۔ اس میں بیٹھ کر وہ اللہ اللہ کرنے کی بجائے۔ کارزار حیات میں کمر بستہ نکلے اور برملا کہنا شروع کیا کہ حکومت میں ایک بڑا عنصر ایسے لوگوں کا ہے جو اسلام کا وفادار اور مسلمانوں کا مخلص نہیں ہے اور جس کو صرف اپنے اغراض اور مفادات عزیز ہیں اور وہ جو کچھ کرتا ہے صرف اپنے منافع کے لیے کرتا ہے۔ یعنی اُنھوں نے مسلم معاشرے میں پیدا ہونے والی بیماری کا سرا پکڑ لیا اور سوسائٹی کی اصل بیماری کو سمجھ لیا۔ حسن بصریؒ کی دعوت و اصلاح کی طاقت و تاثیر دوسرے ہم عصر لوگوں کے مقابلے میں اسی لیے بہت شدید تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے معاشرہ نے کسی کے وجود اور کسی کی دعوت کو اس طرح محسوس نہیں کیا جس طرح حسن بصریؒ کے وجود اور ان کی دعوت کو محسوس کیا۔ اس لیے ان کی تقریروں

اور ان کے درسوں سے اس بگڑے ہوئے معاشرہ پر زور پڑتی تھی۔
 وہ "نفاق" کی حقیقت بیان کرتے تھے اور نفاق ایک مرض تھا جو اس سوسائٹی میں
 پھیل رہا تھا۔ وہ منافقین کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے تھے، اور یہ اوصاف
 و اخلاق بہت سے لوگوں میں پائے جاتے تھے، جو حکومت میں آگے آگے،
 فوج میں بڑھے ہوئے اور تجارت میں پیش پیش تھے۔ وہ آخرت
 فراموشی اور دنیا طلبی کے بحران کی مذمت کرتے تھے اور بکثرت لوگ اس کا
 شکار رہتے۔ وہ موت اور آخرت کی تصویر کھینچتے تھے اور ان حقیقتوں کو مستحضر
 کراتے تھے اور مسلمانوں کے کھاتے پیتے لوگوں اور غافل شعار طبیعت والوں
 کا ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا، جس کی زندگی کی ساری رنگینیاں ان چیزوں کے
 بھلائے رکھنے میں تھیں، غرض ان کی دعوت، ان کے مواعظ اور ان کے
 اصلاحی درس اس زمانہ کی خواہشات و اغراض سے اس طرح متصادم تھے کہ
 اس زمانہ کی سوسائٹی کے لیے ان سے غیر متعلق رہنا مشکل ہو گیا تھا۔
 اس کا نتیجہ تھا کہ بکثرت لوگ ان کی تقریروں اور مجلسوں سے چوٹ کھا کر پھلی
 زندگی سے تائب ہوتے تھے اور نئی زندگی اختیار کرتے تھے۔ وہ اپنی تقریروں
 اور مجلسوں سے دین و ایمان کی دعوت بھی دیتے تھے اور اپنی صحبت و عمل
 سے نفوس کی تربیت اور تزکیہ بھی کرتے تھے۔ ساٹھ سال کی طویل مدت انھوں
 نے اس دعوت و اصلاح میں گزاری۔ اور اللہ جانے کتنے انسانوں کی زندگیوں
 بدل گئیں اور کتنے کو صحیح حلاوت ایمان ان کے ذریعہ سے مل گئی۔
 عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ جس نے ساٹھ برس تک اپنی قوم میں وہ کام کیا

جو انبیائے کرام، ختم نبوت سے پہلے ————— اپنی اُمتوں میں کرتے رہے تھے۔

قول و عمل کی یکسانیت

حضرت حسن بصریؒ زندگی کے جن حقائق کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے وہ حقیقتیں ان کی زندگی کے ہر پہلو سے نمایاں ہوتی تھیں۔ وہ جن باتوں سے مسلمانوں کو ڈراتے تھے ان سے خود ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ وہ جن عادتوں کو ترک کرنے کی لوگوں کو تلقین کرتے تھے وہ ایسی عادتوں سے خود بہت دور ہوتے تھے۔ زندگی کا دورِ خاپن جو اس وقت کے بہت سے لوگوں کا مزاج بن گیا تھا اس سے ان کا مزاج یکسر خالی تھا۔ دُنیا جو نادان انسانوں کی زندگی کا حاصل بن جاتی ہے وہ ان سے ہمیشہ رُسوا رہا کرتی تھی۔ حسن بصریؒ کہتے تھے سوزِ گدازِ قلب سے کہتے تھے، جو کرتے تھے خشیت میں ڈوب کر کرتے تھے۔ ان کا کام فی الواقع شفاء کا پیام ہوتا تھا۔ ان کا سکوت درحقیقت سراسر غور و فکر ہوتا تھا اور ان کی نگاہ سراپا درسِ عبرت تھی اور حسن بصری کا دل ایسا شکستہ ساز تھا جس سے درد کے سوا کوئی نعمت نہ نکلتا تھا۔ ان کے لبِ ہنسی سے نا آشنا اور اُن کا قلب حزن و غمگینی کا مسکن بنا رہتا تھا۔ خشیتِ الہی کا اس قدر ان پر غلبہ رہتا تھا کہ ہر وقت ہراساں رہتے تھے۔ وہ چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ غم کی گہرائیوں میں ڈوبے

ہوئے ہیں اور ابھی ابھی اپنے کسی عزیز قریب کو دفن کر کے چلے آ رہے ہیں۔۔۔ بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن اڑا دینے کا حکم صادر ہو چکا ہے۔۔۔ اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تھے تو ایسی کیفیت ان کی ہو جاتی تھی جیسے کہ دوزخ صرف انہی کے لیے بنائی گئی ہے۔

نفاق

علم و ذکاوت اور فہم و بصیرت رکھنے والے ہی کوئی شخص اس زمانہ کے لگاڑ کی اصل کو سمجھ سکتا تھا اور تقویٰ کی اس بلندی، خشیت الہی کے اہل مرتبہ، اور اوصاف کی اس بلندی تک پہنچا ہوا ہی کوئی آدمی بناؤ کا صحیح کام کر سکتا تھا۔۔۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت نے حسن بصری کے اندر جو صفات بکجا کر دی تھیں ان سے صحیح صحیح کام لے کر انھوں نے امت مسلمہ کو صدیوں تک کے لیے ایک ممتاز قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندہ رہنے کے قابل بنا دیا۔ انھوں نے ایسے قوت تمیز والے لوگ پیدا کر دیئے جو حق و باطل اور اخلاص و نفاق کے ایک عرصہ تک تمیز پیدا کر لے رہے اور مسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز بناتے رہے اور مسلم نامنافقوں سے سچے مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھتے رہے۔

عام فتوحات نے دولت کی فراوانی کر دی تھی، مسلمان غالب قوت کی حیثیت سے بساط عالم پر بھر چکے تھے، اسلام کا جھنڈا دور دور علاقہ تک لہرا چکا تھا، معمولی انسان بھی مسلمانوں کی صف میں شامل ہوتے ہی

باعزت ہو جاتا تھا۔ اسلام کی طرف نسبت جتنا کر مسلم معاشرے اور مسلم سلطنت سے ہر طرح کی مراعات اور سہولتیں اور فوائد حاصل کر لینا آسان تھا۔ اس لیے مسلمان بن جانے میں لوگوں کے لیے پوری کشش تھی اس لیے مخلصین کے ساتھ ایسے لوگ بھی دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے تھے جو بظاہر تو مسلمان تھے لیکن حقیقت میں وہ اسلام کو اپنے اندر ہضم نہیں کر پائے تھے اور ان کے پاس اتنی اخلاقی جرأت بھی نہ تھی کہ وہ اعلانہ اس کا انکار کرتے اس لیے وہ مسلمانوں کے اندر خرابیوں کا بیج بوتے رہے۔

حقیقت میں منافقوں کا یہ ایک گروہ تھا جو اسلام کے سایہ عاطفت میں سچے مسلمانوں کی سادگی اور غفلت کی وجہ سے آسودگی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس کو نہ کسی کشمکش کا سامنا تھا اور نہ کوئی منظم طاقت اس کی راہ میں مزاحم ہو رہی تھی۔ ہو سکتا ہے ان میں بہت سے لوگ ایسے ہوں جو اپنے ایمان کے لحاظ سے منافق نہ ہوں، کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جن کو خود اپنے نفاق کا حال معلوم نہ ہو، کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو یہ نہ جانتے ہوں اور نہ نفاق نام کی چیز ہی سے واقف ہوں۔ اس لیے اپنے ان اعمال کو دیکھ کر جو حقیقت میں کافرانہ نہیں ہوتے تھے اپنے کو مخلص مسلمان سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو اپنے اعمال کی خرابیوں کو محسوس بھی کرتے ہوں مگر اس کو محض انسانی کمزوری سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہوں اور حاصل ہونے والے عیش فراوان سے نفع اندوز ہو رہے ہوں۔ حسن بھری نے انسان کی ان کمزوریوں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ نفاق

کے ہر رنگ کو اُنھوں نے سمجھ لیا تھا اور منافقوں کی تمام قسموں کا ان کو علم تھا۔ چنانچہ ان تمام بیماریوں کے مستقل علاج کے لیے آمادہ تھے اور اس روگ کو یسوع دین سے اکھاڑنے کے لیے اُنھوں نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ اس میں وہ بہت کامیاب رہے۔

ان کی دعوت و تبلیغ مواعظ حسنہ، اخلاص عمل، سیرت و کردار کی پختگی اور لہجہ، اور سوز و دروں نے بے شمار لوگوں کے دلوں سے نفاق کے بیج کو نکال دیا۔ بہت سے لوگ جو عزرات بنگ، تاویلات اور توجہات کے پردے میں اپنی بد اعمالیوں کو چھپائے ہوئے تھے وہ حقیقت آش ہو گئے۔ کچھ ایسے لوگ جو فریب نفس کا شکار تھے، نہ اپنے کو اسلام کا مجرم سمجھتے تھے، اور نہ اپنی زندگی اسلاف کے خلاف سمجھتے تھے، بلکہ مال و دولت کی حرص، نفع طلبی کے ذوق اور سامانِ عیش و نشاط کی بہتات نے ان کے تصورِ آخرت کو بالکل دھندلا دیا تھا اور اعمالِ بد کے ارتکابِ پیہم کی وجہ سے گنہگارِ مومن کی صف سے بھی نکل گئے تھے، وہ قصور کی تلافی کے لیے بیتاب ہو گئے اور احساسِ ندامت کے بھرپور جذبات کے ساتھ دوبارہ اسلام کی صف میں داخل ہو گئے۔

ایسے لوگ بھی تھے جو دعوائے ایمان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام سے کھلی سرتابی کر رہے تھے، نفع کی باتوں کو لیتے تھے اور مفاد پر تدبیر کرنے والی چیزوں کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ ایسے لوگوں کے سامنے جب حضرت بصری نے حقیقت کا علم اسلامی

اخلاق کے اصول، حلال و حرام کے حدود اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے اللہ تعالیٰ نے جو قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں پوری دلسوزی اور اخلاص نیت کے ساتھ پیش کیا تو ان کے دل نرم پڑ گئے اور خوف الہی سے لرز اٹھے اور ایسے لوگ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں تھے۔

اور یہ واقعہ ہے کہ جو شخص شریعت کی مفید باتوں کو خوشی سے لپک کر لے مگر جو کچھ خدا کی شریعت میں اس کی اغراض و خواہشات کے خلاف ہو اسے رد کر دے، اور اس کے مقابلے میں دنیا کے دوسرے ضابطوں اور طریقوں کو ترجیح دے وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔ اس کا دعوائے ایمان جھوٹا ہے کیونکہ وہ ایمان خدا اور رسول پر نہیں اپنی اغراض اور خواہشات پر رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی نقطہ نگاہ سے وہ شخص بھی منافق ہی کہلائے گا۔ جو ایمان کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر فی الواقع خدا اور اس کے دین اور جماعت مومنین کے ساتھ کوئی خلوص نہیں رکھتا۔ مسلم مفاد کے خلاف کارروائیوں کا مرتکب ہو، اور جب راز فاش ہو جائے تو اقرار گناہ اور توبہ کی توفیق طلبی کی بجائے عذرات لنگ تاویلات اور توجہات پیش کرنے لگے اور اپنے قصور کو مان لینے کے لیے تیار نہ ہو۔ اسلام کی نگاہ میں وہ شخص بھی منافق ہے جو عدم اخلاص کا عادی مجرم ہے، اور اس کے کارنامہ ہائے زندگی میں مخلصانہ خدمات، ایشاد و قربانی، نیکی کی طرف میلان اور خالص مسلم مفاد کے لیے کام کرنے کا کوئی دیکار ڈنہ ہو۔

ایسے تمام لوگوں کو ایک صالح مسلم معاشرے میں منافق سمجھا جائے گا۔ ان

سے مسلم مفاد کے کام کو چھپایا جائے گا۔ ان کی حیثیت بالکل اچھوت کی ہوگی
 ان سے مسلم مفاد کے لیے نہ جسمانی خدمات لی جائیں گی نہ مالی امداد کو قبول کیا
 جائے گا۔ نہ وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیے جائیں گے، نہ مسلمان ان
 کے لیے دُعا ئے مغفرت کریں گے چاہے وہ کسی مسلمان کا باپ بیٹا یا بھائی ہی
 کیوں نہ ہو۔

یہ سزا کیوں؟

بظاہر یہ بڑی سزا معلوم ہوتی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس
 جرم عام کی سزا ہر زمانہ میں یہی ہونی چاہیے۔ ہر زمانہ میں مسلم معاشرے سے
 ان کو علیحدہ چھانٹ کر رکھا جائے کہ ایک مومن مخلص ایسے لوگوں کو دیکھتے
 ہی پہچان لے کر یہ ہے وہ گروہ انسانی جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کی جھڑپیں
 کا شکار رہا ہے۔ اسی قماش اور فطرت کے لوگ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی بن
 کر جنگ احد میں مسلمانوں کو زک پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ بنی قینقاع
 بنی نضیر، بنو قریظہ کو ابھار کر میدان جنگ میں لانے والے بنے، جنگ
 خندق میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا باعث ہوئے۔ مسجد ضرار
 انھوں نے بنائی اور مسلمانوں کے خلاف مسلمان بن کر سازشیں انھوں نے
 کیں۔ لیکن آنحضرت کی موجودگی کے باعث ان کی ہر تدبیر ناکام اور
 اور ہر چال ناکام ہوئی اور خائب و خاسر ہو کر رہے۔ پھر دیکھیے یہ منافقوں

ہی کا گروہ تھا جس نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا اور اس کے بعد ملک میں ایک عرصہ تک ہنگامہ پیار رکھا۔۔۔۔۔۔ یہ عہد اللہ ابن سبا اور اس کے گروہ کے لوگ ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا شروع کیا اور انہیں پیام میں گمراہ کر دیے۔۔۔۔۔۔ پھر حسن ابن صباح کا گروہ اٹھا اور اس نے پورے عالم اسلام کو فتنہ و فساد کی لپیٹ میں لے لیا۔ بے شمار اہل علم و دانش ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور مسلمان ایک عرصہ تک ان کے ہاتھوں مشکلات میں مبتلا رہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فتنہ پرور گروہوں کا سراغ ملتا ہے جن کی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔

منافقانہ طرز عمل

مسلمانوں کی صف میں شامل ان ظالموں کے طرز عمل پر غور کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ منافقوں میں بعض لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے سرے سے اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور مسلمان ہی نہیں ہوئے۔ وہ منافقانہ طریقے پر محض دھوکہ دیتے اور مسلم معاشرے میں شرکت کے جائز فائدہ اٹھانے کے لیے مسلمان ہو گئے ہیں۔

۲۔۔۔۔۔ ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کلمہ گو ہے اور اس نے

مسلمانوں جیسے نام بھی رکھ لیے ہیں، اور مسلمانوں میں اس کی شادی بیاہ بھی ہے اور اگرچہ وہ کسی مسلمان کا بیٹا بھی ہے لیکن

اس ایمان اور اس ظاہری عمل کے باوجود اس کو خدا پر یا خدا کے رسولؐ کے برحق ہونے پر شکوک و شبہات ہیں اور اس بے یقینی میں مبتلا ہے کہ رسول خدا کا رسول ہے یا نہیں اور قرآن خدا کی کتاب ہے یا نہیں اور آخرت واقعی آنے والی ہے یا یہ محض ایک افسانہ تراشیدہ ہے۔

۳۔۔۔۔۔ انسان کے منافقانہ طرزِ عمل کی تیسری وجہ یہ ممکن

ہے کہ وہ خدا کو خدا اور رسول کو رسول مان کر بھی ان سے ظلم کا اندیشہ رکھتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ خدا کی کتاب نے فلاں حکم دے کر تو ہمیں مصیبت میں ڈال دیا اور خدا کے رسول کا فلاں ارشاد یا فلاں طریقہ تو ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

۴۔۔۔۔۔ انسان کے منافقانہ طرزِ عمل کی چوتھی بڑی وجہ یہ ہے

جو پہلے بھی رہی ہے اور آج بھی ہے کہ وہ نفاقِ عمل میں مبتلا ہے۔ اعتقاد و ایمان ممکن ہے اچھا ہی ہو لیکن عمل میں اس کے سرِ اس نفاق ہو۔ وہ دنیا میں اس طرح گھر گیا ہو کہ حلال و حرام کی کوئی تمیز باقی نہ رہی ہو، اللہ اور اس کے احکام کا علم ہو لیکن دیدہ و دانستہ اس کے خلاف کرتا ہو، اور اپنے مفادِ دنیوی کی خاطر قرآن و سنت کی صریح خلاف ورزی کرتا ہو، دولت کی حرص نے ان کو عاقبتِ بینی کے معاملے میں بالکل اندھا کر دیا ہو اور وہ عقل و دانش میں اپنے کو

انتہا بالا سمجھتا ہو کہ ہر حکم الہی کو اپنی فہم و بصیرت پر جانچتا ہو، اپنے مفاد کے
میزان پر پرکھتا ہو۔ اور احکام الہی کو کم تر سمجھ کر دور پرے ڈال دیتا ہو۔
ایسے تمام لوگ اسلام کی نگاہ میں خائن و غاباز اور جعل ساز ہیں۔ وہ اپنے
نفس کے لیے بھی ظالم اور مسلم معاشرے کے لیے تو ظالم تر ہیں۔
ان لوگوں کی صریح بددیانتی و غابازی اور مکاری یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ
دیتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری حکم شہادت پر اعتماد کر کے عام مسلمان اپنی
ملت کا جزو جان کر اس کو تمام اسلامی حقوق اور مراعات سے مستفیض ہونے
کا موقعہ تیار ہوتا ہے۔

عبادت میں وارفتگی

حضرت حسن بصریؒ کے ہم عصروں میں کئی انتہائی بلند پایہ صاحب
علم و عزیمت اور صاحب ورع و تقویٰ لوگ تھے جن میں ابن سیرین عالم
بن عبد قیس اور سعید بن مسیب مشہور ترین تابعی ہیں۔ جن میں ہر ایک ممتاز
صفت رکھتا تھا۔ عامر بن عبد قیس کی عبادت مشہور تھی۔ ابن سیرین کے اندر
ورع اور تقویٰ ان کی سیرت کی نمایاں ترین صفت تھی اور سعید بن مسیب
تفقہ اور بصیرت میں ممتاز ترین آدمی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن تنہا حسن بصری
کے اندر یہ تمام صفات جمع تھیں۔

عبادت میں طاعت کے ساتھ ان کے اندر وارفتگی، جوش و ولولہ
اور خود فراموشی پائی جاتی تھی مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حمید نام کے ایک

شخص نے شعبی سے کہا کہ مجھے حسن سے کبھی تنہائی میں ملاقات کراؤ۔ حمید کی اس خواہش کا شعبی نے حسن بصری سے ذکر کیا۔ انھوں نے کہا جب دل چاہے آجائیں ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ ایک دن وہ اسی غرض سے شعبی دروازے پر موجود تھے، انھوں نے کہا حضرت بصری اندر تنہا ہیں چلے جائیے ملاقات ہو جائے گی۔ حمید کہتے ہیں کہ مجھے تنہا ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ انھوں نے شعبی سے کہا کہ آپ بھی ساتھ چلتے چنانچہ دونوں ساتھ اندر گئے دیکھا کہ حسن قبلہ رو بیٹھے ہیں اور ایک عجیب کیفیت ان پر طاری ہیں۔ وہ اپنے آپ سے جیسے بول رہے ہوں :

اے ابن آدم۔ تو عدم ذیست تھا وجود و ہست میں آیا۔

تو نے مانگا تجھ کو دیا گیا، لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ

سے مانگا گیا تو تو نے انکار کر دیا۔ افسوس تو نے بُرا کام کیا۔

یہ کہ وہ بے خبر ہو جاتے تھے، پھر ہوش میں آکر یہی کلمات دہراتے تھے

یہ رنگ دیکھ کر شعبی نے حمید سے کہا کہ لوٹ چلو اس وقت وہ

کسی اور عالم میں ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کی زندگی میں نفاق و تضاد کا کوئی ادنیٰ اثابہ تک نہیں پایا جاتا

تھا۔ ان کے قول و عمل میں یکسانیت کا یہ حال تھا کہ وہ جب تک خود ایک کام نہ

کر لیتے تھے اُس وقت تک دوسروں کو اس کے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے

اور جب تک خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے اُس وقت تک دوسروں کو اس سے

حضرت حسن بصریؒ کہا کرتے تھے کہ:

یہ حقیقت ہے کہ حق کی طرف بلانے کا کام کمزور زبان میں نہیں کیا جاسکتا ہے اور اصلاح معاشرہ کی کوئی کوشش بھی زبان کی خامیوں کے

ساتھ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ انسان کے ضمیر کو زبان و ادب کی قوت ہی سے جھنجھوڑا جاسکتا اور قوائے عمل کا اضمحلال بھی شعر و ادب کے زور سے دُور کیا جاسکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انقلاب کے پیچھے زبان کی قوت ہوتی ہے اور تحریک کے ساتھ عمدہ ترین لٹریچر ہوتا ہے۔ پیغمبروں کی دعوتِ حق ہو، صالحین کے پند و نصائحِ مجددین کی دعوت و تذکیر ہو یا انقلابیوں کی انقلابی کارروائیوں کے لیے لٹکار ہر ایک کے ساتھ زبان و ادب کی پرستاشِ قوت ہوتی ہے۔ قرآن اس کی بہت دلیل احادیثِ رسول اس کی واضح مثالیں ہیں۔ پھر بعد کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں جن لوگوں نے اصلاح کا کام کیا سب کے سب تحریر اور تقریر کی بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے، ان کی زبانیں سلیس، شستہ اور رواں ہوتی تھیں۔

حسن بصریؒ اس لحاظ سے بھی بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں وہ بہترین زبان بولتے تھے۔ ان کی فصاحت و بلاغت مشہور تھی۔ ان کے زمانے میں فصاحتِ زبان اور عربیت میں رویہ بن عجاج اور حجاج بن یوسف مشہور تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ان سے بھی زیادہ اچھی زبان استعمال کرتے تھے۔

تصوف

حضرت حسن بصریؒ علومِ ظاہری میں جس درجہ کمال رکھتے تھے، اس سے کہیں زیادہ اطن کی حقیقتوں یعنی عرفانِ نفس، عرفانِ حق، اور علمِ حقیقت

کے ماہر تھے۔ فقہ کی باریکیوں سے زیادہ تقویٰ کی حقیقتوں پر توجہ دیتے تھے۔
اور فلسفیانہ علم و تخیل سے کہیں بڑھ کر نفس کا محاسبہ کرتے تھے۔

تصوف کا سرچشمہ

اور یہ واقعہ ہے کہ حسن بصریؒ کی ذات تصوف کا منبع اور تذکیہ نفس کے طریقوں کا سرچشمہ تھی۔ تصوف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں اور تصوف کے سلسلے آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علیؑ تک پہنچتے ہیں اور آج دنیا بھر کی خانقاہوں کے صدر نشین اپنے سلسلہ تصوف کو، اور طریق رشد و ہدایت کو انہی کی ذات سے ملا کر حضرت علیؑ تک پہنچاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک، شروع سے لے کر اس وقت تک تمام اکابر صوفیہ حضرت حسن بصریؒ کو اس سلسلہ نورانی کا سرچشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں۔ ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں اور ان کے اقوال اور تعلیم کو تصوف کا نصاب مانتے ہیں۔

تصوف کیا ہے

اس موقع پر یہ بتادینا غیر ضروری نہ ہوگا کہ تصوف مسلمانوں میں رشد و ہدایت کا ایک طریقہ سمجھا جاتا ہے جو پہلی صدی ہجری سے شروع ہو کر ہر زمانہ میں قائم رہا ہے۔ خلفائے راشدین، پھر حضرت عمرو بن عبد العزیز کے بعد جب مسلمانوں کی اصلاح و تعمیر کا کام سرکاری سطح پر بند ہو گیا۔ سیاست سے

دین آہستہ آہستہ جب جدا ہونے لگا، دولت کی ریل پیل ہو گئی، فتوحات کی کثرت نے دولت کا رخ اہل ایمان کی طرف موڑ دیا اور غالب طاقت کی حیثیت سے مسلمان دنیا کے نقشہ پر ابھر آئے تو قوموں کی قومیں اسلام کی آغوش میں بے دھڑک آ گئیں۔ مستحکم حکومتوں نے لوگوں کو تمام بیرونی خطرات سے فارغ کر دیا۔ دیگر قوموں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے عجیبی اثرات عربی ذہنوں کو متاثر کرنے لگے، اور سامان عیش و نشاط کی فراوانی ہو گئی۔ اور دنیا دست بستہ لونڈیوں کی طرح دربار شاہی سے لے کر مسجد و محراب تک میں داخل ہو گئی۔ ایوان حکومت میں تخت و تاج پر جھگڑے شروع ہو گئے، اور سیاست دین سے بڑی حد تک جدا ہو گئی تو مسلمانوں کی اصلاح کا کام افراد نے لے لیا اور وقت و حالات کی مطابقت اور مناسبت سے اصلاح کے طریقے ایجاب کیے۔ اصلاح کا کام کرنے والے ایسے لوگ صوفی کہلائے اور اصلاح کے مروجہ طریقوں کو تصوف کہا جانے لگا۔ اور جن لوگوں نے ان کے طریق اصلاح کو قبول کر کے اصلاح کے لیے اپنے کو آمادہ کر لیا وہ شاگرد، تابع، یا مرید کہلائے۔

تصوف کی یوں تو بہت لوگوں نے مختلف تعریفیں اور صوفی کی وجہ تسمیہ بھی بہت سی بیان کی ہیں لیکن حقیقت میں تصوف حق کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ اور جو آدمی اپنے احوال و اعمال کی نگرانی ہمیشہ کرتا رہتا ہے، دوسروں کے ساتھ حد درجہ بااخلاق ہو۔

اور اخلاق مندر ہونے کی سچی پیہم کرتا رہتا ہو، وہ صوفی ہے اور کسی بندہ مومن کا

زمانہ اور وقت کے اندر وہ کام کرنا جس کو انجام دینے کے لیے وہ زمانہ اور وقت مقرر کیا گیا ہو، یعنی وقت کے کام پر نگاہ رکھنا، یہ تصوف ہے۔

صوفیہ کرام

صوفی اور تصوف کی اس تعریف کی روشنی میں جب ہم اصلاح معاشرہ کا کام کرنے والے ممتاز اہل حق کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو صاف دیکھتے ہیں کہ اصلاح معاشرہ کے لیے جس وقت جو کام کرنا چاہیے تھا اُنھوں نے وہی کیا۔۔۔۔۔ اُنھوں نے اصلاح احوال کے لیے وہی طریقے اختیار کیے جو اس زمانے اور وقت کے حالات سے مطابقت رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ان کی زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں ملتا، جس میں تضاد پایا جاتا ہو وہ جب دوسروں کو نصیحت کرتے تھے تو خود کو بھلا نہیں رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ان کی زندگی کا جہد صریح سے بھی جائزہ لیا جائے۔ سرتاپا جہد و جہد نظر آئے گی۔ حسن عمل کا بہترین نمونہ اور امت کے لیے خیر و فلاح کے سب سے زیادہ خواہشمند ملیں گے۔۔۔۔۔ وہ وقت کی حکومتوں پر تنقیدیں کرتے ہوئے ملتے ہیں تو دوسری طرف میدان جہاد میں داد شجاعت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔ کوئی حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کلمہ کہتے ہوئے ملتے ہیں۔۔۔۔۔ کوئی حکمران حق باتیں سن کر خاموش ہو جائے تو کوئی جیل خانے بھجوا دیتا یا کوڑے لگواتا ہے۔۔۔۔۔ حالانکہ نرم ہوں یا گرم وہ اپنا کام کیسے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ بڑا ہویا چھوٹا، جاگرو

تصوف اور صوفیوں کی قسمیں

صوفیوں کی ایک قسم ملامتیہ کہلاتی ہے۔

۱۔ ملامتی وہ شخص ہے جو نہ نیکی کا اظہار کرتا ہے اور بُرائی کا اخف کرتا ہے۔

جو فاسد خیال میں مبتلا ہو اس آدمی کو حلویہ کہا جاتا ہے جو حلول کا قائل ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان میں حلول کرتا ہے

جب ولایت : لہ نہی جہالت مآبوں میں ان لوگوں کا گروہ بھی ہے جو اسر خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ بجز توحید میں غرق ہیں، اس لیے ان کی کوئی حرکت ان کا کوئی کام ان کے اختیار سے نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے گمان کی رو سے وہ مجبور محض ہیں اور اللہ کے فضل و اختیار کے مقابلہ میں انھیں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے لہذا وہ معصیتوں کے لیے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں اور نفسانی خواہشات کی ہر پیکار پر لبیک کہتے ہیں اس طرح وہ بے کار محض ہو کر ہمیشہ کے لیے غفلت میں جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دھوکے میں رہتے ہیں اور ملت سے خارج ہو جاتے ہیں اور شریعت کے حدود و احکام اور حلال و حرام نسب ان کی نظر میں بے معنی ہوتے ہیں۔

اسی صورت سے ملحد قسم کے لوگ جو جہل و نادانی کے دور میں صوفی کہلائے ان میں مشہور گروہ وجودیہ، اتحادیہ، حلویہ اور ظہوریہ ہے ان سب گروہوں نے فلسفہ کے پردے میں الحاد، بے دینی، بے راہ روی

بد اخلاقی کو فروغ دیا اور مسلمانوں کو دین سے دور لے گئے۔

بگڑ کی بنیادی وجہ

اس بگڑ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے علم کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک کا نام علوم ظاہری رکھا اور دوسرے کا نام علوم باطنی۔ حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے جو تعلیمات بھی دی ہیں چاہے وہ قانون اور شریعت کا علم ہو یا تزکیہ کا — فرائض و واجبات احکام ہوں یا نوافل و مستحبات کے، عدالت و قضا کے ہوں، یا جنگ و جہاد کے رات کی تاریکی میں چھپ کر نمازیں پڑھتے یا دعا و اذکار ہوں، سب کی تعلیم آپؐ نے واضح الفاظ میں دیں، واضح طور پر بتایا کہ کوئی علم کسی کے لیے خاص نہیں کیا — آپؐ کو حضرت علیؓ جتنے عزیز تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمر و عثمان بھی اتنا ہی عزیز تھے، اگر آپؐ اپنے حسن و حسین کو اپنا جگہ گوشہ سمجھتے ہیں تو حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ کو اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے — آپؐ نے جو کچھ بتایا واضح طور پر بتایا۔ آپؐ کی ان واضح تعلیمات کا نام شریعت، دین اور اسلام ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے خرافات ہے۔ شریعت کے خلاف جو کچھ ہے وہابیات اور قابل اجتناب ہے۔

اسی باطنی علوم کے بارے میں حافظ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ اپنی کتاب فضل علم السلف علی الخلف میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ نو مولود علوم

میں سے ایک یہ ہے کہ ان باطنی علوم سے شغف رکھا جانے لگا جن کا تعلق معارف اور اعمالِ قلوب سے بیان کیا جاتا ہے اور ان پر ذریعہ فتنگی محض رائے اور ذوق کی بنا پر ہے یا کشف کے سبب سے، حالانکہ ان میں خطرہ عظیم ہے اور اس کی خطرناکیوں ہی کے سبب سے امام احمد بن حنبل اور دوسرے اکابرین اور ائمہ نے اسے سخت ناپسند کرتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ :

”ہمارا علم کتاب و سنت سے مقید ہے لہذا جو شخص قرآن اور حدیث سے نابلد ہو اس کے لیے ہمارے اس علم میں لب کشائی اور اقتدار جائز نہیں“

بہر حال تصوف جو تزکیہٴ نفوس، اخلاق کو پاکیزہ بنانے اور بد خلقی سے اپنے دامن کو پاک رکھنے کا ایک طریقہ یا علم تھا اس میں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شکاف پڑنا شروع ہو گیا۔ کیونکہ تقویوں کی عزت و احترام کو دیکھ کر جھوٹے اور مسکار لوگوں نے اس کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اور جو علم غفلت و کوتاہی سے چوڑکانے کے لیے تھا اسی کو غفلت و کوتاہی اور دنیا کی کمائی کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ پھر ان ظالموں نے اس شکاف کو وسیع سے وسیع تر کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس عظیم محل کے دروازے میں ایسے ناہنجار لوگ گھس آئے جو طرح طرح کے الحاد، زندقہ اور نفاق اپنی آستینوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس میں داخل ہونے والوں میں لوگ بھی تھے،

• جنہوں نے یہ دعوے کیے کہ اولیاء اللہ انبیاء سے افضل ہیں۔

• جنہوں نے یہ دعوے کیے کہ اولیاء انبیاء سے مستغنی ہیں۔

• ان میں ایسے نامعقول لوگ بھی ہوئے جنہوں نے انبیاء و رسل کی لائی ہوئی شریعتوں کو ناقص بتایا۔

• ایسے غلط کار اور قابلِ مدِ ملامت لوگ بھی تھے جنہوں نے حلول و اتحاد کے کافرانہ عقیدے کا دعویٰ کیا۔

• وہ بھی تھے جنہوں نے وحدۃ الوجود کا پرچار کیا۔

• وہ اباحت پسند اور رند مشرب بھی تھے جنہوں

نے شرعی ممنوعات کو اپنے لیے حلال کر لیا تھا

اور حلال کو حرام۔

ہمارے پیر اور صوفی

ہم اپنے دود میں اپنے صوفی اور پیر کو جب دیکھتے ہیں تو وہ بھی روحِ تصوف سے خالی نظر آتے ہیں۔

ہمارے یہاں آج بھی خانقاہیں تو بہت ملیں گی لیکن دلوں کو بھلانے والی بھٹی کہیں نہیں ملے گی۔ ساکت لب پیر تو مل جائیں گے لیکن خود ان کے ذہن فسکر، آخرت سے خالی ہوں گے۔ نیچی نگاہیں

تصوف کی بدنای کے اسباب

غرضیکہ ماضی اور حال کے اسی قسم کے بہت سے عقائد اور افکار نے تصوف کے محل میں پڑ جانے والے شکاف کو اور وسیع کر دیا چنانچہ اس کے اندر شر و فساد کی بہت سی باتیں داخل ہو گئیں، دین کے نام پر بیدینی اور خرقہ پوشی کے اندر ضمیر فروشی ہونے لگی۔ کچھ لوگوں نے صوفیت کے لباس کا نام لے کر گھناؤنا لباس پہننا شروع کیا اور اس کی تعبیر یہ کی کہ نفس کو موٹا ہونے سے بچانے کے لیے اور انکسار و تواضع پیدا کرنے کے لیے یہ کیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں نے گانے بجانے کی محفلیں جمائیں اور رقص کا اہتمام کیا اور اس کے جائز اور حلال ہونے کی یہ دلیل دی کہ ان سے دلوں میں رقت پیدا ہو جاتی ہے اور سوزِ عشق میں اضافہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں نے خوب صورت چہروں کو دیکھنا عشقِ حقیقی کے لیے لازمی قرار دیا اور اس کا نام اباحیت عشق رکھا۔

واقعہ ہے کہ ان ساری خرابیوں نے تصوف کو بدنام کیا اور اس کی افادیت کھو دی۔ ورنہ تصوف کوئی بُری چیز نہیں ہے، وقت اور حالات کے مطابق اصلاحِ معاشرہ کا ایک طریقہ ہے، اسلامی انقلاب لانے کی کوشش ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت فضل بن عیاضؒ، رابعہ بصریؒ اور جنید بغدادیؒ، مجدد الف ثانیؒ اور سید احمد شہیدؒ تک شامل

میں اور موجودہ دور میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے اکابرین ملت و جماعت، تہذیبِ نفس، زہد و ورع اور عبادتِ الہی سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی ان ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہونے کے لیے اُسٹے جو ان کے زمانے میں ان پر عائد ہوتی تھیں۔۔۔ چنانچہ یہ حضرات بندگانِ خدا کو اللہ کی طرف بلا تے اور اُسے راہِ حق ان کو دکھاتے رہے وہ لوگوں کو دنیا پرستی سے روکتے اور جائز و ناجائز اور حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر دنیوی سامان جمع کرنے کی دھن میں لگے رہنے سے منع کرتے رہے۔ نیز یہ روشن ضمیر لوگ عام مسلمانوں کو نفسانی خواہشات اور لذتوں میں پڑنے سے منع کرتے رہے کیونکہ یہ عادتیں انتہائی بُری اور مہلک ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان شرعی ممنوعات کے ارتکاب پر جبری ہوتا ہے، فرائض و واجبات سے غافل ہو جاتا ہے، اور جس مقصد کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ مقصد اُس سے فراموش ہو جاتا ہے۔ اور مقصد فراموشی آہستہ آہستہ آدمی کو بے راہ رو، مجرم پیشہ، مجرم ضمیر اور فسادِ بنیادیتا ہے۔ اور اس طرح پورا معاشرہ اختلال و انتشار، بد نظمی اور بد اعمالی کا شکار بن جاتا ہے۔۔۔ صوفیائے کرام چاہے وہ صدرِ اول کے ہوں یا دورِ حاضر یا ماضی قریب کے سب کے سب اپنے مواعظ و ارشادات، تحریک اور لٹریچر کے ذریعہ اخلاق کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ گویا اُمت کا ہاتھ پکڑ کر اس کو حق و ہدایت کی راہ پر گامزن کرتے رہے۔۔۔ وہ حقیقی سعادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے اور یہ

کھول کھول کر بتاتے رہے کہ ایمان، عمل صالح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیتے بغیر آدمی راہ سعادت اختیار نہیں کر سکتا۔

مصلحین کی کثرت

یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں مسلمان اس لحاظ سے بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں کہ ہر دور میں اصلاح اور دعوت و تذکیر کا کام ان میں برابر ہوتا رہا کہیں کبھی اور کوئی زمانہ اس سے خالی نہ رہا۔ صوفی ہوں یا عالم، پیر ہوں یا لیڈر، مسجدوں کے امام ہوں یا مدرسوں کے معلم، کسی نہ کسی شکل میں کوئی نہ کوئی اس کام کو کرتا رہا ہے۔ اور کسی بڑی خرابی کے پیدا ہو جانے کے بعد کوئی مصلح یا کوئی مجدد آیا اور اُس نے معاشرے میں پھیلی ہوئی جملہ خرابیوں کو دور کر کے ایک صاف ستھرا اور نکھر اُٹھتا معاشرہ قوم کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ جس کا عمل تطہر برسوں جاری رہا اور اُس نے اپنے قول و عمل سے اسلام کے نمونے پیش کر دیئے۔

حسن بصریؒ اور وقت کے فتنے

حسن بصریؒ اپنے دور میں اُسٹھنے والے تمام فتنوں سے الگ تھلگ رہے، ابن اشعث کی بغاوت اور یزید بن مہلب کے فتنے سے اپنے کو بالکل الگ رکھا، اور نہ ہی اُنھوں نے حکومتِ وقت کا ساتھ دیا اور نہ حکومت کے خلاف اُسٹھنے والے کے ساتھ کوئی تعاون کیا۔

ایک مرتبہ ابن اشعث کے ساتھیوں نے آپ کو جبریہ جنگ میں شریک کرنے کی کوشش کی اور بالجبر لے چلے، اثنائے راہ میں جب لوگ کچھ غافل ہوئے تو انہوں نے نہر میں چھلانگ دی اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا لیکن جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ ابن اشعث کو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ یہ جانتے ہیں کہ لوگ آپ کا اسی طرح ساتھ دیں جس طرح انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ساتھ دیا تھا تو آپ حسن بصری کو اپنے ساتھ ملا لیجیے۔ لوگ پروانہ وار آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جائیں گے۔ چنانچہ لوگوں کے ابھارنے پر اُس نے حسن بصری پر جبر ڈال کر بلایا اور وہ موقعہ پا کر نہر میں کود کر بھاگ گئے۔ مگر جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ عقبہ بن عبد الغافر، ابوالجوزاء اور عبد اللہ بن غالب اور کئی دوسرے لوگ حسن بصری کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ حجاج بڑا ظالم ہے، اُس نے لوگوں کے ناحق خون بہائے ہیں، لوگوں کے مال زبردستی چھینتے ہیں، وہ نماز کا تارک، فاسق اور معصیت کا رہنے والا ہے، اس کے خلاف بغاوت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت بصریؒ نے کہا:

”میری رائے میں تم اس سے جنگ نہ کرو، کیونکہ اگر

اس کی جنگ اللہ کی طرف سے تم پر عذاب ہے تو

تم اپنی تلواروں سے اسے ہٹا نہیں سکتے اور اگر

آزمائش اور عذاب نہیں تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ فیصلہ

فرما دے، اللہ بہترین فیصلہ فرمائے والا ہے۔

ایک جگہ جنگی کمیٹی بیٹھی ہوئی تھی اور خلافت اموی کے خلاف جنگ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔ لوگ جنگ کرنے کے لیے ابھار رہے تھے۔ سعید بن ابوالحسن تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور انھوں نے لوگوں کو جنگ پر ابھارتے ہوئے کہا کہ اگر آج ہم نے شامیوں کا اس جنگ میں ساتھ نہیں دیا تو کل وہ ہم کو طعنہ دیں گے۔ پھر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم امیر المومنین کے خلاف تر جنگ کرنے میں کھڑے ہوئے ہیں، نہ ہم نے ان کی بیعت توڑی ہے اور نہ توڑنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔ البتہ امیر المومنین سے ہم کو شکایت ہے، اور وہ یہ کہ انھوں نے حجاج جیسے ظالم کو ہمارے اوپر کیوں حاکم بنایا اسے معزول کیا جائے۔ ہمارا سب غم و غصہ صرف اسی وجہ سے ہے۔

سعید جب اپنی تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے، حسن بصری کھڑے ہوئے اور انھوں نے پہلے حمد و ثنا کی اس کے بعد کہا:

”لوگو! اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر حجاج کو عذاب بنا کر بھیجا ہے۔ عذاب الہی ہے جو تم پر مسلط ہے، لہذا تلوار سے اللہ کے عذاب کا مقابلہ نہ کرو، البتہ اس عذاب کے ٹلنے کی دعائیں کرو، اللہ کے سامنے رورو کر گڑ گڑاؤ۔ اور اس عذاب سے اس کی پناہ طلب کرو، اب رہا تمہارا یہ کہنا کہ شامیوں کو کیا منہ دکھائیں گے، اور وہ ہمارے

بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔ تو میرے بھائیو! اس لو،
 شامی خود کوئی قابل بھروسہ لوگ نہیں ہیں اگر وہ حجاج کے مقابلے میں
 آئے اور حجاج نے اُن کے آگے ٹکڑے ڈال دیئے تو وہ تمہارا
 ساتھ چھوڑ کر حجاج کے ساتھ ہو جائیں گے اور تمہاری باتوں
 کو ماننے کی بجائے اسی کے آگے سر نیاز خم کر دیں گے۔
 لوگ میری کھلی رائے یہ ہے کہ جب لوگ سلطان کی طرف سے
 آزمائش میں مبتلا کیے جائیں اور وہ اس آزمائش پر صبر کر لیں
 تو کچھ دنوں کے بعد آزمائش کا دور ختم ہو جائے گا، لیکن
 اگر بے صبر ہو کر تلواریں نکال لیں اور تلواروں کی دھادوں ہی
 پر فیصلہ کرنا چاہیں تو اس سے بد امنی اور بے اطمینانی ہی پھیلتی
 ہے۔ خدا کی قسم ان طریقوں سے پُر امن دور نہیں آتا۔

اور آگ تے نہیں جلایا

ایک آتش پرست آپ کا ہمسایہ تھا۔ اس نے ایک
 مرتبہ شمعوں بہت سخت بیمار ہوا۔ آپ کی عیادت کے لیے اُس
 کے گھر گئے۔ بات چیت کے دوران حضرت حسن بصریؒ نے
 شمعوں سے کہا:

”ساری عمر تم نے آگ اور دھوئیں میں بسر کر دی، اب بھی
 وقت ہے کہ اپنے اصلی اور حقیقی معبود کو پہچانو اور اُس سے

ڈرو۔۔۔۔۔ بہتر ہے کہ تم اسلام قبول کر لو، تاکہ خدا کی رحمت سے
فوائد حاصل کر سکو۔۔۔۔۔ اُس نے کہا۔ اسلام کو قبول کر لیتا اگر
یہ یقین باتیں رکاوٹ نہ بنیں۔

آپ نے کہا وہ کون سی چیز ہے جو قبولیتِ حق کی راہ میں مانع
ہو رہی ہے؟

اُس نے کہا۔۔۔۔۔ اوّل یہ کہ تم دن رات دنیا کو بُرا کہتے
رہے ہو لیکن اس کی طلب میں مشغول رہتے ہو۔

دوم یہ کہ موت کو حق سمجھتے ہوئے بھی اس کا سماں نہیں کرتے۔
تیسری بات یہ کہ یہ جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا پھر
بھی اس کی رضا کے خلاف کام کرتے ہو۔

آپ نے فرمایا:

اگر اہل ایمان ایسا کرتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ
اپنے معبود کو پہچانتے ہیں اور یہ آشنائی کی نشانی ہے۔ مگر تم
کیا کرتے ہو۔۔۔۔۔ تم نے تمام عمر آتش پرستی میں گزار دی۔
اور میں نے کبھی بھی آگ کی پوجا نہ کی۔ اس کے باوجود اگر آگ
میں ہاتھ ڈالیں تو آگ دونوں کو یکساں طور پر جلا ڈالے گی۔

تمہاری ستر سالہ پوجا کی کوئی رعایت نہیں کرے گی۔۔۔۔۔
لیکن اگر میرا خدا چاہے تو آگ کی مجال نہیں کہ کچھ بھی بگاڑ سکے۔
آؤ دونوں آگ میں ہاتھ ڈال دیں تاکہ آگ کی کمزوری اور خدا کی

قدرت ظاہر ہوئی کہ کہہ کر آپ نے آگ میں ہاتھ ڈال دیا اور دیر تک آگ میں ہاتھ رکھے رہے لیکن آپ کے ہاتھ پر آگ کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔

شمعون پر اس کا گہرا اثر ہوا اور اس طرح اُس نے اپنے حقیقی معبود کو پہچانا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

حسن بصری کی نصیحت

ایک مرتبہ ایک سفید ریش کو آپ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، تین کام ہرگز نہ کرو۔

۱۔ بادشاہوں کے پاس نہ جانا خواہ شفقت کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ کسی غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھو، چاہے وہ رابعہ بصری ثانی ہی ہو۔

۳۔ کانوں کو رنگ کا عادی نہ بنانا چاہے تو مردان خدا ہی کا مرتبہ حاصل کر لے۔ کیونکہ یہ تینوں کام خطرے سے خالی نہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کے اقوال

حضرت بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو دوسو سے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں اور نکل جاتے ہیں وہ شیطان کی جانب سے ہیں ان کے ازالہ میں ذکر خدا اور تلاوت قرآن سے مدد لینی چاہیے۔ اور جو پیدا ہو کر قائم ہو جاتے ہیں وہ

کی جانب سے ہیں، ان کے دُور کرنے میں نماز، روزہ اور ریاضت سے مدد
لیتی چاہیے۔

متواضع ہونے کی شرط یہ ہے کہ گھر سے باہر کسی سے بھی ملے تو اس کو اپنے
سے افضل اور برتر سمجھے۔

● ————— جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا

کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے۔

● ————— ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں

کی دوستی بھی نہ خریدو۔

● ————— طمع عالم کو رسوا کر دیتی ہے۔

● ————— اپنے بھائیوں کی عزت کرو تو ہمیشہ ان کے ساتھ

تمھاری دوستی قائم رہے گی۔

● ————— اگر موت کی رفتار پر انسان کی نظر ہوتی تو وہ اپنے

قریب اُمید کا دشمن بن جاتا۔

● ————— خدا کی قسم جس نے مال و زر کو عزت دی خدا نے

اس کو ذلیل کیا۔

● ————— عقل مند کی زبان قلب کے پیچھے ہے جب وہ کچھ

کہنا چاہتا ہے تو پہلے وہ قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اور

جاہل کا قلب اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے، وہ قلب کی

طرف رجوع نہیں کرتا جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے۔

● دنیا اور حقیقت تمھاری سواری ہے، اگر تم اس پر سوار ہو گے تو وہ تم کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی۔

● جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو تو پہلے اس پر نظر کرو، اگر وہ خدا کا مطیع ہے تو اس سے دشمنی رکھنے سے بچو، کیونکہ خدا اس کو تمھارے قبضہ میں کبھی نہ دے گا اور تمھارے لیے اس کو تنہا بے یار و مددگار نہ چھوڑے گا، اور اگر وہ خود نافرمان ہے تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ خود ہلاک ہو جائے گا، خدا کی دشمنی اس کے لیے کافی ہے، اپنے کو اس کی عداوت میں خواہ مخواہ کیوں پریشان کرتے ہو۔

● میں نے ایسے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو۔ اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔

● اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا کے سپرد کر دو اور ہر مسلمان تمھارے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔

چند واقعات و حقائق

ایک روز خواجہ حسن بھری اپنی عبادت گاہ کے بالا خانے پر بیٹھے روئے تھے اور کثرت گریہ سے آنسو رخسار پر گر کر رہے تھے، اتفاقاً

اسی وقت ایک شخص نیچے سے گزرا اور اُس پر آنسو کے چند قطرے گر پڑے، اُس نے اُپر دیکھا اور پوچھا اے بھائی پانی کے قطرے کیسے ہیں پاک ہیں یا ناپاک۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی ایک گنہگار کے یہ ناپاک آنسو ہیں، انھیں دھو ڈالو۔

مدا کی محبت

ایک مرتبہ ایک خوبصورت عورت ننگے سر، ہاتھ منہ کھولے غصہ میں بھری ہوئی پ کے پاس اپنے شوہر کی شکایت لے کر آئی۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ایک بخت پہلے اپنے سر منہ کو ڈھانپ لے، پھر شکایت بھی کر لینا۔ عورت شرمندہ ہوئی اور کہا معاف کیجیے۔ میں اپنے شوہر کی بات میں از خود رفتہ ہو گئی کہ مجھے اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا۔ پ نے اس کی بات سن کر دل میں کہا:

اے حسن اگر تو بھی اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کی دوستی میں ایسی ہی محویت سے کام لیتا رہا تو مجھے معلوم نہ ہوتا کہ اس عورت کے سر پر کپڑا ہے یا نہیں۔

حق گوئی و بیباکی

ایک دن آپ ایک مقام پر لوگوں کے ہجوم میں تقریر کر رہے تھے، اتفاقاً بات حجاج بن یوسف شمشیر بھندہ سپاہیوں کے ساتھ ادھر ہی آنکلا۔ ایک شخص جو اس مجلس میں شریک تھا اس کا بیان ہے کہ میرے دل میں اسی وقت خیال آیا کہ آج حسن بھری کا امتحان ہو جائے گا۔ دیکھتے ہیں کہ حسن

کے متوالو، دیکھ لیا تم نے آدمی کا انجام۔ یہ جگہ دنیا کا آخری مقام اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔ پھر جب انجام یہ ہے تو بتاؤ کس بات پر ناز ہے، کس وجہ سے غرور ہے۔ لوگو دیکھ لو یہ دنیا کیسی جائے عبرت ہے۔

حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ

حضرت حسن بصریؒ کے زمانہ کے بزرگ ترین لوگوں میں حضرت سعید بن جبیرؒ ابن سیرین وغیرہ تھے، حضرت حسن بصریؒ کو سعید بن جبیرؒ سے بڑا ہی قلبی لگاؤ تھا۔ جب حجاج نے سعید بن جبیرؒ تابعی کو انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا تو وہ بہت بے کل ہو گئے اور انتہائی اضطراب کے عالم میں حضرت حسن بصریؒ نے دعا کی ”خدا یا ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے۔ وہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم اگر سارے روفے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں ڈال دیتا۔ حجاج کے حق میں حسن بصریؒ کی یہ بددعا اور خود سعید بن جبیرؒ کی شہادت کے وقت کی یہ دعا کہ خدا یا میرے قتل کے بعد پھر اس کو کسی دوسرے کے قتل پر قادر نہ کرنا“ اللہ کے حضور سن لی گئی۔ اور اس دردناک واقعہ کے چند ہی دن بعد حجاج ایک خاص قسم کے جنون میں مبتلا ہو گیا۔ سوتا تھا تو خواب میں بھی اسے جناب سعید ہی نظر آتے اور کہتے کہ اوطالم تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے؟ آنکھ کھلتی تو اُس وقت بھی جناب سعید کو اپنے سامنے کھڑا پاتا۔

یہ کیفیت ابھی باقی ہی تھی کہ وہ امراض کی لپیٹ میں آگیا۔ پہلے اس کے پیٹ میں سرطانی پھوڑا نکل آیا اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ اس کا زہرون بدن جسم میں بڑھتا ہی چلا گیا جس سے ایک اور نئی بیماری ہو گئی جس کا نام زہر زہر ہے اس بیماری میں اس کو ایسی سردی محسوس ہوتی کہ دھکتے انگاروں کی ہزاروں انگٹیاں اس کے اتنا قریب کر دی جاتیں کہ اس کی کھال جلنے لگتی پھر بھی اس کی سردی کم نہ ہوتی۔

طبیعوں نے جب تجویز کیا کہ پیٹ میں پھوڑا ہے اور اس کو جانچنے کے لیے روتی کے ٹکڑے کو دھاگے میں باندھ کر حجاج کو نگلوایا جب ٹکڑا نکل گیا تب چھینکا دے کر باہر کھینچ لیا گیا جو صرف کیڑوں سے بھرا تھا۔ یہ دیکھ کر اطباء نے اس کی بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا۔

حسن بصری اور حجاج

اس تکلیف سے بیزار ہو کر حجاج نے خواجہ حسن بصریؒ کو بلایا اور رونے لگا اور آپ کی خدمت میں گر گر کر التجا کی کہ میرے لیے دُعا کیجیے۔ جناب حسن بصریؒ نے فرمایا: حجاج دیکھ میں تجھ کو برابر نصیحت کیا کرتا تھا کہ لوگوں کو ناحق نہ ستا مگر تو نے میری باتوں پر کوئی توجہ نہ دی، کبھی میری نصیحت پر عمل نہ کیا۔ اب تو روتا ہے، اب رونے سے کیا فائدہ؟ سعید کے ساتھ تو نے جو کچھ کیا یہ اصل میں اسی کا خمیازہ ہے؟ حجاج نے کہا، حسن بصریؒ آپ میری صحت کے لیے دُعا نہ کیجیے بلکہ موت کی دُعا کیجیے تاکہ میری شکل آسان ہو جائے

حضرت حسن بصریؒ سے لوگ جب کبھی یہ کہا کرتے تھے کہ آپ تلوار سے لوگوں کو سیدھی راہ پر کیوں نہیں لاتے؟ تو وہ فرمایا کرتے، اللہ تعالیٰ تو بہ سے ہدایت فرماتا ہے تلوار سے نہیں۔

حسن بصریؒ کی وفات اور خواب

ایک شخص نے ابن سیرین سے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک پرندے نے حسن کو اٹھا کر مسجد میں پھینک دیا۔ ابن سیرین نے یہ خواب سن کر کہا۔ اگر تم واقعی یہ خواب دیکھا ہے تو حسنؒ فوت ہو گئے۔ ابھی اس بات پر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسنؒ کی وفات کی خبر آگئی۔

حسن بصریؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انھوں نے کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسنؒ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ۔ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

ان تیاریوں سے فراغت کے بعد شب جمعہ کو سفر آخرت کیا۔ محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا۔ دوسرے دن بعد نماز جمعہ جنازہ اٹھا ساری خلعت جنازہ پر ٹوٹ پڑی۔ سارا شہر خالی ہو گیا، اور تازیخ گواہ ہے کہ اس دن جامع بصرہ میں کسی شخص کے نہ ہونے کی وجہ سے عصر کی نماز نہ ہو سکی

خوش رو اور خوش لباس

حضرت حسن بصریؒ خوش لباس انسان تھے۔ منقش چادریں، سیاہ عمامے، انگوٹھی، جُبت، مینی کپڑے پہنا کرتے تھے۔۔۔ ان کے ہاتھ میں انگوٹھی ہو کر تھی، وہ کبھی سبز رنگ، کبھی زنگ دار اور قیمتی چادر اوڑھا کرتے تھے۔۔۔ شطوی کتاں کا کرتہ، نیلی، سبز چادر اور ترکی جتہ بھی پہنے ہوئے ان کو دیکھا گیا۔ گرمی ہو یا سردی۔ پگڑی ضرور باندھا کرتے تھے۔ اور عموماً پگڑی رنگ دار ہوا کرتی تھی۔۔۔ حسن بصریؒ مشہور مقامات کے عمدہ کپڑے منگاتے تھے۔ شطاب کی کتاں۔ مین کی چادریں اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے۔ لباس میں ہمیشہ پورے کپڑے یعنی جبہ ردا اور عمامہ، کرتہ وغیرہ پہنتے تھے۔ بغیر عمامہ گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ آپ جتنا اچھا کپڑا پہنتے تھے اتنا ہی زیادہ حسین بھی تھے۔

عاصم احوال کا بیان ہے کہ اُنھوں نے ایک مرتبہ بصرہ جاتے وقت امام شعبیؒ سے پوچھا کہ بصرہ جارا ہوں کوئی ضرورت ہے تو بتائیے شعبیؒ نے کہا حسن کو میرا سلام پہنچا دینا۔ عاصم نے کہا۔ میں ان کو پہچانتا نہیں ہوں۔ شعبیؒ نے یہ نشان بتایا کہ بصرہ میں داخل ہونے کے بعد تم کو جو شخص سب سے زیادہ حسین نظر آئے اور تمھارے دل پر جس کا سب سے زیادہ رعب پڑے اسی کو سلام پہنچانا۔ اسی نشانی پر عاصم نے شعبیؒ کا سلام پہنچایا جو ٹھیک حسن بصریؒ کو پہنچا۔

سید بن حمیر

سعید بن جبیرؓ

تاریخ اسلام جن ہستیوں کی وجہ سے تاریخ عالم میں اپنا ممتاز مقام رکھتی ہے۔ ان ہی میں سے ایک بزرگ ہستی حضرت سعید بن جبیرؓ کی ہے۔ جن کے ذوق علم اور شوق شہادت نے زندگی کے بہت سے عنوانات کو یکجا کر دیا ہے۔

علم اور ریاست اور عبادت و عدالت سے لے کر عزیمت و جہاد تک بے شمار خوبیاں تنہا اس ایک شخص میں جمع ہو گئی ہیں۔ ایک ہی شخص جو بہترین مفسر اعلیٰ مرتبہ محدث، ممتاز فقیہ، قضا، اور بہت سی علمی شاخوں کا ماہر ہے۔ وہی متوکل، رضائے الہی کا پابند، حق گو اور بیباک، شریعت کا پابند، خوش لباس، خوش جمال، مدیر وقت، موت سے بے خوف اور بر ملا حق بات کہہ دینے والا بھی۔

یہ ہیں سعید بن جبیرؓ جن کی زندگی کی ابتداء جستجوئے علم اور انتہا انتہائے عمل۔

حضرت سعید بن جبیرؓ ان نامور تابعین میں سے ہیں جن کے کارنامہ
 ہائے حیات اسلامی تاریخ کا ایک اہم جزو ہیں۔ اور اسلام کی تاریخ و عورت
 و عزیمت ان کے نام نامی کے بغیر مرتب نہیں ہو سکتی۔ اور زہد و تقویٰ کی
 مثالیں دنیا میں جب بھی پیش کی جائیں گی اس میں امام سعید کا نام ضرور آئے
 گا۔ اور اخلاقی عظمتوں کے میناروں کو جب کبھی سراٹھا کر دیکھے گا تو یہ
 مینار بہت سے میناروں میں بلند و بالا نظر آئے گا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی
 علوم کے بہت سے سرچشمے ان کی ذات سے پھوٹتے ہیں۔ قرآن کا بیان، احادیث
 کی توضیح، فقہی مسائل کا حل جس عمدگی سے آپ نے پیش کیا ہے وہ اپنی
 مثال آپ ہے۔ آپ ابن عباسؓ کے شاگرد، بلکہ دیدہ و بینا تھے
 بہترین محدث، اعلیٰ درجہ کے فقیہ، اور عالی مرتبت مفسر تھے۔
 ربیہ کی اور حق گوئی میں انتہائی جری اور جسارت مند تھے۔

قرأت و تفسیر

قرأت اور تفسیر دونوں ہی میں آپ کو ملکہ تھا، آیات قرآن کی شان نزول اور ان کی تفسیر و تاویل میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فیض یافتہ تھے، اور آپ کے حلقہ درس میں پوری پابندی سے بیٹھتے تھے۔ اس لیے مجلس میں جو مسائل بھی پیش کیے جاتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان کا جو جواب بھی مرحمت فرماتے حضرت سعید ابن جبیرؓ کو ان سب کا علم ہوتا، اور وہ اپنی یادداشت کے لیے سب کو لکھ لیتے۔ جب کبھی لکھتے لکھتے آپ کی کاپی بھر جاتی تو، متھیلی اور کرتے کے دامن پر لکھ لیتے۔ اور بے شمار باتیں تو آپؓ زبانی ہی یاد کر لیتے۔ آپ کا حافظہ بہت ہی قوی اور حضرت ابن عباسؓ کا بارہا کا آزمایا ہوا تھا۔

حضرت ابن جبیرؓ نے اس حلقہ درس کا ذکر کرتے ایک دفعہ خود فرمایا تھا کہ:

”میں بڑی پابندی سے اس حلقہ درس میں شریک ہوا کرتا تھا اور میرے علم حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ باہر سے آئے ہوئے لوگ اس درس کی مجلس میں جو سوالات کیا کرتے اور جو مسائل پوچھتے تھے، اور حضرت ابن عباسؓ ان کے جو جوابات دیا کرتے تھے میں ان سب کو خوب غور سے سنتا تھا اور پوری توجہ کے ساتھ ان کو اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتا تھا۔ کبھی کبھی خود بھی کچھ

پوچھ لیتا تھا۔۔۔ کچھ مدت تک تو اسے زبانی یاد یعنی حافظے پر انحصار رہا مگر بعد میں جب حضرت ابن عباسؓ نے لکھ لینے کی اجازت دے دی تو لکھنا شروع کر دیا۔

حضرت سعید بن جبیرؓ درس کے علاوہ آپ کے گھر پر بھی آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔۔۔ خاص کر اس زمانے میں ان کی قربت بہت بڑھ گئی تھی جب حضرت ابن عباسؓ نابینا ہو گئے تھے۔۔۔ آپ تقریباً دن رات ان کی خدمت میں رہتے، اور تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے۔۔۔

حضرت سعید بن جبیرؓ اپنی انہی طالب علمانہ صفات کی وجہ سے علم و دانش کا خزانہ بن گئے تھے، آپ عالم وقت، فقیہ زمانہ اور مفسر عصر تھے۔۔۔ آپ کی زندگی علم سے جتنا بہرہ ور تھی جذبہ جہاد سے اتنا ہی سرشار۔۔۔ آپ جتنے بڑے عبادت گزار تھے، اتنا ہی کلمہ حق کہنے میں بیباک تھے۔۔۔ آپ زندگی کو ایک جامد شے اور عبادت کو اطاعت شعاری کے اظہار کا محض ایک جذبہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ عبادت کو مسلمانوں کی پوری زندگی پر محیط قرار دیتے تھے۔

عبادت اطاعت ہے

حضرت سعید بن جبیرؓ عبادت سے صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تسبیح و تہلیل، ذکر و اذکار مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے مراد اطاعت لیتے ہیں، یعنی

جو شخص اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ذاکر ہے، اور جس کی زندگی اطاعت الہی کی تابع نہ ہو وہ ذاکر نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہتا رہے، یا قرآن کی تلاوت کرتا رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

”عبادت یہ ہے کہ آدمی سے اگر گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرے اور پھر اطاعت و فرمانبرداری میں لگ جائے۔“

سعید بن جبیرؓ کی زندگی سرتاپا اطاعت بن گئی تھی اور آپ اطاعت کی اس منزل تک پہنچ گئے تھے جہاں سے کسی اطاعت شعار کا نفس خود اس کو حقیر معلوم ہونے لگتا ہے، چنانچہ امرا المعروف کو بہترین صفت سمجھتے ہوئے بھی کسی خطا کار کو اس کی خطا پر اور کسی گنہگار کو اس کے گناہ پر ٹوکتے ہوئے محض اس لیے آپ شرماتے تھے کہ مبادا اطاعت کی خامی خود آپ کے اندر موجود ہو، تو پھر آپ اس کو کیسے ٹوکیں۔ چنانچہ وہ ایسے موقعوں پر اپنی کمزوریوں کا خیال کر کے بے چین ہو جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں ایک شخص کو کسی گناہ میں مبتلا پاتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ ٹوک دوں مگر ایسا کر نہیں پاتا کیونکہ خود اپنا نفس اپنی نگاہ میں اتنا حقیر ہے کہ دوسروں کو ٹوکتے ہوئے مجھے اللہ عز و جل آتی ہے۔ نفس کو اس قدر حقیر سمجھنے اور اپنے مزاج کی اس انکساری کے باوجود غیبت کے معاملے میں آپ بڑے سخت تھے۔ جب کبھی کسی کو دوسرے کی غیبت کرتے ہوئے

سعید بن جبیرؓ ہمارے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے پھر گھر آکر تھوڑی دیر آرام کرتے اس کے بعد پھر آکر ہمارے ساتھ تراویح پڑھتے، پھر تین وتر پڑھتے اور پچاس آیتوں کے مقدار دعائے قنوت پڑھتے۔ جب نماز میں ایک سورت ختم کر لیتے تو کہتے صدق الصادق البار "سچے باری تعالیٰ نے سچ فرمایا"۔

• حضرت سعید بن جبیرؓ نے ایک موقع پر خود فرمایا کہ جب سے حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے ہیں اُس وقت سے میں پوری پابندی کے ساتھ دو راتوں میں قرآن ختم کرتا ہوں ہاں اگر سفر کی حالت میں ہوں یا بیمار ہو جاؤں تب یہ معمولی ہے۔

• نماز میں بعض مرتبہ آپ ایک ہی آیت کو دو مرتبہ پڑھتے اور کبھی تو کئی بار ایک ہی آیت کو دہراتے۔ ایک مرتبہ امامت کراتے ہوئے آپ نے قرآن کی آیت اذالاعلال فی امتثالہم تلاوت کی۔ اور پھر اس آیت کو آپ نے متعدد بار دہرایا۔

• ایک مرتبہ آپ نے ایک مجلس میں یہ بات کہی کہ مجھے یہ تو گوارا ہے کہ میرے سر پر کوڑے لگائے جائیں لیکن یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ امام تو خطبہ دے رہا ہو اور میں کوئی کلام کروں۔ صبح صادق کے بعد وہ عام طور پر کسی سے بات

نہیں کرتے تھے۔

● آپ ہر سال پابندی سے اپنے محلہ کی مسجد میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ نماز میں امام جب ولا الضالین کہتا تو آپ کہتے اَللّٰهُمَّ اعْقِدْ لِيْ۔

قرآن اور تفسیر کا علم

حضرت سعید بن جبیرؓ کو قرأت قرآن اور تفسیر دونوں میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ قرآن کے جتنے اچھے قاری تھے اتنے ہی اچھے مفسر بھی تھے۔ قرأت ترجیع کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن گاکر قرآن پڑھنا سخت ناپسند کرتے تھے، تمام مشہور قراتوں کے عالم تھے۔ آپ رمضان المبارک میں ایک مسجد میں نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ اس تراویح میں آپ کا معمول یہ تھا کہ ایک شب عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرآن سنایا کرتے تھے اور ایک شب کو زید بن ثابتؓ کی قرأت کے مطابق۔ اسی طریقے سے تیسری شب کو تیسرے قاری کے طرز پر اور چوتھی شب کو چوتھے قرأت کے مطابق۔ غرض کہ ہر شب کو باری باری تمام مشہور قاریوں کی قرأت سنایا کرتے تھے، آپ قرآن کے بڑے حافظ اور بہترین قاری تھے اور جتنے اچھے قاری تھے اتنے ہی اچھے ہی اچھے مفسر بھی تھے۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت اَلَا الْمُسْتَضْعِفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوُلْدَانِ کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جن

مردوں عورتوں اور لڑکوں کا ذکر ہے ان سے مراد مکہ کے وہ مظلوم تھے جو طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے۔

• اسی طرح ان ارضی واسعتہ (بیشک میری زمین کشادہ ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی زمین میں فساد برپا کیا جائے اور وہاں گناہوں کی کثرت ہو جائے تو اس سے نکل جاؤ۔

علم حدیث

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سعید بن جبیرؓ نے امام الحدیث والقرآن جبیر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے خصوصیت کے ساتھ فیض پایا ہے وہ برابر آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی خدمت کو اپنا مقصد بنا لیا تھا۔ جب کبھی کوئی شخص حضرت ابن عباسؓ سے ملنے جاتا تو اکثر سعید بن جبیرؓ کو آپ کے قدموں کے پاس بیٹھا ہوا پاتا۔ حضرت ابن عباسؓ بھی اکثر آپ سے وہ احادیث دوبارہ سن لیا کرتے تھے جن کو انھوں نے کسی موقع پر بیان کیا تھا اور جن کو سعید بن جبیرؓ نے یا تو لکھ لیا تھا یا یاد کر لیا تھا۔ بنی وراۃ کے مؤذن نے اپنے سامنے کا ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے سعید بن جبیرؓ سے کہا کہ مجھے دکھاؤ تم مجھ سے حدیث کس طرح بیان کرتے ہو کیونکہ تم نے مجھ سے بے شمار حدیثیں سنی اور

سمجھی ہیں؟ — چنانچہ وہ سُناتے اور جو سمجھاتا اُسے دہراتے۔
 تحصیل علم میں ان کے اس ذوق و شوق کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ خود بڑے محدث
 اور مفسر ہو گئے اور حضرت ابن عباسؓ کو خود ان پر اتنا اعتماد ہو گیا کہ جب
 آپ کی بینائی جاتی رہی تھی اس زمانے میں جب کوئی آپ کے پاس مسئلہ
 پوچھنے کے لیے آتا تھا تو اس سے یہ کہہ دیتے تھے کہ تم میں ابن ام و صماء
 (یعنی سعید بن جبیرؓ) موجود ہیں اُن سے مسئلہ پوچھ لیا کرو۔ اب
 تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ وہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی
 خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور ان سے حدیث سنتے اور مطلب
 سمجھا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب ہم اہل کوفہ کو کسی مسئلہ میں اختلاف
 ہو ا کرتا تھا تو میں اس کو اپنی بیاض میں لکھ لیا کرتا اور پھر حضرت ابن عمرؓ سے
 اس کو پوچھ لیا کرتا وہ اصل مسئلہ سمجھا دیتے۔ سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ ایک
 مرتبہ میں نے اسی طرح کے ایک اختلاف پر جو مسئلہ ایلاء سے متعلق تھا
 حضرت ابن عمرؓ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے
 مراد امرائے ہیں۔

بعض لوگ ان کی کثرت روایت پر ان کو لوکا کرتے تھے اور بعض
 ملامت کر دیا کرتے تھے مگر آپ ان کو یہ جواب دیتے کہ مجھے تم سے
 اور تمہارے ساتھیوں سے حدیثیں بیان کرنا اس بات سے زیادہ پسندیدہ
 ہے کہ میں انہیں اپنے ساتھ قبر میں لیتا چلا جاؤں۔

علم فرائض

حضرت سعید بن جبیرؓ ریاضی کے بھی بڑے ماہر تھے، قانون وراثت بہت اچھا بیان کرتے تھے، اور ترکے کی تقسیم بہت اچھی طرح کرتے تھے۔
صحابہ کرام اور تابعین میں ان کو اس بارے میں بھی بڑا مقام حاصل تھا۔ اکابر صحابہ فرائض کے سائلین کو ان کے پاس بھیجتے تھے۔ ایک مرتبہ ابن عمرؓ کے پاس فرائض کا ایک سائل آیا آپ نے اُس سے کہا کہ ابن جبیرؓ کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتے ہیں۔ تم کو وہی بتائیں گے کہ اس میراث میں کس کو کتنا حصہ ملے گا۔ اور مال متروکہ کس طرح وارثوں پر تقسیم ہوگا۔

حضرت سعید بن جبیرؓ کی صلاحیت و قابلیت کے بارے میں اُس وقت لوگوں میں جو باتیں مشہور تھیں وہ یہ کہ سعید بن جبیرؓ کی ذات جملہ علوم و فنون کی جامع ہے۔ مسائل طلاق کے سب سے بڑے عالم سعید بن مسیب تھے۔ حج کے عطاء تھے، حلال و حرام کے طاووس تھے اور تفسیر کے مجاہد تھے اور ان سب کا علم، ان سب کی جامع ذات سعید بن جبیرؓ کی ذات تھی۔ آپ علم تفسیر، حدیث اور فقہ کے ہی صرف عالم نہ تھے بلکہ آپ کی زندگی عمل سے بھرپور تھی۔ آپ بڑے زاہد اور عبادت گزار بھی تھے اور اخلاق و تقویٰ میں بھی امام تسلیم کیے جاتے تھے۔

سیاسی بصیرت

یہ ایک حقیقت ہے کہ سعید بن جبیرؓ صرف قرآن، حدیث، فقہ، کلام، اور زہد و تقویٰ میں ہی ممتاز و نمایاں نہ تھے بلکہ ان تمام چیزوں کے ساتھ حد درجہ بصیرت رکھنے والے معلم اور مجاہد بھی تھے اور مذہب و سیاست دونوں کے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ محض عافیت پسند ایک زاہد نہ تھے بلکہ جبر و استبداد کے خلاف تیغ بے نیام اور ظلم و فساد کے خلاف مجاہد حق و صداقت بھی تھے۔ اور وہ ظلم و نا انصافی اور شر و فساد کو دور کرنے کی کوششوں سے اجتناب کو بڑولی، اور جن ظالموں اور فاسقوں نے ظلم و فساد مچا رکھا ہے ان سے نجات پانے کی امکان بھر سہی و جہد کرنے سے پہلے اس کہنے کو کہ ”ہم کیا کریں اللہ کی مرضی ہے“ ایک دیندارانہ حماقت، شریفانہ نادانی، اور بے حسی کی غفلت سمجھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ایک طرف علمائے سواد کے خلاف تنگی تلوار نظر آتے ہیں۔ تو دوسری طرف وقت کے ظالم اور فاسق حکمران حجاج کو اس کے مظالم کی بھرپور مزادینے کے لیے میدان کارزار میں صف آرا ملتے ہیں۔ پھر اپنی کوششوں میں جب ناکام ہو جاتے ہیں تب حالات کو مالکِ حالات کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ ابویونس قزی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سعید بن جبیرؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی **الْمُسْتَظْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ** تو آپ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا

کہ اس میں جن مردوں، عورتوں اور لڑکوں کا ذکر ہے، ان سے مراد مکہ کے وہ مظلوم تھے جو طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے۔

یہ سن کر میں نے کہا کہ میں ایسے ہی لوگوں کے پاس سے آرہا ہوں۔
یعنی میں حجاج کے ستم رسیدہ لوگوں میں سے ہوں۔

سعید بن جبیرؓ نے اس پر کہا۔ بھئیجے! ہم نے تو اس کے خلاف بڑی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے خدا کی مرضی ہی ہے۔

آپ نے چونکہ اس بارے میں حقیقت میں بڑی کوشش کی تھی اور اپنی اس کوشش کے انتقام میں آخر ایک دن شہید بھی کر دیئے گئے اس لیے آپ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کیا کیا جائے خدا کی مرضی ہے۔ لیکن جو لوگ چاہے وہ کسی زمانہ کے ہوں ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے سے پہلے ہی جیسے بھی حالات ہوں ان کو قبول کر لیتے ہیں۔ وہ یقیناً دیندارانہ حماقت و نادانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

علمائے سوء

آپ ظالم و فاسق حکمرانوں کی طرح علمائے سوء کو بھی مسلم معاشرہ کے لیے بڑا فتنہ اور عظیم مصیبت سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ نے ملت اسلامیہ کو ان کے فتنوں سے بچانے کی بھی بڑی کوششیں کیں۔ آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ اور تباہی کی جڑ علماء سوء ہیں۔ ایک مرتبہ

بلال بن خباب نے آپ سے پوچھا کہ لوگوں کی عام ہلاکت کا باعث کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ تو سعیدؓ نے جواب دیا کہ اس قوم کی ہلاکت علمائے سوء کے ہاتھوں ہوگی۔ اور یہ واقعہ بھی ہے جیسا کہ امام غزالی نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اس اُمت کو تین طبقوں نے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلا طبقہ جو قومی تباہی کا اولین سبب ہے وہ قظام و مستبد اور فاسق و فاجر حکمرانوں اور بادشاہوں کا طبقہ ہے۔ دوسرے علمائے سوء اور تیسرے پیرانِ ریاکار ہیں۔

قرآن و حدیث میں بھی ایسے لوگوں کے حق میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ :

”زمین پر بدترین فتنہ ان کے علماء ہوں گے ان سے فتنے پھوٹ پھوٹ کر نکلیں گے اور انھیں میں ٹوٹیں گے“

ایک اور حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں کے حق میں بددعا کی ہے آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی کہ :
”اللہ میری اُمت پر جو حاکم ظلم کرنے تو بھی اس کے ساتھ سختی سے پیش آ۔“

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے بعد سے لے کر آج تک یہی گروہ انسانی مسلمانوں کے درمیان بڑا فتنہ بنا رہا ہے۔ جہاں صالح بادشاہ اور عادل حکمران، حق پرست اور علمائے ربانی

اور سچے اولیاء کرام اور پیرانِ عظام اصلاح اور انقلاب کی کوشش کرتے رہے وہاں علماء مسوومینہ ان کی کوششوں پر پانی پھیرتے۔ مسلمانوں میں بگاڑ پیدا کرتے اور ان کی دنیا اور عاقبت تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔ اور آج مسلمانوں کے اندر شرک، بدعت، باطل سے رغبت، نیکی سے اجتناب کی جو کیفیتیں پائی جاتی ہیں وہ انہی کی پیدا کردہ ہیں۔

جوش میں ہوش

سعید بن جبیرؓ کی زندگی جہاں بہت سے عملی نمونے پیش کرتی ہے وہاں مسلمانوں کو یہ درس حیات بھی دیتی ہے کہ کسی گروہ کی دشمنی آدمی کو اتنا مشغول نہ کر دے کہ وہ راہِ اعتدال سے ہٹ جائے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلۡاَ تَعَدِلُوْا
اَعَدِلُوْا۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اس آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشغول نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبیت رکھتا ہے۔

سعید بن جبیرؓ حجاج اور عبدالملک کی مخالفت برائے حق کر رہے تھے وہ اس کے خلاف اس لیے نہ تھے کہ وہ برسرِ اقتدار کیوں ہے اور وہ کیوں نہیں

ہیں۔ ان کی مخالفت برائے مخالفت نہ تھی بلکہ والبعض باللہ کے تحت تھی۔ اس لیے انھوں نے کسی بھی مرحلہ میں عہد الملک اور حجاج کی مخالفت کے جوش میں حق کا دامن نہیں چھوڑا۔ انھوں نے ظلم و استبداد کے خلاف علم جہاد ضرور بلند کیا، انھوں نے تمام داعیان حق کو یہ عملی درس دیا کہ حتی الامکان جبر و استبداد اور فسق و فجور کا غلبہ تسلیم نہ کرو، انھوں نے عام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ بدی کی قوت کو نیکی کی قوت پر غالب نہ آنے دو، اور انھوں نے قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ بات تمام لوگوں کو بجا دی کہ اگر تم نے ظلم و فساد کی روک تھام میں بقدر امکان کوشش نہ کی تو تمہارا حشر بھی ظالموں کے ساتھ ہوگا، جس آگ میں وہ جلیں گے اس میں تمہیں بھی چلنا پڑے گا۔ اور ایسے پاؤں عمل سے ہرگز بچ سکو گے جو بے غیرتی اور بے حسی کی وجہ سے تم سے سرزد ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ حق سے تجاوز کرنے سے بھی روکا ہے۔ دشمنی کے جوش میں ہوش کی باتوں سے کبھی کنارہ کش نہیں ہوئے۔

اس سلسلے میں اسدی کا بیان کافی ہو گا وہ کہتے ہیں کہ : جس زمانہ میں اشعث کی حجاج کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی اور سعید بن جبیر ایک پرجوش فریق کی حیثیت سے حجاج کے خلاف برسرِ پیکار تھے اسدی سعید کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ میرا آقا (جس کا میں غلام ہوں) حجاج کا حامی اور اس کے ساتھ ہے۔ اگر میں حجاج کے خلاف ابن اشعث

کے ساتھ ہو جاؤں اور لڑتے لڑتے جان دے دوں
تو مجھ سے اس کا مواخذہ تو کوئی نہ ہو گا۔“

سعید بن جبیرؓ کی حق پرستی اور احتیاط و تقویٰ اور عدل و راستی کو دیکھئے
کہ انھوں نے اسدی سے صاف کہہ دیا کہ تم اپنی اشعث کا ساتھ نہ دو،
حجاج کے خلاف مت لڑو۔۔۔۔۔ حالانکہ وہ خود لڑ رہے تھے۔
اگر تمھارا آقا یہاں موجود ہوتا تو تم کو لے کر حجاج کی حمایت میں لڑتا۔

اسلام میں تقیہ نہیں

سعید بن جبیرؓ جس کے خلاف جو رائے رکھتے تھے اس کا برملا اظہار
کر دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسلام میں تقیہ نہیں ہے۔
حسن بصریؒ سے کسی نے ایک مرتبہ پوچھا کہ اسلام میں تقیہ ہے یا آپ
نے جواب دیا اسلام میں تقیہ نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے جب
یہ بات سنی تو اس بات کی تائید کی اور کہا کہ یقیناً اسلام میں تقیہ نہیں ہے۔
تقیہ والی یہ بات بھی اُسی دور کی ہے کہ جب ظلم و فساد کے خلاف یا تو
کچھ لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے یا یہ کہ کسی نے اس مسئلہ پر خاموش رہنے کو
صحیح سمجھ لیا تھا اور خاموشی اختیار کر لی تھی اور کچھ ایسے بھی تھے جو وقت
کی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کو بغاوت اور فتنہ و فساد
سمجھتے تھے چنانچہ سعید بن جبیرؓ اس بارے میں کھل کر جب اپنی رائے
کا اظہار کیا اور تقیہ کو ناجائز قرار دے دیا تو لوگوں نے اُسی وقت اس

خطرہ کا اظہار کر دیا تھا کہ اب وہ ضرور کسی آتش میں مبتلا ہوں گے پکڑے جائیں گے اور نہ معلوم کیا حشر ہو۔

اصلاح احوال کی کوششیں

حضرت سعید بن جبیرؓ ایک زمانہ تک مدینہ میں رہے، کچھ دنوں تک عراق کے مختلف شہروں میں رہ کر علم و عرفان کی بارشیں کرتے اور تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے۔ پھر آپ نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں کے دوران قیام کچھ دنوں تک عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے کاتب رہے، اور کچھ دنوں ابوہریرہ بن ابوسلمہ اشعری کے کاتب رہے۔ پھر جامع کوفہ کے امام مقرر کیے گئے، اور آخر میں عہدہ قضا بھی ان کے حوالہ کر دیا گیا۔

حجاج ان کا بڑا ہی قدردان تھا۔ ان پر وہ برابر انعام و اکرام کی بارشیں کرتا رہتا تھا۔ مگر وہ اس کے اس اعزاز و اکرام سے قطعاً متاثر نہیں تھے۔ ملک بھر میں اس نے ظلم کی جو چکیاں چلا رکھی تھیں ان سے وہ سخت بیزار تھے اور مظالم کی وجہ سے اس کو ہمیشہ بُرا سمجھتے تھے۔ اور موقع ہر موقع اس کو ٹوکتے رہتے تھے۔ لیکن حجاج کو اس کے مظالم سے بزورِ قوت روک دینے کی کوئی صورت ان کو نظر نہ آتی تھی، اس لیے وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتے اور ذبانی روک ٹوک اور پند و نصیحت سے کام لیتے رہے۔ لیکن اسی عرصہ میں حنِ اتفاق سے ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی جس کو

مناسب سمجھ کر وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سرکاری عہدے اور منصب کی پروا کیے بغیر ظالم کے ظلم کو مٹانے کے لیے جنگ میں کود پڑے۔ اس واقعہ کی تفصیلات یہ ہیں۔

حاکم سیستان کی بغاوت

خلیفہ عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں سیستان کا فرمانروا تبیل کی روش باغیانہ ہو چکی تھی۔ وہ کبھی کبھی خراج روک لیتا تھا اور کبھی کبھی دوسری عدول حکمی کامر تکب ہو جاتا۔ کبھی مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک ہو جاتا۔ اس کی اس روش کا حجاج بن یوسف نے سخت نوٹس لیا اور اس کی سرکوبی کا فیصلہ کر کے عبد اللہ بن ابی بکرہ کی سرداری میں ایک فوجی دستہ ترمذ دے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ ۷۹ھ میں سیستان پر فوج کشی ہو گئی اور پہلے ہی حملے میں وہ پورے علاقے کو پامال کرتے ہوئے اس کی مملکت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئے۔ اور اپنی تیز رفتار پیش قدمی میں اس جنگی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے کہ دشمن پیچھے سے بھی گھیرے میں لے سکتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جنگی چال میں اس فرودگذاشت کی سخت سزا اسلامی سپاہیوں کو بھگتنا پڑی۔ تبیل نے اندرون ملک گھس کر آنے والی مسلمان فوج کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور شدید حملہ کر کے بری طرح شکست دے دی۔ مسلمانوں کو بڑا جانی اور مالی نقصان اٹھانا کرنا کام واپس آنا پڑا۔

حجاج کو اس شکست نے سخت مشتعل کر دیا اور اُس نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے دوبارہ محمد بن عبدالرحمن بن اشعث کو چالیس ہزار فوج کی بھاری جمعیت کے ساتھ ربیعہ کو عبرتناک سزا دینے کے لیے روانہ کیا۔۔۔۔۔ سعید بن جبیر اس فوج میں شامل تھے۔۔۔۔۔ اور فوج میں تنخواہیں تقسیم کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔۔۔۔۔ جو ایک اہم عہدہ تھا۔ ابن اشعث نے ربیعہ کی فوج پر زبردست حملہ کیا اور اس کی حدود حکومت کو توڑ کر بہت سارے علاقوں کو زیرِ نگیں کر لیا۔۔۔۔۔ عبد اللہ بن ابی بکرہ کو جس جنگی غلطی کی وجہ سے فتح کے بعد ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا محمد بن عبدالرحمن اس کو سمجھتے تھے، چنانچہ اُنھوں نے ربیعہ کے علاقہ میں مزید پیش قدمی روک دی اور ایک سال تک مفتوحہ علاقہ میں رہ کر اس کا بندوبست کرنے میں لگ گئے۔۔۔۔۔ اور فتح اور دشمن کے ملک میں اپنے پڑاؤ کی اطلاع حجاج کو دے دی۔۔۔۔۔ حجاج کو محمد بن عبدالرحمن کی یہ بات گراں گزری۔ کیونکہ اس کو ربیعہ سے سخت ناراضگی تھی اور وہ اس کے وجود کو کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ حجاج نے محمد بن عبدالرحمن کو ایک تاکید حکمانہ بھیجا جس میں اُن سے کہا گیا تھا کہ یہ آرام کا موقعہ نہیں ہے۔ اس لیے میرا حکم ملتے ہی فوراً پیش قدمی شروع کر دو۔۔۔۔۔ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور پیش قدمی کا کام تم سے نہیں ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ تو فوج کی کمان اپنے بھتیجے اسحاق

کے سپرد کر دو۔۔۔۔۔ ابن اشعث کو فوج کا یہ حکم بڑا معلوم ہوا۔ کیونکہ
 اُنھوں نے پیش قدمی بعض مصالح کے ماتحت روکی تھی اور وہ اس
 جنگی مصلحت کو موقعہ پر رہنے کی وجہ سے زیادہ اچھی طرح جانتے تھے۔
 اس لیے اُنھوں نے اس حکم کے خلاف سر تابی کر ڈالی۔
 تبیل سے مصالحت کر لی، اور حجاج کے خلاف اٹھ کھڑے
 ہوئے۔۔۔۔۔ حجاج جو اپنے مظالم کی وجہ سے مشہور تھا اور جن
 کے ظلم و فساد کی وجہ سے وقت کے اکابرین سخت نالاں اور بیزار تھے
 لیکن ان کے لیے اس کے ظلم کو سہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا اور
 ابن اشعث کی فوج بھی جو سراسر عراقیوں پر مشتمل تھی حجاج کے رویے
 کی سخت شکایت تھی اور اس کے مظالم سے برہم تھی۔ اس لیے فوج نے
 بھی ابن اشعث کا پورا ساتھ دیا۔ سعید بن جبیر جو پہلے ہی اُس سے بیزار
 تھے وہ بھی ابن اشعث سے مل گئے اور انسدادِ ظلم و فساد کے سلسلے میں
 ابن اشعث کی کارروائی کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر بیعت
 کر لی۔ اور پھر باضابطہ معرکہ جنگ و پیکار برپا ہوا۔۔۔۔۔ اور یہ معرکہ
 کئی ماہ تک جاری رہا۔۔۔۔۔ ابن اشعث کو ابتدا میں بہت زیادہ
 کامیابی ہوئی اور اُنھوں نے عراق کے بہت سے حصوں پر قبضہ کر لیا
 لیکن رفتہ رفتہ حجاج نے نہایت ہوشیاری سے اس جنگ کو
 خلافت کے خلاف جنگ میں تبدیل کر دیا اور یہ جنگ حجاج کے
 خلاف نہیں بلکہ خلیفہ عبدالملک کے خلاف قرار دے دی گئی۔

جس کے نتیجہ میں ابن اشعث کو مرکزی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ابن اشعث کی فوج اگرچہ مضبوط تھی۔ اور اُس نے عراق کا بڑا حصہ بھی فتح کر لیا تھا لیکن پوری حکومت کا مقابلہ ان کے بس کا نہیں تھا چنانچہ دیر جما جم میں جب دونوں فوج کا مقابلہ ہوا تو ابن اشعث کی فوج بڑی طرح شکست کھا گئی۔ ان کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی اور وہ شکست کھا کر سیستان بھاگ گئے۔

ابن اشعث کی شکست

ابن حجاج کے خلاف بغاوت میں عراق کے بہت سے علماء اور ممتاز فقہاء اور صاحب اثر لوگ بھی شامل ہو گئے تھے اس لیے ابن اشعث کی قوت بہت بڑھ گئی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ مخلوق خدا کو ابن حجاج کے مظالم سے نجات مل جائے گی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ابن جبیر نے اس جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے وہ دور بھاگ کر اصبہان چلے گئے۔ حجاج نے عامل اصبہان کو لکھا کہ سعید تمہارے پاس ہیں تم انہیں گرفتار کر لو۔ مگر جس عامل کو یہ حکم دیا گیا تھا وہ ان کی شخصیت اور مرتبہ کو سمجھتا تھا اور ان کا قدردان تھا اس لیے ان کو گرفتار کرنے کے بجائے ایک شخص کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ وہ جلد سے سنے چلے جائیں اور کسی ایسی جگہ قیام کریں جو اس کے حدود و اختیارات سے باہر ہو۔

مکہ میں قیام

حضرت سعید بن جبیر نے اس پیغام کے بعد وہاں سکونت اختیار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں سے منتقل ہو کر آذربائیجان آ گئے اور کئی سال تک یہیں مقیم رہے۔ کئی سال قیام کے بعد عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ آئے اور یہیں رہ پڑے اور ان کی طرح اور بھی بہت سے لوگ جو ہزیمت یافتہ اور مستحب تھے مکہ ہی میں خفیہ طور پر رہتے تھے۔ کسی کو اپنا نام پتہ تک نہ بتاتے تھے۔ اسی اثناء میں جبکہ سعید بن جبیر مکہ میں قیام پذیر تھے حجاج اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے درمیان سخت اختلاف ہو گیا۔ اور حجاج نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خلاف جو اس وقت مکہ اور مدینہ کے گورنر تھے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو سکایا۔ اور یہ بات کان میں ڈالنی شروع کی کہ بہت سے عراق کے باغی جن کو وہاں سے جلا وطن کر دیا گیا ہے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ یہ ایک قسم کا ضعف ہے اور حکومت میں ضعف میں مبتلا کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس پر ایک باخبر حکمران کا چوکنا ہو جانا ضروری تھا، چنانچہ ولید کے دل میں یہ بات اتر گئی اور اس نے عمر بن عبدالعزیز کو محزول کر کے حجاز کا دوسرا حاکم مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ حجاز کا حاکم کس کو مقرر کیا جائے۔ دو آدمیوں کی ضرورت تھی

ایک مکہ کے لیے ایک مدینہ کے لیے ولید نے حجاج ہی کو اختیار دیا کہ وہ دو معقول آدمیوں کا نام پیش کرے۔ حجاج کے لیے یہ بڑا غنیمت موقع تھا اور عمر بن عبدالعزیز کا کاٹنا نکال پھینکنے کی بہترین صورت تھی۔ چنانچہ اس نے مکہ کی امارت کے لیے خالد بن عبداللہ القسری کا نام اور مدینہ کی امارت کے لیے عثمان بن حبان مری کا نام پیش کیا۔ جس کو ولید نے قبول کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی معزولی کا حکم جاری کر دیا۔

فرار کا مشورہ

خالد بن قسری کے حاکم مکہ مقرر کیے جانے کی خبر سے پورے شہر میں ایک بے چینی سی پھیل گئی اور لوگ یہ خطرہ محسوس کرنے لگے کہ یہ شخص نہ صرف یہ کہ سخت گیری کرے گا بلکہ یہاں کے لوگوں میں حجاج کے ظلم اور ولید کی ظالم نوازی کے خلاف جو نفرت و بیزاری پائی جاتی ہے اس کا بھی انتقام لے گا۔

سعید بن جبیر کا مشد بھی یہاں کے ممتاز لوگوں کے سامنے زیر بحث آیا اور اس بات کی فکر کی جانے لگی کہ ان کو اس کے دسترس سے کس طرح بچایا جائے لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ اُنھی میں سے ایک شخص ابو جریہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں معلوم ہوا کہ اب فلاں شخص مکہ کا عامل مقرر ہوا ہے تو ہم سعید سے ملے اور ان سے کہا کہ مجھے تمہارے متعلق اس شخص سے خطرہ ہے۔ کیونکہ یہ بہت ہی بُرا اور سخت گیر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ

وہ آپ کے خلاف ضرور کوئی کارروائی کرے گا۔ — سعید یہ سن کر کہنے لگے کہ اب یہاں سے بھاگتے ہوئے مجھے اللہ سے شرم آتی ہے جو کچھ خدا نے میرے لیے پہلے سے لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا اس پر اس نے کہا واقعی آپ اہم با مسمیٰ ہیں۔

گرفتاری

خالد بن عبد اللہ القسری نے مکہ کا چارج لے لیا تو خلاف توقع اس نے یہاں کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح سعید بن جبیر کے ساتھ بھی نرمی سے پیش آیا۔ ملاقات کرنے والوں سے اچھی طرح بات چیت کرتا اور بہت ہی نرمی اور خوش اسلوبی سے پیش آنے لگا۔ لیکن صورت حال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ حجاج کی خون آشام طبیعت یہ گوارا نہ کر سکی کہ جو لوگ کئی سال پہلے اس کے ساتھ برسرِ پیکار رہ چکے ہیں اس کے حدود اختیارات میں دبا ہوئے مسکھ اور چین کا سانس لیتے رہیں، وہ ان پر ہاتھ ڈال بھی سکتا اور نہ ڈالے۔

حجاج نے حکومت کے تحفظ اور بقائے امن کے نام پر ولید سے یہ درخواست کی کہ اس وقت باغیوں اور منافقوں نے مکہ میں جا کر پناہ لی ہے۔ اگر امیر المؤمنین مناسب خیال فرمائیں تو ان کے خلاف کارروائی کرنے کی مجھے اجازت دیں۔ — ولید نے اس درخواست کو قبول

کرتے ہوئے خالد بن عبد اللہ القسری کے نام احکام نافذ کر دیئے۔
جس کے بعد سعید بن جبیر گرفتار کر لیے گئے۔

عجیب واقعہ

دو محافظ سعید کو مکہ سے لے کر کوفہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ
میں شام ہو گئی اس لیے ریزہ کے قریب ایک مکان میں ٹھہرائے گئے
_____ کھاپی کر رات کو جب سب سو گئے تو ان دو سپاہیوں میں سے
ایک نے کوئی خواب دیکھا جس سے وہ پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھا۔
پھر دوسرا سپاہی بیدار ہو کر کسی کام سے باہر گیا اور یہ اُن کے ساتھ
تنہا رہ گیا تو خواب دیکھنے والے سپاہی نے حضرت سعید بن جبیر سے
کہا کہ میں تمہارے خون سے اللہ کے سامنے برأت چاہتا ہوں۔
میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم قتل کیے جاؤ گے۔
محافظ کی زبانی اس کا خواب سُن کر سعید بن جبیر نے کہا کہ کیا تم
میرے خون ناحق سے اپنے کو بری کرنا چاہتے ہو؟ یہ تو افسوس کی
بات ہے۔

محافظ سپاہی — جی ہاں جناب میں اپنا دامن بچانا چاہتا
ہوں، میری خواہش ہے کہ آپ یہاں سے جدھر چلیں چلے
جائیے اور جہاں چاہیئے چھپ جائیئے میں آپ کی جستجو نہیں کروں
گا اور نہ ہی یہ کسی کو بتاؤں گا کہ آپ کہاں گئے ہیں۔

سعید بن جبیر — نہیں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا ہاگ جانے کی
تمھاری اس تجویز کو میں مسترد کرتا ہوں — مجھے اُمید ہے کہ میرا خدا مجھے
سلامت اور عافیت سے رکھے گا۔

ابھی ان دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ دوسرا سپاہی
آگیا اور بات بہاں تھی وہیں ختم ہو گئی — دوسرا دن جب سفر میں
گزر ا اور شام کے وقت ایک مقام پر قیام کیا — اس شب کو بھی
اسی سپاہی نے ویسا ہی خواب دیکھا اور کہنے لگا: میں سعید کے خون
سے بری الذمہ ہوں — پھر اس نے سعید کو دوبارہ راہ فرار اختیار
کر لینے کی پیش کش کی جو پہلی پیش کش کی طرح مسترد کر دی گئی۔

کوفہ میں آمد

چند دنوں کے سفر کے بعد بالآخر محافظ سعید بن جبیر کو لے کر کوفہ
آئے اور ایک مکان میں ٹھہرایا — یہاں بہت سے علما ہر روز
ان سے ملنے آتے اور مختلف موضوع پر گفتگو کرتے۔ سعید بن جبیر —
لیتے ہوئے لوگوں سے مطمئن انداز میں ہنس ہنس کر باتیں کرتے
ان کی بیٹی جو اسی مکان کے دوسرے کمرے میں مقیم تھیں اپنے پدر بزرگوار
کو بیڑیاں پہنے دیکھ کر جب رونے لگتیں تو وہ ان کو تسلیاں دیتے اور
مطمئن رہنے کی تلقین کرتے — اس مکان میں دو چار دن قیام کے
بعد دونوں محافظ بالآخر ان کو حجاج کے پاس لے کر آئے اور حجاج کے

روبرو پیش کر دیا۔ حجاج کو ان کا جرم معلوم تھا اور وہ یہ جانتا تھا کہ سعید بن جبیر ابن اثبت کے حامی تھے۔ اور یہ کہ انھوں نے اس کے اور ابن امیہ کی حکومت کے خلاف لوگوں کو یہ کہہ کر ابھارا تھا کہ یہ ظالم حکومت، بے دینیوں کی جماعت ہے۔ اس حکومت نے خدا کے بندوں پر زمین تنگ کر رکھی ہے۔ یہ لوگ نمازوں میں تاخیر کے مجرم اور مسلمانوں کی تحقیر و تذلیل کرنے والے خطاکار ہیں۔ اس لیے ان کے خلاف مسلمانوں کو نکل آنا چاہیے اور ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ان کی سرگرمیوں پر حکومت اور خالص کر حجاج کی پوری نگاہ تھی اس لیے جب سعید بن جبیر قیدی کی حیثیت سے حجاج کے پاس پہنچے تو ان کو دیکھ کر اس کے جذبہ انتقام کو ہمیر سی لگ گئی اور آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ غصہ میں بولا:

حجاج سے مکالمہ

تمہارا کیا نام ہے۔ انھوں نے کہا سعید بن جبیر۔ اور پھر حسب ذیل سوالات و جوابات دونوں کے درمیان شروع ہو گئے۔ جو سعید بن جبیر کی موت کے وقت ہی جا کر ختم ہوئے۔

حجاج — تمہارا نام سعید بن جبیر نہیں بلکہ شقی بن کسیر۔
ابن جبیر — میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھی۔
حجاج — تمہاری ماں بھی بد بخت تھی اور تم بھی بد بخت ہو۔

ابن جبیر — غیب کا علم صرف اللہ کو ہے، تم کو نہیں ہے۔
حجاج — میں تمہاری دنیا کو دیکھتی آگ سے بدل دوں گا۔

ابن جبیر — اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں
تم کو معبود بنا لیتا۔

حجاج — محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

ابن جبیر — وہ امام ہدیٰ اور نبی رحمت تھے۔

حجاج — علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے

وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟

ابن جبیر — اگر میں وہاں گیا ہوتا اور وہاں کے رہتے والوں کو

دیکھے ہوتا تو بتا سکتا تھا۔ غیب کے سوال کا میں

کیا جواب دے سکتا ہوں۔

حجاج — خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔

ابن جبیر — میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج — اچھا تم ان میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہو؟

ابن جبیر — جو میرے خالق کے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھا۔

حجاج — خالق کے نزدیک کون سا زیادہ پسندیدہ تھا۔

ابن جبیر — اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ رہم کوئی نبی تو نہیں ہیں

کہ اللہ ہمیں اپنی پسند و ناپسند سے آگاہ کر دیں۔

حجاج — خلیفہ عبد الملک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے

ابن جبیر — تم ایسے شخص کے بارے میں کیا پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ خود تمہارا وجود ہے (اگر وہ خود ظالم نہ ہوتا تو تجھ جیسے ظالم کو حاکم کیوں بناتا)۔

حجاج — تم ہنستے کیوں نہیں۔

ابن جبیر — وہ آدمی کس طرح ہنس سکتا ہے، جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج — پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل میں کیوں ہنستے اور دل چسپی لیتے ہیں۔

ابن جبیر — سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

حجاج — دنیا کی تفریحات اور اس کے دل چسپ مشاغل چونکہ

تم نے دیکھے نہیں ہیں اس لیے تم ان سے انکار کرتے

ہو۔ — اچھا لو سنو۔ اور دیکھو یہ کیسے اچھے

تفریحی مشاغل ہیں۔ — ایک اشارے پر عود

اور بانسری کے نغمے شروع ہو جاتے ہیں۔ —

سعید بن جبیر نغموں کی آواز پر رونے لگتے ہیں۔ —

حجاج — یہ رونے کی کون سی بات ہے۔ موسیقی تو ایک

تفریحی چیز ہے۔ —

ابن جبیر — نہیں وہ تو نالہ غم ہے۔ — بانسری کی بھونک نے

مجھے وہ آنے والا بڑا دن یاد دلایا جس دن صور بھونکا

جائے گا۔۔۔۔۔ اور عود ایک کاٹے ہوئے درخت
کی ٹکڑی ہے جو ممکن ہے تاحق کاٹی گئی ہو اور اس کے
تار ان بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت
کے دن اٹھائی جائیں گی

حجاج۔۔۔۔۔ سعید تمھاری حالت قابل افسوس ہے۔
ابن جبیر۔۔۔۔۔ وہ قابل افسوس نہیں جو آگ سے نجات پا کر جنت
میں داخل ہو گیا۔۔۔۔۔

حجاج لا جواب ہو کہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔
پھر سعید بن جبیر پر اپنے احسانات گنواتا ہے۔ سعید تمام احسانات کو
تسلیم کرتے ہیں۔

حجاج۔۔۔۔۔ ان سب احسانات کے باوجود پھر تم کو کس چیز نے
میری مخالفت پر آمادہ کیا۔

ابن جبیر۔۔۔۔۔ میری گردن پر ابن اشعث کی بیعت کا طوق تھا۔
حجاج۔۔۔۔۔ ایک دشمن خدا کی بیعت کا اتنا پاس تھا۔ اور امیر المؤمنین
کی بیعت اور خدا کا کوئی پاس نہ تھا۔۔۔۔۔ خدا کی قسم
میں تم کو قتل کر کے اصل جہنم کیے بغیر اس جگہ سے
نہیں ہٹوں گا۔۔۔۔۔ تاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا
پسند کرتے ہو؟

ابن جبیر۔۔۔۔۔ خدا کی قسم تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کرو گے

خدا تم کو آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا۔

حجاج — کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کر دوں۔

ابن جبیر — اگر تم معاف کر دو گے تو وہ خدا کی جانب سے ہو گا۔

حجاج — تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔

ابن جبیر — اللہ تعالیٰ نے میرا ایک وقت مقرر کر دیا ہے اس وقت

تک پہنچنا ضروری ہے — اس کے بعد اگر میرا وقت

آگیا ہے، تو وہ ایک فیصل شدہ امر ہے اس سے مضر نہیں

ہے اور اگر عاقبت مقدر ہے تو وہ بھی خدا کے ہاتھ

میں ہے۔

اس گفتگو کے بعد حجاج نے جلاد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر

حاضروں میں سے ایک شخص رونے لگا۔ ابن جبیر نے اس سے پوچھا تم

کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا کہ اس حکم پر جو آپ کے قتل کے لیے

ابھی دیا گیا ہے — فرمایا۔ اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ یہ

واقعہ تو خدا کے علم میں ہے، اور آج جو ہونے والا ہے وہ اس کو پہلے

سے جانتا تھا — پھر آپ نے آیت تلاوت کی،

”زمین پر جو مصیبتیں بھی آتی ہیں یا تمہارے نفس کو

پہنچتی ہیں قبل اس کے کہ ہم ان کو پیدا کریں۔

کتاب میں لکھی ہیں۔ (سورہ حدید ۳)

سعید بن جبیر نے مقتل میں جانے سے پہلے اپنے صاحبزادہ کو

ملاقات کے لیے بلایا وہ آئے تو باپ کو دیکھ کر رونے لگے۔ ان سے آپ نے فرمایا تم روتے کیوں ہو؟ ستاون سال کے بعد تمہارے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں۔ پھر رونے کا کون سا مقام ہے؟ — غرض نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ہنستے مسکراتے ہوئے مقتل کی طرف چلے۔ — حجاج کو جب یہ اطلاع ملی کہ سعید ابن جبیر مسکراتے ہوئے مقتل کی طرف جا رہے ہیں، تو اس نے اُن کو واپس بلا کر پوچھا۔ تم کس بات پر ہنس رہے تھے؟ فرمایا

”خدا کے مقابلے میں تمہاری جراتوں پر، اور

تمہارے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے حکم پر۔“

یہ سن کر حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کا چمڑا بچھانے کا حکم دیا۔

قتل ہوتے سے پہلے انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی،

”میرے قتل کے بعد پھر اس کو کسی دوسرے

کے قتل پر قادر نہ کرنا۔“

تاریخ شاہد ہے کہ سعید بن جبیر کے قتل کے بعد حجاج پھر کسی

کے قتل پر قادر نہ ہوا۔ صرف چالیس روز تک زندہ رہ سکا اور

انتہائی اذیت اور درد و کرب میں مبتلا ہو کر اس جہان فانی سے

رخصت ہو گیا۔

قتل کا حجاج پر اثر

لوگوں کا بیان ہے کہ حجاج کے حکم سے سعید قتل تو کر دیئے گئے مگر اس واقعہ کا حجاج پر بڑا ہی گہرا اثر ہوا۔ اس کی عقل چکرا گئی اور اس پر جنون سا طاری ہو گیا۔ اس کی جہاں ذرا آنکھ لگتی گھبرا کر اُسٹھ بیٹھتا اور چیخنا شروع کر دیتا۔ ہماری بیسٹریاں، ہماری بیسٹریاں کبھی کہتا "میرے اور سعید کے درمیان کیا معاملہ ہے؟ میرے اور سعید کے درمیان کیا معاملہ ہے؟"

جب اس کے گھر والے اس کی اس بے چینی اور بدحواسی کو دیکھتے تو اس سے پوچھتے کیا بات ہے، وہ اس طرح کیوں چیختے چلاتے ہیں وہ کہتا کہ آنکھ لگنے ہی میں سعید کو دیکھتا ہوں جو اس کا واسن پکڑے کہہ رہے ہیں کہ اے دشمن خدا بتا تو نے مجھے کیوں قتل کیا؟

قاتل و مقتول کا فرق

قاتل ہے کہ مقتول کے بعد پاگل بن چکا ہے اور مقتول ہے کہ قتل کیے جانے کے وقت بھی مطمئن، بے فکر اور حالات سے بے نیاز ہے، مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل رہی ہے اور زبان ہے کہ راضی برضا کی دوسروں کو تلقین کر رہی ہے۔

اللہ اکبر! یہ کیسا منظر ہے۔ سوئے مقتول جا رہے ہیں مگر خوش

میں، ہنسی خوشی، شادیاں و فرماں جارہے ہیں، صبر کے پلے اور استقامت کے پہاڑ ہیں کہ جارہے ہیں۔ آنکھوں میں عشق الہی کا نور چمک رہا ہے اور دل اپنے مالک سے اجر پانے کی امید میں مچل رہا ہے اور جارہے ہیں۔ دیکھنے والے انگشت پندار، سوئے مقتل لے جاتے والے جلاو حیرت زدہ کہ وہ کس کو لیے جا رہے ہیں۔ یہ کیسا آدمی ہے جو زندگی کے صرف چند سانس لینے کے لیے زندہ ہے پھر بھی مسکرا رہا ہے اور وہ کیسا قاتل ہے کہ اس کی فطرت جھنجھوڑی جا رہی ہے عمکو وہ بھر بھری تک نہیں لے رہا ہے۔ اس کی مسلمانی پر بھرپور طنز ہو رہا ہے۔ پھر بھی وہ غفلت زدہ بنا ہوا ہے، نہ اس کی فطرت جاگتی ہے اور نہ اس کی فرعونیت میں کوئی فرق آتا ہے۔

دوسرا حیرت انگیز واقعہ

بلاشبہ سعید بن جبیرؓ نے شہادت گہ الفت میں ایسے ایسے نقوش ثبت کیے ہیں جو قیامت تک مسلمانوں کے دلوں میں خونِ حیات دوڑاتے رہیں گے۔

جلاو شمشیر براں لیے حجاج کے حکم کا منتظر ہے حکم ہوا وہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ دفعۃً تلوار چمکی اور کشتہ حق کا سر زمین پر تر پئے لگا۔ زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ زبان

سے نکلا۔

اس دلدوز واقعہ کے بعد جو تعجب خیز واقعہ ظہور پذیر ہوا وہ بڑا نصیرت افروز ہے۔۔۔۔۔ شہید ہونے والوں کے جسم سے عموماً جتنا خون نکلتا ہے اس سے بہت زیادہ خون آپ کے جسم سے نکلا۔۔۔۔۔ خون کی اس زیادتی پر تمام لوگ حیرت ہو گئے۔ خود قاتل حجاج کو تعجب ہوا کہ آپ کے جسم سے اتنا خون کیوں نکل رہا ہے۔ حجاج نے اطباء کو بلا کر پوچھا کہ ان کے جسم سے خون کے فوارے کیوں پھوٹ پڑے۔ اطباء نے جواب دیا خون روح کے تابع ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو پہلے قتل کیا گیا ان کی روح قتل سے پہلے موت کا حکم سننے ہی تحلیل ہو چکی تھی اس لیے ان کے جسم سے خون کم نکلتا تھا، لیکن سعید بن جبیر پر قتل کیے جانے کا حکم کا چونکہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا اس لیے ان کے جسم سے خون زیادہ نکلا۔

تاریخ کی ایک خفیہ حقیقت

سعید بن جبیر علمی مزاج اور عبادت گزار طبیعت رکھتے تھے، ان کا خاندانی ماحول بھی صالح جو تھا۔۔۔۔۔ وہ نہ صرف یہ کہ حق پرست تھے بلکہ حق پرستوں کا ساتھ بھی دیتے تھے۔۔۔۔۔ اور جب کسی بات کا عہد کر لیتے تھے تو اس کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں بنو امیہ کی خاندانی خلافت مضبوط

نیا دوسرا گرچہ ابھی قائم نہیں ہوئی تھی تاہم خاندان ثقیف کے ایک شخص حجاج بن یوسف کی خدمت اس کو حاصل ہو چکی تھی جو ظالمانہ جبر اور پوری سفاکی کا مظاہرہ کر کے بنی اُمیہ کی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ حجاج کی ظالمانہ روش نے سعید بن جبیر جیسے انتہائی دین دار اور عبادت گزار اور صلح کل آدمی کو میدان جنگ میں اترنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں خود ان کو اپنی جان کی قربانی دینا پڑی۔ اور تاریخ کی یہ حقیقت ہے کہ اس قربانی کے بعد ہی مسلمانوں کے درمیان آپس کی لڑائی ایک عرصہ کے لیے رک گئی۔

سعید بن جبیر نے اپنے گرد جہاں علم کا چرچا، ذکر و فکر کا شغل اور عبادات الہی کا شوق و ذوق دیکھا تھا وہاں مسلمانوں کے درمیان باہمی چپقلش کے گہرے آثار بھی پائے تھے۔ انھوں نے کچھ باتیں تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اور کچھ کا ثمرہ اپنی شہادت کی صورت میں پایا تھا۔ اور کچھ واقعات اپنے والد محمد بن جبیر سے سنے تھے۔

شہادت حسین کے بعد کچھ ہی دنوں کے لیے باہمی خونریزی کا سلسلہ بند ہوا تھا کہ یزید بن معاویہ کے انتقال کے بعد پھر خلافت کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ ایک طرف محمد بن الحنفیہ تھے۔ دوسری طرف عبداللہ بن الزبیر اور تیسری طرف خارجی قوت کا علمبردار نجدۃ الحمروری تھا اور چوتھی طرف بنی اُمیہ کا خاندان خلافت کی قوت کے ساتھ میدان کارزار میں صف آرا تھا۔ سعید بن جبیر کے والد محمد بن جبیر

کے والد محمد بن جبیر نے اس جنگ کو ٹانے کی اور مسلمانوں کی تلواروں کو
میان میں بہتے دینے کی بڑی قیمتی خدمت انجام دی۔

حضرت سعید بن جبیرؓ کی شہادت ۹۲ھ میں ہوئی۔ یہ سن ہجری
دو درجہوں سے بڑا مشہور ہے۔ اول تو یہ کہ اسی سال محمد بن قاسم الثقفی
نے ہندوستان فتح کیا۔ عبدالعزیز بن عبدالولید نے رومیوں کے بہت سے
علاقے جن میں غزالیہ اور انطاکیہ بھی تھے فتح کیا۔ قتیبہ نے فرغانہ کو فتح
کیا۔

دوسری بڑی وجہ اس کے مشہور ہونے کی یہ ہے کہ اسی سال مدینہ کے
اکثر فقہاء نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس سال کے شروع میں حضرت علی بن
حسینؑ نے وفات پائی، اسی سال مشہور عالم و فقیہ عروہ بن الزبیر، سعید
بن المسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن الشام ایک ایک کر کے
اس دنیا سے چل بسے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ایمانی

اور

ایمانی

ابراہیم تیمی

ایک عہد، ایک نام اور ایک ولایت رکھنے والی تاریخ اسلام کی یہ دو ممتاز شخصیتیں ہیں۔ دونوں ہی تابعی ہیں، دونوں ہی صاحب علم و معرفت صاحب تقویٰ و حکمت، سنی پرست اور باطل دشمن ہیں۔ ایک کا نام ابراہیم بن یزید تیمی ہے، اور دوسرے ابراہیم بن یزید بن اسود نخعی کے نام سے معروف ہیں۔ یہ دونوں ہی وقت کے ظالم حکمران سے سخت نالاں اور سخت سیراز ہیں۔ ان میں ابراہیم نخعی کھل کر حجاج کو برا بھلا کہتے ہیں جس کی وجہ سے حجاج ان کا سخت دشمن ہے اور دشمنوں سے چونکہ وہ نمٹنا خوب جانتا تھا اس لیے ان کی گرفتاری کے لیے سپاہیوں کو چھوڑ رکھا ہے تیمی نے اپنا رخ صرف عبادت گزار کی طرف موڑے رکھا۔ ابراہیم نخعی کے برعکس وہ نہ تو سلاطین اور اُمراء سے دوستانہ تعلقات رکھتے اور نہ ہدایا اور مخالف کا تباہ کیا کرتے، نہ ان سے ملتے تھے اور نہ ان کو اچھا اور برا کہا کرتے۔ گوشہ نشین قسم کے ایک بزرگ تھے۔

نمازیں

ابراہیم تیمیؒ کی نماز اور دیگر عبادات سے دل چسپی اور لگاؤ کا یہ حال تھا کہ ان کی تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہوتی۔ وہ تکبیر کے چھوٹ جانے کو بُرا اور اُس آدمی کو جس کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی ہو دین کے کام میں گیا گزرا سمجھتے تھے۔ وہ برابر کہا کرتے تھے جسے نماز میں تساہل کرتا ہوا پاؤں اور ان کے نزدیک نماز میں تساہل کے لیے اتنا کافی ہے کہ تکبیر اولیٰ فوت ہو جائے۔ تو اس سے اتھو دھولو۔

وہ نماز کی حالت میں دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتے اکثر حالت نماز میں ان کو ایسے استغراق کے عالم میں دیکھا گیا ہے کہ وہ کھڑے ہیں تو اس طرح کھڑے ہیں کہ گویا کھجور کا تناز میں مین گڑا ہوا ہے۔ اور کبھی سجدے میں یہ عالم ہوتا کہ پرندے تک دھوکا کھا جاتے۔ پرندے اڑ اڑ کر ان کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے اور چونچیں مارتے۔

روزے

نماز کی طرح وہ روزے سے بھی گہرا قلبی لگاؤ رکھتے۔ رمضان کے فرض روزے کے علاوہ وہ سال بھر کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ کبھی تو دو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے۔ اور رات کو بھی کچھ نہ کھاتے۔ چالیس چالیس روزے کبھی اس حال میں رکھتے کہ افطار کے

وقت انگوڑ کے ایک دانہ سے روزہ افطار کر لیا۔ اور پھر روزہ —
 نماز روزے کی اس کثرت اور کیفیت نے ان کو بڑا ہی متقی اور
 پرہیزگار بنا دیا تھا۔ وہ ہمیشہ قرآن کے عباد الرحمن بننے کی کوششیں
 کرتے رہے۔ — اپنے اعمال کو کبھی پورا اور باکمال نہ سمجھتے،
 بلکہ قول و عمل کو بیدار ضمیر کی کسوٹی پر ہمیشہ جانچنے رہتے۔ — پھر
 کہتے ”میں اپنے اعمال کو قابل اعتماد نہیں سمجھتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں
 اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے قول و عمل میں تضاد ثابت نہ ہو جائے اور
 میں وہاں جھوٹا قرار نہ دے دیا جاؤں۔ —

زہد و تقویٰ

وہ قرآن میں بتائی ہوئی عباد الرحمن کی کیفیت پر ہمیشہ اپنی نگاہ رکھتے
 اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتے
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

”رحمان کے بندے وہ ہیں جو اپنے رب کے حضور
 سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں، جو دعائیں
 کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب جہنم کے عذاب سے
 ہم کو بچالے اس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے۔ یہ تو
 بڑا ہی ہڈا ٹھکانا اور مرکز قیام ہے۔“

یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو خدا کی عبادت اور وفائے شکاری

میں گزارتے ہیں۔ دن کی طرح ان کی راتیں خدا کے حضور کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے دعا اور عبادت کرتے گزرتی ہیں۔ اور عبادت گزاری کا یہ حال ان کو کسی قسم کے غرور اور پندار میں مبتلا نہیں کرتا، انھیں اس بات کا کوئی زعم نہیں ہوتا کہ ہم تو اللہ کے پیارے اور اس کے چہیتے ہیں، بھلا آگ ہمیں کہاں چھو سکتی ہے بلکہ ان ساری نیکیوں اور عبادتوں کے باوجود وہ اس خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ کہیں ہمارے عمل کی کوتاہیاں ہم کو مبتلائے عذاب نہ کر دیں، وہ اپنے تقویٰ کے زور سے جنت جیت لینے کا پندار نہیں رکھتے، بلکہ اپنی انسانی کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے عذاب سے بچ سکنے ہی کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس کے لیے بھی ان کا اعتماد اپنے عمل پر نہیں بلکہ اللہ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔

ابراہیم تیمی کا امتیازی وصف زہد و تقویٰ ہے اور ان کو یہ خوبیاں اپنے والد سے وراثت میں ملی تھیں۔ ان کے والدین ید بن شریک مالدار تاجر اور صاحب ثروت ہونے کے باوجود زہد و تقویٰ کی راہ سے ذرہ برابر نہ ہٹے، انھوں نے ہزاروں روپے پیدا کیے اور خرچ کیے مگر دنیا سے کبھی آلودہ نہ ہوئے۔ ان کے لباس تک سے ان کے ثروت کا اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔ ان کے انہی بیٹے ابراہیم تیمی نے ایک مرتبہ ان کو انتہائی بے ڈھنگا لباس یعنی روئی کا معمولی کرتا جس کی آستینیں ہتھیلی تک ٹککتی تھیں، پہنے دیکھ کر کہا کہ اب کبھی کوئی قرینے کا لباس تو پہنا کیجیے۔ انھوں نے جواب میں فرمایا تو بس اتنا کہا بیٹے میں نے ہزاروں پیدا کیے، لیکن

اس دولت اور فراوانی نے میری مسرتوں میں کوئی اضافہ نہ کیا اور نہ کبھی کوئی ہوس پیدا ہوئی کہ مزید دولت پیدا کر دوں اور اب جبکہ میں اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا ہوں تو کبھی اس بات کی کوئی خواہش پیدا ہوئی کہ دولت کماؤں، کیونکہ میں نے حضرت ابوالدرداءؓ سے سنا ہے کہ قیامت میں ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہوگا۔ ایسے زاہد اور متقی باپ کی تعلیم و تربیت نے ابراہیمؑ بھی کو ابتدا ہی سے دنیا سے بے نیاز اور زہد و عبادت کی جانب مائل کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنے وقت کے بڑے ہی عبادت گزار اور متقی ہوئے۔ حافظ ابن حجر ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے اور فاقہ کشی پر ان کو بڑی قدرت تھی۔

مزاج

ابراہیمؑ نخعی کے مقابلے میں ابراہیمؑ تمیمی کا مزاج کسی قدر مختلف ہے، وہ وقت کی سیاست سے حسن بصری کی طرح انگ تھلاک رہنے کے قائل ہیں۔ حکومت کے عمال کی نہ تعریف و توصیف کرتے ہیں اور نہ ان کی مذمت اور توہین اور نہ ان کے خلاف کسی قسم کی سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان سے نہ ان کے اچھے تعلقات ہیں نہ بُرے۔ نہ ان کے یہاں ان کا آنا جانا ہے اور نہ تحفے اور ہدایا کا لین دین۔ عبادت و ریاضت، تعلیم و تعلم، گوشہ نشینی کے عادی تھے۔

نہ ان کا کسی سے زیادہ میل جول تھا اور نہ تعلقات کی کثرت نام ان کا لوگ چاہے جانتے ہوں مگر ان کی صورت کے آشنا بہت کم لوگ تھے۔

فضائے بسیط کے یہ روشن ستارے، حقیقت میں اپنے اندر ایک وسیع دنیا بسائے رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ان کی زندگی کی سرگرمیوں اور ان کے قول و عمل میں ایسی ایسی خیریاں پائی جاتی ہیں جن کا آج تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔۔۔۔۔

بے نظیر ایشار

یہ تو واقعہ ہے کہ اسلام کی تاریخ ایشار و قربانی کی تاریخ ہے، یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر صحابہ کرام اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تک، نفس جان و مال، اوقات اور محنت کی قربانیاں ہی قربانیاں اور ایشار ہی ایشار ملتا ہے۔ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات اور ایشار اور میدان بدر میں العطش العطش کے واقعات عالمتاب سے سے لے کر معرکہ کربلا تک اور اس کے بہت بعد زمانہ تک قدم قدم پر اس کی انمول مثالیں ملیں گی۔ انھیں میں ایک بے نظیر ایشار کا نمونہ ابراہیم تیمی کی زندگی ہے، انھوں نے اپنے ہم عصر عظیم المرتبت شخصیت ابراہیم نخعی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ اور آف تک نہ کیا، برف کی طرح جسم گھل رہا ہے، سوکھی لکڑی کی طرح جان عزیز موت کا نوالہ بنتی جا رہی ہے۔ ظالم کی سختیاں

عفریت بن کر کھلی آنکھوں کے ساتھ اس کو ہر طپ کرتی جا رہی ہیں لیکن زبان سے نہ اُف نکلتا ہے، نہ فیصلے سے انحراف کا خیال آتا ہے، اور نہ جسم و جان کی محبت اڑے آتی ہے۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نخعی کی صاف گوئی سے ان کا سخت دشمن تھا، ہمیشہ ان کے درپے ازار رہا کرتا تھا۔ لیکن دست رس حاصل نہ ہو سکا تھا۔ ایک آدمی کو ان کی تلاش میں لگا رکھا تھا۔ ابراہیم تیمی کو نخعی کے ساتھ حجاج کی دشمنی کا علم تھا۔ اس علم کے باوجود انھوں نے ان کے بچانے کے لیے اپنے کو پیش کر دیا کہ ابراہیم میں ہوں۔ تلاش کرنے والے آدمی نے ابراہیم تیمی کو پہچانتے تھے اور نہ ابراہیم نخعی کو، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ ابراہیم میرا نام ہے تو بس ان کو اپنا گوہر مطلوب سمجھ کر کشاں کشاں لے گئے۔ حجاج نے اپنے دشمن پر گویا قابو پایا تھا۔ اس لیے زنجیر میں جکڑا کر دیاس کے قید خانہ میں مقید کر دیا۔ یہ قید خانہ کیا ہے۔ موت کا کنواں تھا جس میں سردی، گرمی اور دھوپ سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ یہ قید خانہ حجاج کی ظالم طبیعت نے خود گھڑا تھا، جس میں وہ اپنے سنگین مجرموں کو ڈرا دیا کرتا تھا۔ اس قید خانہ کے اندر چند ہی دنوں میں رنگ و روپ سب کچھ بدل گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن جب ان کی والدہ ان سے ملنے آئیں تو ان کو پہچان نہ سکیں۔ یہ صاف علامت اس بات کی تھی کہ موت پوری رفتار سے ان کی طرف بڑھ رہی

ہے لیکن وہ پورے صبر و استقامت کے ساتھ اس قید و وطن کی سختیوں کو جھیلنے رہے یہاں تک کہ موت نے بڑھ کر ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

حیات بخش موت

یہ موت ایک مومن کی موت تھی، ایک اپنا ایشا رپند انسان کی موت تھی، ایک ایسے مسلمان کی موت تھی جس نے اپنے کو صرف اس لیے موت کے حوالے کیا تھا کہ ایک نیک شخص کو، ایک خادم دین کو، ایک صاحب علم و دانش کو ایک صاحب خیر و فلاح کو ایک فقیہ، ایک محدث اور ایک قاری کو زندگی مل سکے، ان کی ذات سے دین کو نفع پہنچے، دوسروں تک علم پہنچ سکے، اور قرآن و حدیث کا علم عام ہو سکے۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ابراہیم تیمی کی یہ قربانی رائیگاں نہ گئی۔ ابراہیم تیمی نے وقت کے اہم ترین مسئلوں پر توجہ دی، مختلف فتنوں کا انسداد کیا، عقائد کی درستی کے لیے بہترین کام کیے۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ابراہیم تیمی نے اپنی جان دے کر قوم کے لیے حیات خرید لی۔

ابراہیم نخعی

حضرت ابراہیم نخعیؒ کی زندگی میں جو چیزیں بہت نمایاں ہیں وہ ان کی عبادت و طاعت، سنت رسول کی پابندی، بدعات سے اجتناب، حکومت کے ساتھ مقتدل رویہ، عمال حکومت کے ساتھ میل جول اور ان کی اصلاح کا کام۔۔۔۔۔ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے فتنوں سے صحیح و اقیقت اور ان فتنوں کا سدباب کرنے کی سعی و جہد۔ فتنہ ارجاء سے عام مسلمانوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور جہاں بھی اور جس کسی کے بھی ذہن و دل میں اس کا کوئی نیج پایا گیا اس کی بیخ کنی کی۔ اسی صورت سے سبائی فتنہ کا بھی انسداد کرنے کی کوشش کی اور جس کسی سے بھی ایسی بات ظاہر ہوئی جس سے اندازہ ہوا کہ اس شخص کے اندر سبائی فتنہ کے جراثیم پائے جاتے ہیں، اس سے نہ صرف یہ کہ خود اجتناب کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے قریب جانے اور اس کا اثر لینے سے بچاتے رہے۔ صحابہ کرام ہم عصر تھے اور ان کے درمیان اختلافات بھی ہوتے ہیں۔ ان کے دور میں ایسے لوگ

پیدا ہو گئے تھے جو صحابہ کرام کے درمیان اختلافات کا جاوے جا ذکر
کر دیا کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی ایسی باتوں سے کوئی دل چسپی
نہیں رکھتے تھے اور لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے
درمیان اختلافات کا کوئی ذکر سننا نہیں چاہتے تھے۔ اگر کوئی ان کی
مجلس میں اس طرح کی کوئی بات کرتا تو اس کو روک دیتے اور فرماتے
اعتدال کی راہ اختیار کرو اور اپنی بربادی اور عاقبت کی خرابی اگر نہیں
چاہتے ہو تو اس مسئلہ میں خاموش ہی رہو۔ کون جانے تمہارے منہ
سے کون سی بات نکل جائے اور وہ حقیقت کے خلاف ہو۔ کیونکہ
پچی اور غلط باتیں مشہور ہو گئی ہیں۔ کون سی بات سچ ہے اور کون سی
غلط اس کا فیصلہ کون کرے گا اس لیے ضرورت ہے کہ اس معاملہ میں
خاموش رہا کرو۔

بدعت سے بھی وہ ہمیشہ بیزار رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ان کا کوئی کام بھی قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ اچھے سے اچھے کام میں بھی اگر ان کو شبہ ہو جاتا کہ اس میں بدعت کی خرابی پوشیدہ ہے تو وہ اس کے کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ اور معمولی سے معمولی کام بھی اگر وہ سنت ہوتا تو اسے ضرور کرتے تھے۔

حکومت کے ساتھ معاملے میں بھی ان کا رویہ ہمیشہ معتدل رہا۔ حجاج کے ظالمانہ رویے کی اگر ایک طرف وہ مخالفت کرتے تھے اور اس پر اتنی سخت نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ ان کے جان کا اتنا بڑا دشمن

ہو گیا کہ ان کے دھوکہ میں دوسرے کو ہلاک کر اچھوڑا، تو دوسری طرف وہ دوسرے اچھے عمال، حکام سے اچھے روابط بھی رکھتے تھے ان سے ان کا میل جول بھی رہتا تھا اور ان کے درمیان تحفے اور ہدایا کا لین دین بھی ہوا کرتا تھا۔

ابراہیم نخعی عابد و زاہد اور عالم و فقیہ ہونے کے باوجود خشک مزاج نہیں تھے۔۔۔۔۔ وہ خوش و غرم گھریلو زندگی رکھتے تھے، اپنی اولاد سے گہرا قلبی لگاؤ رکھتے تھے، اچھا لباس پہنتے، اچھی رہائش رکھتے، اور عام لوگوں میں ملنا جلنا اور اٹھنا بیٹھنا رکھتے۔

صوم و صلوٰۃ

ان کے روزے اور ان کی نمازیں ابراہیم تیمی جیسی ممکن ہے نہ ہوتی ہوں لیکن کثرت نماز کے ساتھ جسم و جان کی راحت کا بھی خیال رکھتے تھے غرضیکہ ابراہیم نخعی کی زندگی ایک ایسا نمونہ تھی جس میں لہروں جیسی روانی، باغوں کی شادابی، تلوار جیسی تیزی، حریر و ریشم جیسی نرمی، ماں جیسی شفقت، باپ جیسی شفقت، استاد جیسی شیرینی اور تلخی، وہ ایک معتدل انسان، سنت کے پابند، خوش لباس اور خوش جمال انسان۔ ان کی زندگی میں ہمارے لیے سعادت کے بہت سے سامان جمع ہیں۔

اجمالی خاکہ

یہ تھا حضرت ابراہیم نخعی کی سیرت و عمل کا ایک اجمالی خاکہ اب ان کی تفصیلات میں جا کر دیکھتے کتنے اور کیسے کیسے لعل و گہر بکھرے ہوئے ہیں جو دنیا والوں کے لیے بہترین نمونہ حیات ہیں جس پر چل کر انسان فلاح کی منزل تک پہنچ جاتا ہے اور اپنے رب کے مقبول و محبوب بندوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔

خدمات

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ یہ فضل رہا ہے کہ کبھی وہ جانوروں کا
ایسا گلہ بنائے گئے جس کا راعی اور نگہبان نہ رہا ہو، وادسی ظلمات میں دوڑ
تک بھٹکتے رہنے کے لیے بے سہارا نہ چھوڑے گئے۔ اور منزل
اور راہ سعادت کو اجتماعی آنکھوں سے کبھی اوجھل ہونے نہیں دیا تھا۔
ظلمتیں آئیں مگر اس کے اندھیرے میں تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ٹاپک
ٹریاں مارنے کے لیے بے آسرا چھوڑ دیا۔ بلکہ اگر ظلمتیں آئیں
تو تابانی صبح کی جھلکائیں بھی فوراً پیدا ہو گئیں۔ طوفان اُٹھے تو طوفانوں کی
زو میں چراغ جلا نے والے بھی آگے بڑھے۔ اور اس وقت سے
آج تک اور آج سے قیامت تک اندھیروں کو اُجالنے میں تبدیل کرنے
والے اور طوفانوں کی زد میں چراغ روشن رکھنے والے آتے رہیں گے۔
عبداللہ بن ابی کے بعد دوسرا بڑا منافق اسلام کو برباد اور مسلمانوں
کو تباہ کرنے کے بعد ایک منصوبہ بنا کر یہودی سے مسلمان ہو گیا اور اُس
نے اپنے جیسے بہت سے لوگوں کو اسلامی قلعہ میں داخل کر دیا۔ پھر

کمزور ضعیف العقیدہ اور غیر تربیت یافتہ اور تازہ وارد نو مسلموں کو اسلام کی تعلیمات سے ناواقف تھے گمراہ کر کے اپنی راہ پر لگا دیا۔ اس گروہ نے بڑے فتنے پیدا کیے۔ یہ گروہ تاریخ اسلامی میں سبائی کہلاتا ہے۔ یہ اور اُس گروہ کے بہت سے لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں ہی تباہ اور ملیامیٹ کیے گئے تھے، پھر بھی اس کے آدمی جو باقی رہ گئے تھے وہ اندرونی طور پر مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کا کام کرتے رہے۔

ان دشمنان اسلام کی ہر زمانہ میں کام کی ٹیکنیک وقت اور حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔۔۔۔۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں وہ کچھ اور طریقے سے نفاق پھیلانے کی کوششیں کرتے رہے، اور تابعین کرام کے زمانہ میں اُنھوں نے کچھ دوسرے طریقے اختیار کر لیے۔۔۔۔۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کے درمیان جب یہ بیٹھتے تو کسی نہ کسی نوعیت سے صحابہ کرام کے درمیان بعض اختلافات کا ذکر چھڑ دیتے۔۔۔۔۔ کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حامی بن جاتا اور کوئی حضرت علی کا ہمدرد بن کر کھڑا ہو جاتا۔ پھر شہادت عثمان رضی اللہ عنہ، قصاص کے واقعات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رویے تک بات پہنچتی۔ پھر صحابہ کرام کا ذکر اس حیثیت سے چھڑ دیا جاتا کہ کن لوگوں نے ان میں سے کس کا ساتھ دیا اور کیوں؟ وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختلافات، پھر یزید اور بیعت یزید! یہی شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام پر تبصرے ہونے لگتے۔ غرضیکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف، نفاق اور شقاقیت پیدا کرنے کی ہر ممکن سعی کرتے

ہو گی۔ بلکہ آدمی کا ایمان جہاں تقاضا نہیں رہے گا۔ یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار کر لینا کافی ہے، چاہے وہ توحید اور رسالت کی حقیقت کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ اس کلمہ کو زبان سے ادا کرنے کے بعد اگر کوئی تمام عمر شرک و معصیت کی نجاست میں سر سے پاؤں تک دھنسا رہے اور گناہ کیے چلا جائے۔ پھر بھی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ کیونکہ ایمان محض اقرار کا نام ہے۔ اس میں احکام و اعمال کا کوئی دخل نہیں۔ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی حکم پر عمل کرے تو اچھی بات ہے اور کسی حکم کی پابندی نہ کرے، جب بھی کوئی ہرج نہیں۔ کلمہ توحید ایک قول ہے اور یہی ایمان ہے۔

عام مسلمان "فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے ایمان میں کوئی فرق نہیں۔ جس نے زبان سے توحید باری تعالیٰ کا اقرار کر لیا۔ بس یہ اقرار اس کی نجات کے لیے کافی ہے۔ شریعت اور اس کے احکام پر عمل کرنا اس کے اپنی صوابدید پر، یا پسند و ناپسند پر ہے۔ دائرہ ایمان سے بہر حال اس کو کوئی چیز خارج نہیں کر سکتی۔

مرجیہ لفظ ارجاء سے نکلا ہے جو مشتق ہے رجاء بمعنی اُمید سے۔ اس لیے کہ مرجیہ کو یہ اُمید ہے کہ گنہگاروں کو اللہ بخش دے گا۔ اُمیدوں کا یہ عجیب و غریب عمل انھوں نے

اس ریت پر اٹھایا ہے کہ جس طرح تمام نیک اعمال، ایمان کے بغیر بے کار اور ضائع ہو جانے والی چیز ہیں بالکل اسی طرح تمام گناہ ایمان کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے اور خارج از دسترس کر دیئے جائیں گے۔

یہ ایک ایسا نامعقول عقیدہ ہے جس کے بعد مسلمان تو کجا کسی آدمی کا انسان رہنا مشکل ہے۔ ایک آدمی چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، بہت سے بُرے، ناروا اور مردم آزار کام محض اس لیے نہیں کرتا ہے کہ اس کے ذہن میں ان کے بُرے نتائج کا کوئی تصور موجود ہوتا ہے اور جب آدمی کو مذہبی بنیاد پر بُرائی کی چھوٹ مل جائے تو بُرائی سے کون سی چیز اس کو روکے گی۔

احادیث

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ایک مسلمان کا ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”ایمان کی شے سے اوپر شاخیں ہیں۔ ان سب میں سب سے بہتر زبان سے اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور سب سے کم درجہ کا ایمان کسی تکلیف و افیت دینے والی

چیز کا راستہ سے دور کرتا ہے اور شرم و حیا بھی
ایمان کی ایک شاخ ہے۔“

حضور سید عالم نور مجسم احمد مجتبیٰ امجد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
”پورا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے
مسلمان محفوظ و مامون رہیں اور مہاجر وہ ہے جس
نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جو جن سے خدا
نے منع فرمایا ہے۔ اور شرم و حیا بھی ایمان کی
ایک شاخ ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا۔
جب تک کہ اس کے نزدیک میں (یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم) باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے
محبوب نہ ہو جاؤں۔“

حضور پر نور شفیع یوم النور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
”جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف
رخ کرے اور ہمارے ذبح کیے ہوئے جانور کھائے
وہ مسلمان ہے۔“

ایک مرتبہ ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو ایمان لانے

کے بعد یہ اعرابی مسلمان تھے) کوئی ایسا عمل بتلائیے
کہ میں اس کو کروں اور جنت میں داخل ہو جاؤں۔
آپؐ نے فرمایا ”اللہ کی عبادت کر اور کسی شریک نہ
پنا، فرض نماز کو ادا کر، فرض زکوٰۃ کو ادا کر اور ماہِ رمضان
کے روزے رکھ۔“

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممتاز صحابہ کرام کی ایک
جماعت سے عہد لیا کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری
نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ کسی پر
خود ساختہ بہتان نہ باندھیں گے اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کریں گے۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عیدِ قرباں یا
عیدِ فطر کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کو تشریف لے
چلے اور عورتوں کے ایک گروہ کے قریب سے گزرتے ہوئے آپؐ
نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ اور خیرات کرو
کیونکہ مجھ کو یہ دکھلایا گیا ہے کہ تم میں سے اکثر دوزخی
ہیں۔ عورتوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم) اس کا سبب؟ آپؐ نے فرمایا۔ تم لعن
طعن بہت کرتی ہو۔ خاوند کی ناشکری کرتی ہو اور
تم میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو عقل و دین میں

ناقص (کم) ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف نہ بنا دیتی ہو، اور اس کی عقل ضائع نہ کر دیتی ہو۔

عورتوں نے عرض کیا: ”ہمارے دین اور عقل میں کیا نقصان (یعنی کمی ہے)“ آپؐ نے فرمایا: ”کیا ایک عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں آدمی گواہی نہیں ہے؟“ (شریعت میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ یعنی کسی معاملہ میں ایک عورت کی گواہی آدمی ہوتی ہے)

عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ تو ٹھیک ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تو تمہاری عقل کا نقصان ہے۔ اور جب تم حیض کی حالت میں ہوتی ہو تو زنجباز پڑھ سکتی ہو اور نہ ہی روزہ رکھ سکتی ہو۔

عورتوں نے کہا یہ بھی درست ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ بھی تمہارے دین کا نقصان ہے۔ (بخاری و مسلم) مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”تم میں سے کوئی شخص خرابی دیکھے، تو اُس کو چاہیے کہ وہ اس خرابی کو اپنے ہاتھ کی (یعنی بزور قوت) مدد سے دور کر دے لیکن اگر اس کے ہاتھ میں اتنی

قوت نہیں ہے (یعنی اس کام کو بزورِ قوت دور نہ کر سکتا
 ہو) تو اس کو زبان سے اس بُرے اور غلط کام کو بُرا
 کہنا چاہیئے اور زبان کے ذریعہ اس کو دور کرنا چاہیئے
 لیکن اگر کسی میں اس کی بھی قوت نہیں ہے (یعنی زبان
 کے ذریعہ بھی کسی کو اس بُرائی سے نہیں روک سکتا تو
 اس کو کم از کم اپنے دل میں اس شخص یا اس کام کو
 بُرا سمجھنا اور کہنا چاہیئے) اور یہ ایمان کا سب سے
 کمزور درجہ ہے۔“

یہ احادیث مبارکہ اور بخاری شریف، مسلم شریف اور دوسری کتب
 احادیث میں بیان کردہ بہت سی احادیث ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا
 ہے کہ تنہا ایمان معتبر نہیں ہے۔۔۔ یہ تو ممکن ہے کہ مشرک کی طرح
 ہمیشہ جہنم میں رہے بلکہ اپنے اقرار باللسان کی وجہ سے کسی مرحلہ میں نکال
 دیا جائے لیکن ایمان کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے
 ایک آدمی مومن نہیں رہ سکتا۔

قرآن مجید میں تو جرم و گناہ کے بعد اس کی پاداش سے بچنے کے جو طریقے
 بتائے گئے ہیں وہ ہے:

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَاصْلَحَ

توبہ کرے، ایمان لائے اور اپنی اصلاح کرے

خسارے سے بچنے کی اللہ تعالیٰ نے جو شرط لگائی ہے وہ بھی یہی

اور اعمال صالح اور حق کی تلقین اور صبر کی تلقین ہے۔ اور خود مسلمانوں کے فلاح پانے کی جو صورتیں قرآن میں بیان کی گئی ہیں ان میں نماز، خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا، اپنی زبان، نفس و عمل کا تزکیہ کرتے رہنا، شرم گاہوں کی حفاظت کرنا اور دیگر اعمال شامل ہیں۔۔۔ پھر قرآن میں بعض جرائم کی سزا دائمی جہنم قرار دی گئی ہے

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا متعمداً فجزاءہ جہنم خالدین فیہا
 ”جب کسی نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔“

اس آیت سے بھی یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کلمہ پڑھنے سے آدمی آزاد نہیں بلکہ پابند ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی پابندی، آپ سے محبت رکھنے کی پابندی، مسلم معاشرے کی اصلاح کا خیال رکھنے کی پابندی، مسلم زیباست کی حفاظت کی پابندی، امانت و دیانت کی پابندی۔۔۔ غرض کہ کلمہ توحید پڑھنے سے ایک آدمی نہ صرف یہ کہ ذمہ دار اور پابند بن جاتا ہے بلکہ اسلامی اخلاق کا اس کو معلم بننا پڑتا ہے۔

اسلام جو مسلم معاشرہ تشکیل دیتا ہے، اس کو خرابی، فساد، انتشار اور افتراق سے محفوظ رکھنے کے لیے سوسائٹی کے ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ معاشرے کی بھلائی کے لیے کام کرتا رہے اور جانتے بوجھتے کوئی ایسا کام خود اور نہ دوسروں کو کرنے دے جس سے

_____ تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس کا کلی استیصال نہ ہو سکا کیونکہ اس عقیدے کے ماننے والوں کو مسلمان رہ کر نامسلمانی کرنے کی آزادی حاصل رہتی تھی اور حق پرستی کی جگہ نفس پرستی کی تمام راہیں کھلی رہتی ہیں۔

نفرت کا اظہار

حضرت ابراہیم نخعی اس عقیدے کے لوگوں سے سخت بیزار رہتے تھے اور اس کو ایک ایسی بدعت قرار دیتے تھے جس میں بگاڑ ہی بگاڑ اور بربادی ہی بربادی ہے۔

ابنِ عون نے ابراہیم نخعی کی نفرت اور بیزاری کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابراہیم نخعی کی صحبت میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ دورانِ گفتگو انھوں نے خود ہی ترجیہ کا ذکر کیا اور اس کی خرابیاں بیان کیں۔ پھر فرمایا کہ تم لوگوں کو اس عقیدہ کے لوگوں کی صحبت تک سے بچنا چاہیے۔ ان لوگوں نے ایک نئی راہ اور ایک نیا عقیدہ اپنی رائے سے گھڑ کر نکال لیا ہے۔ یہ عقیدہ رجاء اور بدعت ہے اور بدعت فتنہ ہوا کرتا ہے۔

حکیم ابنِ جبیرؒ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ مرجیہ اس اُمت کے حق میں مجھے سب سے بڑا خطرہ نظر آتے ہیں۔ مجھے اُمتِ مسلمہ میں ان لوگوں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔

ایک دن اس عقیدے کے چند لوگ ان کے پاس آئے اور ان کے

سامنے اپنے عقیدے کی باتیں شروع کر دیں۔ آپ ان کی باتیں سن کر سخت برہم ہوئے اور بھڑک کر بولے کہ اگر واقعی تمہارا عقیدہ یہی ہے تو تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ اور آئندہ کبھی ادھر اپنا قدم نہ رکھنا۔

اعمش سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن جبکہ بہت سے لوگ جمع تھے، کسی نے مرجیہ کے عقیدے کا ذکر چھیڑ دیا۔ آپ نے کہا خدا کی قسم یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہیں۔۔۔۔۔ وہ تو اہل کتاب سے بھی زیادہ مبغوض ہیں، اور غضب الہی کو دعوت دینے والے۔۔۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اہل کتاب تو مسلمان کے لیے اتنے خطرناک اور گمراہ کن نہیں ہیں جتنے مرجیہ ہیں۔

ایک شخص محل ہیں ایک دن ان سے کہنے لگے کہ مرجی تو اپنے عقیدے کی دعوت بھی دینے لگے ہیں۔ ایک دن ایک مرجی نے مجھ سے کہا کہ تم بھی ہماری طرح مومن بن جاؤ۔۔۔۔۔ انہوں نے کہا تم اس کے جواب میں اس کے سامنے قرآن کی یہ آیتیں پڑھ دیتے :

”ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیمؑ پر نازل کیا گیا تمام احکام و شرائع و ہدایات پر ایمان لاتے ہیں۔“

سبائی اور مرجی

مرجی کی طرح سبائی عقیدے کے بھی وہ سخت دشمن تھے۔ وہ

حضرت عثمانؓ کی نسبت حضرت علیؓ سے زیادہ محبت ہے لیکن اس میں کسی ظن کا دخل نہیں ہے۔۔۔ میں آسمان سے مژدہ کے بل کرتا تو پسند کرتا ہوں لیکن کسی طرح گوارا نہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ کسی قسم کا سوئے ظن رکھوں۔

سبائی کون تھے اور کیا کر گئے

سبائیوں کا جب ذکر آگیا ہے تو ان کے بارے میں اتنا لکھ دینا غیر مناسب اور غیر ضروری نہیں ہوگا کہ سبائی عبد اللہ بن وہب بن سبا معروف ابن السودا کی طرف منسوب ہیں۔۔۔ عبد اللہ بن سبا حقیقت میں یمن کا رہنے والا یہودی تھا اور مذہب اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت مسلمان ہو گیا تھا۔۔۔ اس زمانہ میں جبکہ وہ مسلمان ہوا تھا مسلمان ہو جانا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونا ایک عام بات تھی۔ قبیلے کے قبیلے، علاقے کے علاقے اور شہر کے شہر فوج در فوج کے حساب سے مسلمان ہو رہے تھے، ان میں کچھ مخلص بھی تھے، کچھ مفاد پرست بھی تھے، کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام دشمنی میں مخلص مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے مسلمان ہو رہے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام میں خلوص دل سے تو داخل ہوئے تھے مگر اپنے باطل خیالات و افکار اور عقیدے اور رسومات کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔

عبداللہ بن سبا ان لوگوں میں تھا جو شروع ہی سے اسلام دشمنی پر کمر بستہ تھے لیکن یہودی رہتے ہوئے چونکہ وہ اپنے مقصد کو پورا نہیں کر سکتا تھا اس لیے وہ مسلمان ہو گیا۔ اس سے پہلے یہودی رہ کر وہ کئی بار مسلمانوں کے شہروں اور علاقوں میں گیا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کیں۔ لیکن جب اس طرح اس کو کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں مسلمان ہو گیا اور اپنی مہم کا اس نے اس طرح آغاز کیا کہ بصرہ کے لوگوں کی خامیوں اور کمزوریوں کو پہلے بھانپا۔ پھر ۳۳ھ میں اپنے منصوبے کے ساتھ یمن کے بصرہ پہنچا۔ یہاں اول اپنے طرز کے لوگوں کو تلاش کیا اور اپنے لیے ساتھیوں کو ڈھونڈ نکالا جو اسی کی طرح سوچ رکھتے تھے اور جو بصورت ناگ بن کر مسلم سوسائٹی کو ڈستے ہی کے لیے مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر اس نے خود اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے مہم انداز میں ایسی باتیں پھیلانی شروع کر دیں جو لوگوں کو شک اور تذبذب میں ڈالنے والی تھیں۔ — عبداللہ بن عامر جو اس وقت بصرہ کے گورنر تھے، جب ان کو یہ تفصیلات معلوم ہوئیں اور اس کی شرارتوں سے وہ آگاہ ہوئے تو اس پر اس کی گرفت کی اور تنبیہ کرتے ہوئے بصرہ سے اس کو نکلوا دیا۔ بصرہ سے نکل کر وہ کوفہ آیا۔ پھر یہاں سے حجاز اور شام میں اپنی سازشی تحریک کے خطرناک بیج بوتا ہوا مصر پہنچا۔ اور اس کو اپنا مرکز بنالیا۔ — ہر جگہ وہ موقع اور محل کے اعتبار سے باتیں پھیلاتا رہا۔ جو لوگ تربیت یافتہ نہیں تھے اور نہ ان کو دین کی معلومات تھیں

ایسے لوگوں کے سامنے حق خلافت کا مسئلہ رکھ دیتا۔ اگر سیدھے
سادے لوگ مل جاتے اور کسی قدر دین کی فہم میں کمزور بھی تو ان کے سامنے
یہ کہتا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام
آسمان پر اٹھالیے جانے کے بعد پھر دنیا میں آئیں گے، وہ لوگ اپنے پیغمبر
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو افضل الانبیاء اور خاتم المرسلین ہیں۔

دنیا میں واپسی کے قائل نہیں ہیں حیران کن بات ہے۔ یہ تو ایک طرح
کی تکذیب ہے۔ اس طرح وہ رجعت رسول کا باطل عقیدہ شدت سے
لوگوں میں پھیلاتا رہا۔ جس کے نتیجے میں جس طرح پہلی بات کو کچھ لوگوں نے
قبول کر لیا۔ اسی طرح اس دوسری بات کے بھی کچھ لوگ قائل ہو گئے اور
مذہب رجعت وجود میں آ گیا۔

سائنسیوں کی قوت، اپنے عمل کی تاثیر اور اپنے خوابوں کی اس طرح
آسان تعبیر نکلتی ہوئی اس نے دیکھی تو اس کا حوصلہ اور بڑھا اور اب اس
نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کہنا شروع کیا کہ نبی کا ایک وحی ہوا
کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی حضرت علیؑ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم حضرت علیؑ کے حق میں امامت کی وصیت کر گئے ہیں چنانچہ
حکم نبوی کے مطابق وہی دراصل امت کے خلیفہ ہیں۔ حضرت ابو بکر و
عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین نے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے
مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ موجودہ غاصب خلیفہ سے خلافت کو چھین
لیں اور حضرت علیؑ کو خلیفہ بنا دیں۔ اپنے ان خیالات کو تحریک کی

کوفہ

کوفہ، بصرہ، مصر اور کسی قدر مدینہ میں موجود ان لوگوں کے اندر جو ایرانی اور رومی طرز بادشاہت سے مانوس تھے، اور حکومت کو موریوثی حق سمجھتے تھے، حضرت علی کے متعلق ابن سبا کی دعوت سے متاثر ہو سکے اور حضرت علیؑ کو واقعی حق دار سمجھ کر حضرت عثمانؓ کو غاصب سمجھنے لگے اس پر طرفہ یہ کہ کوفہ کے امام اپنے مزاج کے اعتبار سے شورش پسند تھے اور حکومت کے مناصب پر قبضہ حاصل کرنے کی فکر میں چونکہ رہا کرتے تھے اس لیے آئے دن حکام اور امرا اور عمال پر نکتہ چینی کیا کرتے

اور ان کے خلاف جھوٹے سچے الزامات تراشتے رہتے تھے جس کی وجہ سے کوفہ کے حکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا تھا۔ امراء کی اس جلد جلد تبدیلی نے کوفہ میں سازشوں کے مواد کو بڑھا دیا۔ — عبد اللہ بن سبا اور ان کے ہوشیار ساتھیوں نے کوفہ کی اس سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور خط و کتابت کر کے فتنہ کی جھڑپوں کو مضبوط کر دیا۔ کوفہ کے لوگ گرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے مؤید تھے لیکن انقلاب بپا کرنے اور اپنی اغراض کو حاصل کرنے کے لیے اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور اسلامی مقبوضات میں حضرت عثمانؓ اور ان کے امراء عمال کے خلاف شورش پھیل رہے تھے۔

بصرہ

کوفہ کی طرح اگرچہ بصرہ میں عام طبقہ کے اندر خلافت کے خلاف کوئی برہمی نہ تھی تاہم کچھ ایسے عناصر ضرور موجود تھے جن میں سبائی تحریک اپنا اثر قائم کر کے نفوذ کر سکتی تھی، چنانچہ باضابطہ مہم چلا کر حضرت عثمانؓ کے حکام اور عمال کے خلاف شورش پیدا کرنے والے تیار کر لیے گئے۔

مصر

ان علاقوں کی نسبت مصر فتنوں کے لیے زیادہ سازگار تھا۔ سبائی تحریک کا مرکز بھی مصر ہی تھا، اور یہاں حضرت علیؓ کی ”خواہ مخواہ“ کی تائید کا

سہارا لے کر قہمت آزمائی کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ جو پوری قوت سے
 سبائی تحریک کو آگے بڑھا رہی تھی۔ شام، کوفہ، مصر اور مدینہ وغیرہ جیسے اہم
 مرکزی مقامات پر یہ لوگ تحریر و تقریر کے ذریعہ زور و شور سے کام کر رہے
 تھے، یہاں تک کہ سبائی تحریک کی چالبازیوں، ان کے پروپیگنڈے کی
 قوت، اور عام رسائل و مسائل کی کمی کے باعث اچھے لوگ بھی غلط فہمیوں کا
 شکار ہو گئے اور طعن و تشنیع کی دبا سی پھیل گئی۔ اہل فہم و دانش اور مخلصین نے
 جو ابتداء میں اس کو محض معمولی سی چیز سمجھ رہے تھے اور کچھوں کی بھنبھناہٹ
 سے زیادہ اس کو وقعت نہ دے رہے تھے اب وہ بھی ہوشیار ہو گئے اور
 کئی دانش مندانہ تدابیر بھی اختیار کیں، لیکن منظم سازش کے مقابلے میں ان کی
 کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں، اور بالآخر وہ عظیم فتنہ رونما ہو کر رہا جس کا
 نام واقعہ شہادت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

وہ کیسے مرا

مسلمانوں کو ایک بڑے فتنے سے دوچار کرنے کے بعد وہ خود ایک
 ایسے فساد کی طرف بڑھا جس کی آگ میں خود بھی جلا اور بہت سے دوسرے
 لوگوں کو جلایا اور گمراہی کا راستہ کھول دیا۔ شہادت عثمان کے بعد اس
 نے جو اگلا قدم بڑھایا وہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے دو بدو
 ہو کر یہ کہنے لگا کہ اَنْتَ اِلٰہ۔ آپ ہی اللہ ہیں اور میں آپ کا
 پیغمبر ہوں۔ یہ ایسی بات تھی کہ جس پر مسلم معاشرہ ہنس ہی سکتا تھا

چنانچہ حضرت نے کہا۔ بے وقوف انسان شیطان نے تجھ پر قابو پا لیا ہے ،
 وہ تجھ سے مذاق اڑاتا اور استہزاء کرتا ہے اور تو اُسے سچ سمجھ بیٹھا ہے ۔
 جا اللہ سے توبہ کر اور اس بے ہودہ خیال سے باز آ۔ لیکن وہ نہ صرف یہ
 کہ نہ مانا بلکہ اپنے جیسے بہت سے لوگوں کو مجنوں الحواس بنا دیا۔ آخر حضرت
 علی رضی اللہ عنہ نے اس کو جیل بھجوا دیا۔ اور جب جیل میں بھی وہ اپنے اس اعتقاد سے
 باز نہ آیا تو اُسے آگ میں جلا دیا۔

ناحق و نامنظور

حضرت ابراہیم نخعی جس طرح سنت کے سخت پابند، بدعات سے حد درجہ مجتنب اور صحابہ کی ذات سے بلا استثناء بے انتہا محبت رکھنے والے تھے، اسی طرح حق کے پرستار اور ناحق کے کڑے دشمن بھی تھے۔ _____ ناحق باتوں میں دوستی، تعلقات، مراعات کسی کی ذرہ پروا نہیں کرتے تھے، دوستی اور تعلقات اپنی جگہ پر اور حق اور حق کے حقوق اپنی جگہ پر۔ وہ سلاطین و امراء کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور مراسم بھی رکھتے تھے، ان میں باہم ہدایا و تحائف کا تبادلہ بھی ہوا کرتا تھا، ممتاز امراء ان کی خدمت کیا کرتے تھے جن کو قبول کرنے میں وہ کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، لیکن یہی امراء جب کوئی ناحق بات کرتے تو نہ صرف یہ کہ ٹوک دیا کرتے تھے بلکہ سخت مخالفت بھی کیا کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف کی اسی وجہ سے ان کی نہیں بنتی تھی اور بالآخر ان کو دشمنی میں وہ اپنا بڑھ گیا کہ ان کے دھوکے میں ابراہیم بھی کی اس نے جان لے کر چھوڑی، اور پھر اسی پر اس کا جذبہ و انتقام سرور نہیں ہوا بلکہ

اپنے شکار کی تلاش کو قید خانہ سے نکلوا کر گھوڑے پر بٹھکوا دیا، اور خواب میں
میں دکھائے جانے والے اس رویا صادقہ کے بعد بٹھکوا دیا کہ ”آج شہر میں ایک
جنتی شخص مر گیا ہے۔ صبح کو اُس نے اپنے اس خواب کو بیان کر کے لوگوں
سے اس شب انتقال کرنے والے کی بابت دریافت کیا اور جب اسے معلوم
ہوا کہ آج شب جیل خانہ میں ابراہیم انتقال فرما گئے ہیں۔ اس پر بھی اس
ظالم کا ضمیر بیدار نہ ہوا بلکہ یہ کہہ کر کہ یہ خواب ایک شیطانی وسوسہ معلوم ہوتا
ہے ابراہیم کی لاش کو گھوڑے پر بٹھکوا دیا۔

اللہ کی لعنت

ایک مرتبہ ایک شخص نے حجاج اور اُس جیسے ظالموں پر لعنت بھیجنے
کے بارے میں سوال کیا، آپ نے جواب دیا خود اللہ تعالیٰ قرآن پاک
میں فرماتا ہے **اللعنة الله على الظالمين**۔ خبردار ہو جاؤ۔ اللہ
ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ یعنی ظالموں پر لعنت کرنا بری بات اور
اخلاق کے منافی ہے۔

حجاج کے ظلم و ستم کی عادت کی وجہ سے وہ اس سے سخت بیزار
تھے۔ چنانچہ جس وقت ان کو حجاج کے مرنے کی اطلاع ملی تو وہ بہت
خوش ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے اور مسرت کے آنسو ان کی آنکھوں سے
جاری ہو گئے۔

سادہ مزاجی

ابراہیم نخعی میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی صفات جمع کر دی تھیں، ایک طرف وہ بڑے عالم، بہترین قلیع سنت، حدیث کے ممتاز حافظ، اعلیٰ درجہ کے مفسر، فقہ کے امام اور کمال درجہ کے فقیہ تھے۔ دوسری طرف وہ خندہ طبیعت کے مالک، بے تکلف اور سادہ مزاج تھے، مزاج کے اندر اس قدر تواضع اور انکساری تھی کہ مجلسوں میں کسی طرح کی امتیازی حیثیت سے بیٹھنا تک پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے کے مقابلے میں ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھنے کا امتیاز تک گوارا نہیں کرتے تھے، عامی سے عامی اور جاہل سے جاہل آدمی سے ملنے میں ان کو کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ ان کی مجلس ہر شخص کے لیے عام تھی، پڑھے لکھے عالم فاضل، اُمراء اور عمال سے لے کر ایک عام آدمی بھی بے تکلف ان کی مجلسوں میں بلا روک و ٹوک آسکتا تھا۔

ایک مرتبہ اعمش سے ایک شخص نے طنزاً یہ بات کہی کہ تم اور ابراہیم نخعی دونوں ہی مسجد اعظم میں بیٹھتے ہو جہاں عریف اور شرطی نوکر غلام اور معمولی سپاہی تک تمہارے ساتھ بے تکلف بیٹھتے ہیں۔ اعمش نے ایک دن ابراہیم نخعی سے اس اعتراض کا ذکر کیا اور کہا لوگ ایسا ویسا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بیشک ہم مسجد میں بیٹھتے ہیں اور ہمارے پاس عریف اور شرطی بیٹھتے ہیں۔ بلاشبہ الگ تھلک اُپرچ میچ اور

فرق و امتیاز کی زندگی سے زیادہ مجھے یہ زندگی پسند ہے۔ ہم اس بات کو برا سمجھتے ہیں کہ ہم لوگوں سے ملیں جلیں نہیں۔ الگ تھلک رہیں اور اس جڑی عادت کی وجہ سے مجھ پر فرقہ بندی، سخت مزاجی، علیحدگی پسندی، مغرور متبعانہ خیالات کی تہمت لگائی جائے۔ وہ تو راہ چلتے ہوئے بعض مرتبہ دوسروں کا بوجھ تک اٹھالیتے تھے اور ان کو کوئی احساس نہ ہوتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ بعض موقع پر لوگوں نے ان کو ٹوک بھی دیا کہ بھلا آپ دوسروں کا بوجھ اپنے اوپر کیوں لا دیتے ہیں، یہ تو آپ کی شان اور علمی رتبہ کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ میں محض حصول اجر کے لیے کرتا ہوں۔ لیکن اس سادہ مزاجی اور انکساری کے باوجود ان کی ہیبت لوگوں پر چھائی رہتی تھی، اور بڑے سا بڑا آدمی بھی ان سے مرعوب رہا کرتا تھا۔

ان کی یہی جلالت شان اور علمی وقار اور فضل و کمال تھا جس کی وجہ سے ابراہیم تہیمی نے اپنی جان دے کر ان کی جان بچالی تھی۔ مضمر کہتے ہیں کہ لوگ ان سے اس طرح ڈرا کرتے تھے جس طرح حکام اور اُمراء سے ڈرا کرتے تھے۔

... اور سخت گیر نہ تھے

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص بوفقیہ بھی ہو اور عبادت و ریاضت کے معاملے میں بھی ممتاز مقام رکھتا ہو وہ خشک مزاج اور سخت گیر ہوتا ہے لیکن ابراہیم سختی میں یہ بات نہ تھی۔ ایک طرف تو وہ اس

قدر عبادت گزار تھے کہ راتیں عبادت میں گزارتے تھے اور ہر ایک دن کے بعد دوسرے دن روزہ رکھا کرتے تھے اور یہ عبادت پیہم اور اس قدر تسلسل کے ساتھ کرتے تھے کہ دن چڑھے تک معلوم ہوتا تھا کہ وہ بیمار ہیں یا سخت بیماری سے ابھی اُٹھے ہیں۔ اور فقیہ بھی ایسے کہ پورے بلاد اسلامیہ میں ان سے کوئی بڑا فقیہ نہیں۔ جن کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہو۔ امام شعبی ان کی فقہ دانی کی بابت کہتے ہیں کہ ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا۔ اس پر لوگوں نے پوچھا حسن بصری اور ابن سیرین کو کبھی نہیں۔ شعبی نے جواب دیا صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں۔ دوسری طرف مزاج میں نفاست اتنی تھی کہ جب سب لوگ سو جاتے تھے، وہ اُٹھتے، فراغت اور وضو کے بعد عمدہ ساجدہ زیب تن کرتے، اچھا لباس پہنتے، خوشبو لگاتے پھر مسجد میں جاتے۔

اسی طرح عقائد اور سنت رسول کی پیروی میں سخت ہونے کے باوجود چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں سختی کو ناپسند فرماتے تھے۔

ان کی مسامحت پسندی اور نرم روی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دن ان کے یہاں دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک کو بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے، فرقہ شکنی

نے ابراہیم سے کہا کہ ابو عمران اس شخص کو بند کھوسنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع کیوں نہیں کرتے؟

ابراہیم نخعی نے یہ سن کر کہا کہ تعجب ہے کہ تم ایسی ایسی باتوں میں لوگوں کو پکڑنا چاہتے ہو، تم میں بنی اسد کی سنگدلی یا بنی تمیم کی سختی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ بھائی سیدھی سادی بات یہ ہے کہ ایک شخص کو گرمی معلوم ہو رہی تھی اس نے اپنا بند کھول لیا ہے، دوسرے شخص کو آدمی جن کے بال بندھے ہوئے ہیں نماز کے وقت کھول دیا کرتے ہوں گے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ ان پر آدمی کو روکا ٹوکا جائے اور اس طرح روکنے ٹوکنے سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔

اسی طرح حدیث کے بڑے حافظ تھے اور دوسرے طبقہ کے حفاظ میں ان کا شمار ہوتا ہے، اور ان کی مرویات کا یہ درجہ تھا کہ ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعبی کی مرسل روایات سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ دوسری طرف روایت حدیث میں ان کی الفاظ کی پابندی ضروری ہی سمجھتے تھے اور بامعنی روایت کافی سمجھتے تھے۔

خوش لباس

ابراہیم نخعی کی زندگی جہاں فضائل اخلاق سے آراستہ و پیرا ستہ ملتی ہے، عبادت اور زہد و تقویٰ میں جہاں وہ بلند وارفح نظر آتے ہیں۔ توحید اور سنت کی روح اور اتباع شریعت کا جو جذبہ ان کے اندر کارفرما

ملتا ہے، وہاں دنیا سے بہترین تعلقات کی مثالیں اور نمونے بھی ملتے ہیں۔ ایک طرف وہ ظالم اُمراء اور حکام سے بیزار بھی ملتے ہیں اور دوسری طرف اچھے حکمرانوں سے ان کے اچھے تعلقات، آمدورفت اور لین دین کا سلسلہ بھی قائم ملتا ہے۔ رات کو تقویٰ کی چادر اوڑھے اور دن کو روزوں کے اثر سے روشن و تاباں چہرہ لیے ہوئے مصروف کار نظر آتے ہیں۔ نہ گوشہ تنہائی میں بیٹھے ملتے ہیں اور نہ بدن پر چھینٹے لگاتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ بلکہ پُر نور چہرے والے جسم پر رنگین اور بیش قیمت لباس بڑے ہوئے ہیں۔ کبھی زعفرانی، کبھی سرخ لباس سے جسم مزین ہوتا ہے تو کبھی نہایت چادر سے لپٹے ہوئے ملتے ہیں۔ سردی کا موسم آیا اسی لحاظ سے لباس میں تبدیلی بھی ہوتی، سردی کے لباس میں سمور کی سجاوٹ لگی ہوتی ہے۔ سر پر عمامہ بندھا ہوا ہے، اور کبھی سمور کی ٹوپی اوڑھے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ انگلی میں انگوٹھی بھی ہے گرچہ وہ لوہے کا چھلہ ہے تاہم منقش ہے اور اس پر ذباب اللہ و نحن لہ کھدا ہوا ہے۔

دنیا اور اس کی ضرورت سانیوں اور نفع بخشوں سے پوری طرح واقف تھے، اولاد سے بے حد محبت کرنے والے تھے، وفات کا وقت قریب آچکا ہے۔ لوگ ان کی عیادت کہہ رہے ہیں۔ ایک دن عیادت کرنے والوں نے دیکھا کہ وہ رہ رہے ہیں۔ ساتھیوں کو حیرت ہوئی۔ آخر میں ابی اہیم نے پرچہ ہی لیا آپ رو کیوں رہے ہیں؟

جواب میں فرمایا۔ میاں اس لیے میں رو رہا ہوں کہ دنیا چھوٹ

رہی ہے اس کی لذتیں چھوٹ رہی ہیں۔ بلکہ میں اپنی دوا لڑکیوں کی وجہ سے دور ہا ہوں۔“ وہ کہتے ہیں کہ جب دوسرے دن میں پھر ان کے یہاں گیا تو وہ انتقال فرما چکے تھے۔

وفات

وفات کے وقت ابراہیم نخعیؒ نے جو وصیت کی وہ یہ تھی کہ ”میری قبر لحد والی بنائی جائے، اور قبر کو پختہ نہ کیا جائے، اور اگر میری میت کو اٹھانے والے چار آدمی بھی جمع ہو جائیں تو کسی پانچویں مسلمان کو اس کے لیے تکلیف اور زحمت نہ دینا۔ اللہ اکبر مسلمانوں سے کس قدر محبت اور اخلاص رکھتے تھے کہ ایسے موقع پر بھی کسی کو زحمت دینا نہ چاہتے تھے۔

مرض الموت کے پورے زمانے میں وہ نہایت ہی مضطرب اور بے چین رہے، لوگوں نے پوچھا آپ اس قدر بے چین اور بے قرار کیوں رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بھائی اس سے زیادہ خوف اور خطرے کا اور کون سا وقت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا قاصد آیا چاہتا ہے۔ وہ کون سا پیغام لے کر آئے گا کیا معلوم؟ وہ جنت کا پیغام ہوتا ہے یا جہنم کا کون جانے؟ اس پیغام کے ملنے سے زیادہ مجھے تو یہ بات پسند ہے کہ میں اسی اضطراب کی حالت میں قیامت تک اس پیغام کا انتظار کرتا رہوں۔ جس پیغام کے بارے میں کچھ نہیں معلوم وہ کیا ہے؟

اقوال

حضرت ابراہیم نخعیؑ نے اپنی زندگی کے تجربات کو اپنے چند زریں اقوال میں جمع کر دیا ہے۔ یہ اقوال تجربات کا پتھر، فہم و بصیرت کا انمول تحفہ ہیں چند حکیمانہ اقوال یہ ہیں :

۱۔ انسان چالیس سال تک جس سیرت و کردار پر قائم رہے وہ نہیں بدل سکتا۔

۲۔ ایمان کے بعد انسان کو سب سے بڑی جو دولت عطا کی گئی ہے وہ تکلیفوں پر صبر کرنا ہے۔

۳۔ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اچھا کہے۔ اس کے بعد اصلی حالت بیان کرے کیونکہ شکوہ غم صبر کے خلاف ہے۔

۴۔ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے تاکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں تو اس وجہ سے وہ جہنم میں گر سکتا ہے۔

۵۔ انسان کے لیے یہ معصیت کافی ہے کہ لوگ دین یا دنیا کے معاملے میں اس کی طرف اشارے کریں۔

اسلامی نظام

کے نفاذ کے مبارک موقع پر

وکلار، جج صاحبان، پروفیسر حضرات
اور تعلیم یافتہ طبقے کے لیے

اسلامی نظام قانون اور ضابطہ حیات

کی مکمل تفصیلات پر مبنی
مستند ترین احادیث نبویؐ کا مجموعہ

صحیح مسلم — از امام مسلم

مکتب عربیہ متن اسلامیہ اردو میں ترجمہ و تشریح عبدالحمید صدیقی
کوہ سلسلہ فار اشاعت ————— (ہر ماہ ایک حصہ)

پہلا حصہ چھپ کر تیار ہے

عمر فاروق سلیطہ عالمی

۵۔ بلال سٹریٹ، اچھرہ، لاہور

راتے ہول سیل: البدر پبلکیشنز، اردو بازار، لاہور

عالم اسلام
کے عظیم مفکرین کی
دواہم کتابیں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
کی ایمان افروز عصری مجاہدیں

ایک ایسی کتاب جس نے
مغربی دنیا میں تکرار مچا دیا۔

ہلے
ذیلدار پارک

دوسرا ایڈیشن

اسلام اور
جدید ذہن
کے
شہادت

قیمت بہارے

محمد قطب
ترجمہ: محمد سلیم کیانی

اپنے دور کی عمدہ ساز و مناسب
جو تانچہ کل مرتب ہوئی اس کے
خود غالب آن اپنی آنکھوں سے دیکھیے۔
علوم و معارف کا دھچپ اور معلومات
افزادہ مجموعہ۔
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے

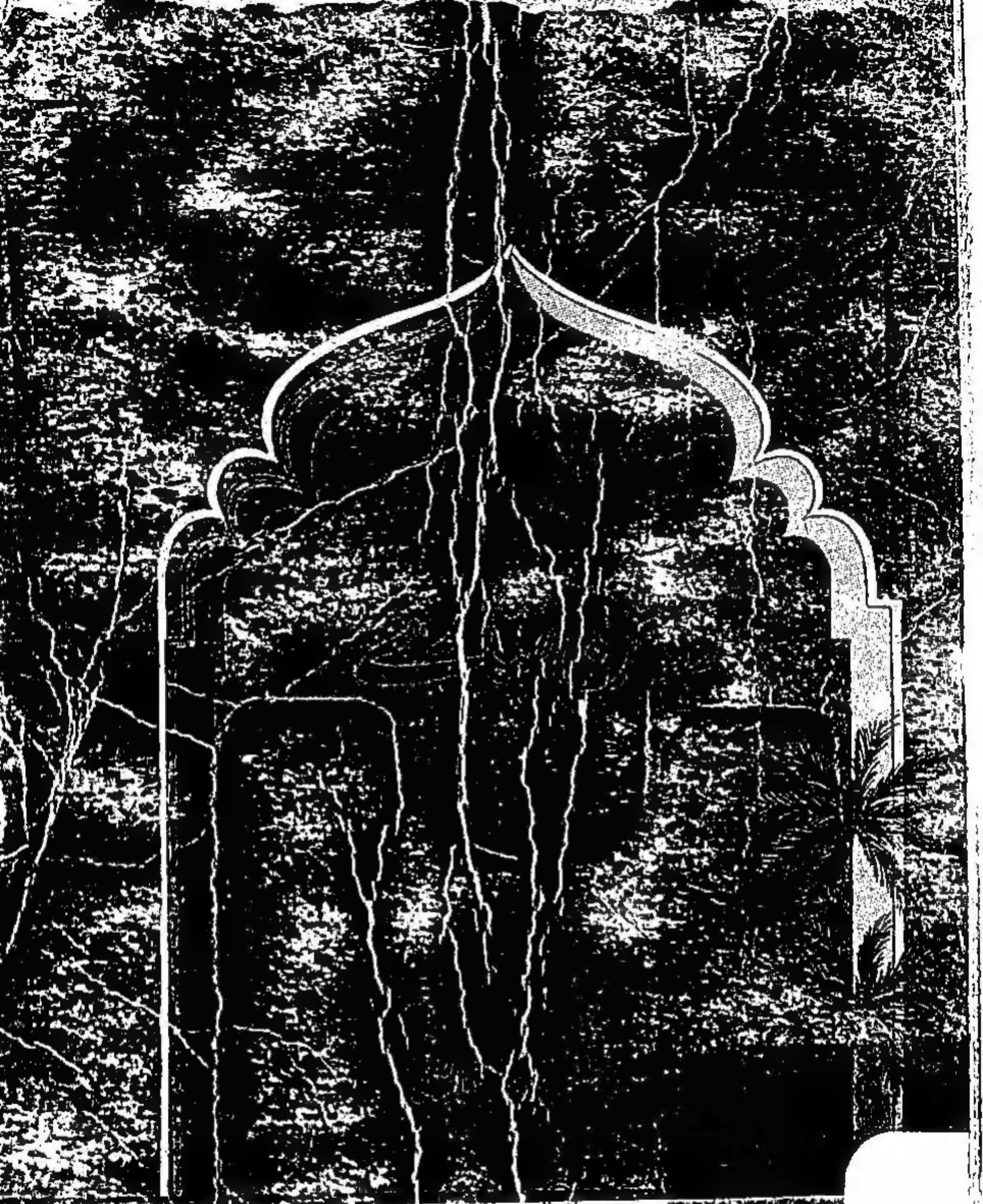
نظر ثانی
کے بعد

قیمت: ۲۱ روپے

۲۲

اسلام کے متعلق پھیلائی
ہوئی غلط فہموں کا مٹواؤ والا
نئی نسل کو اسلام پر مطمئن کرنے
کے لیے بیش قیمت کتاب۔
ولشیں اور مدلل انداز بیان

البتدر پبلیکیشنز
۴۴ بی آر دو بازار
لاہور



اداره معارف اسلامی کراچی